پُل صراطِ محبت





بشریٰ مسرور



پُل صراطِ محبت

بشریٰ مسرور

عبداللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

ناشر: مشتاق احمد

اہتمام: سلمان منیر

نام کتاب	—	پُل صراطِ محبت
مصنف	—	بشریٰ مسرور
مطبع	—	آر آر پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
کمپوزنگ	—	گُل گرافکس
اشاعت	—	2014
قیمت	—	250 روپے

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تا کہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جا سکے۔ شکریہ

یہ اس لڑکی کی پروفائل پک (Pic) ہے۔

میں نے اس کی اصل آئی ڈی سے یہ تصویر اٹھا کر فیک آئی ڈی بنالی ہے۔

”دکھاؤں؟“ یاسر نے فیس بک پر کسی لڑکی کا نام ٹائپ کیا۔ کمپیوٹر کو دیا ہوا پاس ورڈ لگایا اور اس لڑکی کی جعلی آئی ڈی اس کی اصل تصویر کے ساتھ کھل گئی۔

لڑکی کی تصویر تو وہی تھی جو اصل آئی ڈی پر لگی ہوئی تھی مگر فرق صرف اتنا تھا کہ وہاں اس نے شلوار قمیص پر دوپٹہ لے رکھا تھا۔ جبکہ فیک آئی ڈی پر لگی فوٹو میں ٹائٹ جینز پر ڈیپ نیک، وی شیپ گلے کی شرٹ میں لڑکی کا کچھ پہننا بھی نہ پہننے کے برابر تھا۔

اس لڑکی کی دلچسپیوں اور مشاغل کے خانے میں مردوں سے دوستی کرنا اور قریبی تعلقات قائم کرنا شامل کیا گیا تھا۔

”کیسی ہے؟“ یاسر نے داد طلب نظروں سے اپنے دوستوں کی جانب دیکھا۔

”بس گزارہ ہے......!“ حامد نے بے زاری سے رائے دی۔

خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، اچھی بھلی تو ہے...... میری تو ابھی سے رال ٹپکنے لگی ہے۔ یاسر نے منہ میں پانی آنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

”تیرا ندیدہ پن تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا سالے، تو تو جیسے لڑکیوں کے معاملے میں صدیوں کا بھوکا ہے۔“

کاوش یسرانی نے یاسر کی ران پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ وہ تڑپ کے اچھل پڑا تھا۔

ہاں تو تو جیسے گنگا جمنا نہا کے آیا ہے، تیری تو شاعری ہی لڑکیوں کی خوب صورتی اور انداز دلربائی کے گرد گھومتی ہے۔ یاسر نے جل کے اپنا بدلہ اتارا تو کاوش یسرانی بغلیں جھانکنے لگا۔

ہاں یار ویسے یہ شاعر لوگ بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ ایک ہی دل کی کئی فوٹو کاپیاں کرا کے گویا شہر بھر کی لڑکیوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ پھر کسی کی زلفوں پر مرتے تو کسی کے تراشیدہ لبوں کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ کسی کو دل دیتے ہیں تو کسی کو دلاسہ۔ بیک وقت کئی دوشیزاؤں سے دوستی کر کے بھی ان کی

جذباتی تشنگی دور نہیں ہوتی...... کیوں کاوش یسرانی صاحب۔ٹھیک کہا ناں میں نے۔

اظفر نے کاوش یسرانی کو ٹھوکا دیتے ہوئے پوچھا۔تو وہ کھسیانی ہنسی ہنس کے بولا۔

او بھئی بس کرو۔ایک دم ہی تم نے تو اپنی ساری توپوں کا رخ میری جانب کر دیا ہے۔ کچھ ہاشم سلطان کے لیے بھی بچا کر رکھو...... کیوں ہاشو...... آج تو بڑا چپ چپ ہے یار!! کاوش یسرانی نے کسی سوچ میں ڈوبے ہاشم کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔تو وہ چونک اٹھا۔

آں...... ہاں...... نہیں کچھ نہیں۔بس میرا دل بھر گیا ہے ان مشاغل سے۔

''لو جی اور سنو......!'' کبھی خوبصورت لڑکیوں سے بھی کسی کا دل بھرتا ہے؟

اشفاق ہنستا ہی چلا گیا۔

ہاں تو اپنے ہاشو کے لیے خوبصورت لڑکیوں کی بھلا کیا کمی ہے! معروف سیاستدان کا اکلوتا بیٹا ہے، اگر آج ان کی حکومت برسرِ اقتدار نہیں ہے تو کیا ہوا...... ابھی تک تو پچھلی منسٹری کے دوران جمع کی ہوئی دولت سوئس بینکوں کے لاکرز میں جوں کی توں موجود ہوگی۔بے شمار جائیداد کا مالک ہے ہاشو۔ چاہے تو ہر رات اک نئی دلہن کے ساتھ، نئی سیج سجا سکتا ہے، مال و دولت پر ہی تو مرتی ہیں یہ لڑکیاں یا پھر مردانہ وجاہت پر۔اور خوش قسمتی سے ہاشو ان دونوں سے مالا مال ہے۔مسئلہ تو ہم جیسے لڑکوں کا ہے جو دور دراز سے اس شہر میں پڑھنے کے لیے آئے ہیں اور جن کے والدین جیب خرچ کے نام پر دانتوں سے کھینچ کر رقم دیتے ہیں۔اگر گزارے کے لیے چھوٹی موٹی ملازمت بھی کر لیں تو بھی گرل فرینڈ پالنے والی عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔مگر عادتیں کچھ ایسی بگڑ چکی ہیں کہ زیادہ دن لڑکی کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے سو یہ چھوٹے موٹے داؤ پیچ تو لگانے ہی پڑتے ہیں۔

یاسر اپنی لمبی سی تقریر ختم کر کے بے شرمی سے ہنس دیا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' کاوش نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے یاسر کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے مگر اب ان محترمہ کا فون نمبر کیسے ملے گا؟'' اشفاق نے اپنے تئیں اہم نکتہ اٹھایا۔

لو جی...... تم ابھی تک یہی سوچ رہے ہو۔اس کا نمبر تو میں نے کب کا لے بھی لیا۔اب تو صرف اسے فون کر کے گھیرنا باقی ہے۔

''اور اگر وہ نہ مانی تو......!'' ہاشو نے کہا۔

ارے کبھی کوئی شریف لڑکی اپنی مرضی سے مانی ہے...... پیار کا جال بچھا کر قابو کرنا پڑتا ہے بلبل کو...... اور کبھی انڈر پریشر لانا پڑتا ہے۔

آرام سے نہ مانی تو اسے بھی اس کی فیک آئی کا بتا کر بلیک میل کریں گے اور پھر دیکھنا کیسے روتی دھوتی کچے دھاگے سے بندھی آئے گی سرکار میری۔

پہلے بھی کتنی ہی لڑکیاں ہم اسی طرح تو قابو کر چکے ہیں۔

''کیا بات ہے ہاشو تم واقعی آج بہت چپ چپ ہو؟''

اچانک حامد نے ہاشم کی غیر معمولی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''انکل تو ٹھیک ہیں ناں......!''

ہاں وہ ان دنوں یو کے گئے ہوئے ہیں۔سوئمنگ کے دوران ان کے کان میں پانی چلا گیا تھا جس سے ان کے کان کے پردے کو نقصان پہنچا تھا۔سو وہ علاج کے لیے گئے ہیں۔ہاشم نے بتایا۔

''انتخابات تک تو آ جائیں گے ناں؟'' اشفاق نے پوچھا۔

''ہاں...... آ جائیں گے۔ویسے بھی ابھی تو انتخابات میں چھ ماہ پڑے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس بار تم بھی انتخابات میں حصہ لو گے...... ہے ناں؟'' یاسر نے پوچھا۔

''ہاں...... ضرور لوں گا۔اور تم سب کو میری مدد کرنا ہوگی۔'' ہاشم نے جوش سے کہا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔'' اشفاق نے ہاشم کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

بس تو پھر میرے ابا جی کے آتے ہی زور و شور سے انتخابی مہم میں حصہ لینے کی تیاریاں شروع سمجھو......! ہاشم نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

تو یاسر اٹھ کر الماری سے شراب کی بوتل اور گلاس اٹھا لایا۔حامد نے آناً فاناً سب کے گلاس لبالب بھر دیئے۔

سب نے اپنے اپنے جام ہاتھ میں اٹھا لیے۔

آج کا یہ جام......الیکشن میں ہاشم سلطان کی جیت کے نام......!

سب نے فضا میں ہاتھ اٹھائے۔

اور ''چیرز'' کی آواز کے ساتھ ہی جام سے جام ٹکرا دیے۔

☆......☆......☆

کمپیوٹر پر آن لائن ہوتے ہی جمشید نے چیٹ پر فرینڈز لسٹ میں اسے تلاش کیا مگر وہ آج بھی آن لائن نہیں تھی۔

اسے ایک بار پھر Chat پر نہ پاتے ہوئے جمشید کو اداسی نے گھیر لیا۔ مگر ایک بات پر اسے اطمینان بھی ہوا کہ اس کی بات مان کر اس لڑکی نے اپنی پروفائل پکچر سمیت باقی تمام تصاویر ڈیلیٹ کر دی تھیں۔

''وہ زیر لب مسکرا دیا تھا۔''

تمہاری یہ تابعداری اچھی لگی......اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یونہی تو نہیں کوئی کسی کی بات مان لیا کرتا۔ تو کیا تم بھی دل میں میرے لیے کوئی رنگین جذبہ رکھتی ہو......میں اس جذبے کے محبت میں بدل جانے کا انتظار کروں گا۔''

اس نے جلدی جلدی ''تھینکس'' کا میسج ٹائپ کیا اور اس کے وال پر Send کر دیا۔

پھر لاگ آؤٹ کر کے فون کی جانب بڑھ گیا۔

وہ پاکستان میں واقع اپنے گھر فون کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں سے گپ شپ اور خیر خیریت معلوم ہونے کے بعد اسے اپنی بہن نادیہ سے اس دشمن ایمان کی خیر خبر بھی مل جایا کرتی تھی۔ کہ نادیہ اپنے گھر والوں سے شروع ہو کر پورے خاندان والوں سے ہوتی ہوئی سارے محلے پڑوس کا خبر نامہ اس کے گوش گزار ضرور کرتی تھی۔

نادیہ اپنی عادت سے مجبور تھی۔ اور جمشید کے لیے نادیہ کی یہ عادت بے حد فائدہ مند ثابت ہوتی تھی کیوں کہ اس بہانے اسے ''اس'' کے بارے میں بھی معلوم ہو جایا کرتا تھا۔

☆......☆......☆

تیمور کی والدہ فون پر......میں آج بے حد خوش ہوں......میرا تیمور کے ساتھ پاکستان آنا بے حد مفید

ثابت رہا۔

وہ اپنی جاب سے بے حد مطمئن اور خوش ہے۔ اسے گھر بھی اس کی مرضی کے مطابق پوش علاقے میں مل گیا ہے۔ گھر فل فرنشڈ اور بے حد خوبصورت ہے۔ آتے ہی کمپنی کی طرف سے کار بھی مل گئی تھی۔

اور تو اور......ہمارا پرانا خانساماں جو پہلے پاکستان میں میرے گھر میں کام کرتا تھا......رابطہ کرنے پر وہ بھی مل گیا اور آج میں نے کچن کا چارج رحیم بخش کے حوالے کر دیا ہے۔

انہوں نے خوشی خوشی فون پر کینیڈا میں مقیم اپنے شوہر کو اطلاع دی۔

''چلو یہ بہت اچھا ہوا......مگر......دل سے خوش ہے کیا وہاں؟'' ان کے شوہر نے سوال کیا تو وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں۔

ظاہر ہے یو کے اور پاکستان کے ماحول میں زمین و آسمان کا فرق ہے......پہلے پہل تو اسے یہاں کی بے ہنگم ٹریفک، اور بے ترتیب زندگی نے بہت بد دل کیا مگر اب وہ رفتہ رفتہ عادی ہوتا جا رہا ہے۔

''ہوں......!'' ان کے شوہر نے لمبی سی ''ہوں'' کے بعد خاموشی اختیار کی۔

میں جانتی ہوں کہ تم تیمور کے پاکستان آنے کے فیور میں نہیں تھے مگر جب اس کی کمپنی نے ہی اسے پاکستانی برانچ کے لیے منتخب کر کے یہاں ٹرانسفر کر دیا تو پھر کیا کیا جا سکتا تھا......!!

دوسری جانب اس بار بھی خاموشی چھائی رہی۔

''اچھا سنو......اس لڑکی کا فون تو نہیں آیا تھا گھر تیمور کے لیے۔'' جب وہ اپنے شوہر سے سوال کر رہی تھیں تو ان کے لہجے میں لڑکی کے لیے بے حد ناگواری تھی۔

''نہیں......شاید وہ سرما کی چھٹیاں گزارنے اپنے والدین کے پاس برلن چلی گئی ہو۔'' ان کے شوہر نے جواب دیا۔

''چلو اچھا ہوا......کاش اسے برلن میں کچھ ایسا پسند آ جائے کہ وہ پھر کبھی پلٹ کر یہاں واپس نہ آئے۔'' وہ اس بار بھی فالس نامی اس لڑکی کے لیے اپنے دل میں چھپی نفرت پر قابو نہیں پا سکی تھیں۔ جو ان کے بیٹے تیمور کے دل و دماغ پر بری طرح قابض تھی۔

''سویٹی......تم یہ بات بھول رہی ہو شاید کہ فالس کے بغیر تیمور خود کو بے حد ادھورہ سمجھتا ہے۔'' ان

کے شوہر نے انہیں یاد دلانے کی کوشش کی۔

''بے وقوف ہے وہ تو......!'' فالس ایک بے حد تیز طرار اور چلتر لڑکی ہے۔ وہ کسی ایک مرد کے ساتھ وفادار نہیں رہ سکتی جبکہ تیمور ابھی تک ایک بچے کی طرح معصوم ہے۔

''ہاہاہا......'' ان کے شوہر بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔

ہر ماں کی طرح تمہاری بھی یہی سوچ ہے کہ بس میرا بچہ دنیا بھر میں سب سے بھولا، معصوم نیک خصلت ہے۔ ارے بھئی...... تیمور اب بڑا ہو چکا ہے۔ وہ خود اپنی زندگی کے لیے لائف پارٹنر کا انتخاب کر سکتا ہے۔ سو یہ فیصلہ تم اس پر چھوڑ دو۔

ان کے شوہر فریدالدین نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں تم خود سوچو، اگر تیمور میری نظروں کے سامنے، اپنی مرضی سے خودکشی کی کوشش کرے گا تو کیا میں اسے کرنے دوں گی؟''

انہوں نے الٹا اپنے شوہر سے سوال کر دیا۔

''درست کہا تم نے۔'' فریدی صاحب نے چند لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد دھیرے سے جواب دیا۔

''تم میرو کی ماں ہو۔ تم سے زیادہ بھلا اس کے لیے اور کون بہتر سوچ سکتا ہے!''

میرا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ماں ہونے کے ناطے بس میں ہی اس کے لیے اچھا سوچ سکتی ہوں تم نہیں...... یا پھر...... یا پھر کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ تم اس کے باپ نہیں ہو یا اس کے لیے اچھا برا سوچنے کا حق نہیں رکھتے میرا مقصد تو صرف یہ تھا کہ میں فالس کو تم سے بہتر جانتی ہوں......!'' انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور میں تم سے زیادہ میرو کو بہتر جانتا ہوں......!'' فریدی صاحب نے برملا کہا تھا

دیکھو...... مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جب ہم اپنے بچوں سے اتنا پیار کرتے ہیں ان کی معمولی سے معمولی خواہش کو بھی اہمیت دیتے ہیں اور بڑی سے بڑی فرمائش بھی اپنی بساط سے بڑھ کر پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ان کے من پسند کھلونے مہنگے داموں خرید کر دے سکتے ہیں تو پھر

جب یہی بچے بڑے ہو کر اپنی مرضی سے اپنے لائف پارٹنر کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت والدین ان کی اس خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ کیوں بن جاتے ہیں!!''

فریدی صاحب دل و جان سے انہیں اس بات پر قائل کرنے پر لگے ہوئے تھے کہ وہ تیمور کی پسند فالس کو بطور بہو اپنانے پر رضامند ہو جائیں۔ مگر بظاہر ایسا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

دیکھو فریدی...... ہم اپنے بچوں کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں مگر انہیں ایسا کوئی کھلونا نہیں لے کر دیتے جس سے وہ اپنے آپ کو زخمی کر بیٹھیں یا نقصان اٹھائیں۔ بچوں کی اصلاح کے لیے بھی ان پر سختی تو کرنی پڑتی ہے ناں۔''

انہوں نے ایک ماہر وکیل کی طرح جرح کرتے ہوئے ایک وزنی دلیل پیش کی تو فریدی صاحب سرد آہ بھر کے رہ گئے۔

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحبہ...... ہم یہ کیس ہارے آپ جیتیں۔''

''ویسے ایک بات کہوں کہ تمہیں لیڈی ڈاکٹر کے بجائے ایڈووکیٹ ہونا چاہیے تھا۔ جرح بہت اچھی کر لیتی ہو۔'' فریدی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس پڑیں۔

''فالس کے بارے میں سوچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے آج تیمور کے لیے اپنی بچپن کی سہیلی کی بیٹی عظمت النساء کو پسند کر کے اسے فوری طور پر انگوٹھی بھی پہنا دی ہے۔ میری پوری کوشش ہو گی کہ اگلے ہفتے میں نکاح کے لیے ڈیٹ مل جائے...... تم آ سکو گے پاکستان؟''

انہوں کے اس طرح اچانک اتنے بڑے انکشاف پر فریدی صاحب حیران رہ گئے۔

''اوہ...... میرے خدا...... سویٹ تم نے تو یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات نہیں کی......؟''

فریدی صاحب کی حیرت کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

''کیا کرتی ہنی...... میرے پاس وقت ہی اتنا کم رہ گیا ہے۔ چھٹی ختم ہونے میں بس پندرہ روز با ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ تیمور میرے سامنے اپنی نئی زندگی میں سیٹل ہو جائے تو میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر واپس آ جاؤں گی......''

''مگر اتنی جلدی تم تیمور کی شادی کے لیے سارے انتظامات بھلا کیسے کر پاؤ گی......؟''

"تو تم آ جاؤ ناں میری مدد کے لیے پاکستان......" انہوں نے فریدی صاحب سے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

نہیں سویٹ ہارٹ...... مجھے نہیں لگتا کہ میں آ پاؤں گا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث پہلے ہی محکمے کی مقرر کردہ چھٹیوں سے زیادہ چھٹیاں لے لی تھیں۔ سو اب مزید چھٹی کی بات نہیں کر سکتا۔

آئی ایم ویری سوری۔ ہاں اگر شادی کی ڈیٹ چند ماہ آگے ہو جائے تو پھر میں یقیناً تمہارے ساتھ ہی موجود رہوں گا۔

وہ بے حد شرمندہ ہو رہے تھے۔

"ہاں مگر چند ماہ بعد مجھے چھٹی ملنی مشکل ہے۔" ڈاکٹر صابرہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں اور پھر جیسے مطمئن ہو گئیں۔"

"اِٹس او کے......نو پرابلم......کوئی لمبے چوڑے انتظامات تو کرنے نہیں ہیں شادی کے لیے۔ مثل مشہور ہے کہ "بیٹے کی بری...... بازار میں پڑی۔" سو دو چار دفعہ کی شاپنگ میں تیاری ہو جائے گی۔ باقی عزمی کے گھر والے بھی سادگی سے شادی کے قائل ہیں مجھے بھی کوئی لمبی چوڑی بارات نہیں لے جانی وہاں۔ بس میرو کے آفس کے کچھ حضرات اپنی فیملی کے ہمراہ ساتھ جائیں گے اور نکاح کے بعد ہم دلہن گھر لے آئیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

انہوں نے بیٹے کی شادی کی ساری منصوبہ بندی نہایت آرام کے ساتھ شوہر کے گوش گزار کی۔

"گڈ! مجھے خوشی ہے کہ تم میں اتنی صلاحیت ہے کہ تم بڑے بڑے کام بھی چٹکی بجاتے میں یوں آسانی سے کر گزرتی ہو کہ ایک عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

فریدی صاحب نے دل سے اپنی بیگم کی مہارت اور قابلیت کو سراہا تو دوسری جانب وہ بلش ہو گئیں۔

"اچھا......اچھا......بس رہنے بھی دو۔"

"چلو رہنے دیا...... ویسے بھی تم اتنی دور ہو کہ کچھ بس نہیں چل سکتا ہمارا۔" فریدی صاحب ہنس دیئے۔

"اچھا......اب رکھتی ہوں۔" شاپنگ کے لیے بازار بھی جانا ہے۔ انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں شام کو دوبارہ فون کر لوں گا۔"

"او کے......سویٹ ہارٹ......خیال رکھنا اپنا۔"

"تم بھی......" جواباً انہوں نے پیار سے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

وہ بھی کچھ عرصے پہلے تک آج کل کی عام لڑکیوں کی مانند تھی جو فون پر اپنے فرینڈز کے ساتھ بے تکان گپیں ہانکتی ہیں۔ شارٹ سلیوز کی (Low Neck) قمیص، ٹخنوں سے اونچی شلوار پر پہن کر ہائی ہیل جوتی کی نوک پر ٹھک ٹھک چلتی ہیں تو ہوا کے ایک ہلکے سے اشارے پر بھی ان کی بڑی چاکوں والی قمیص کا اگلا پچھلا دامن پتنگ کی طرح پرواز کرنے لگتا اور کتنے ہی من چلے اس نظارے سے اپنی آنکھیں سینکتے ہیں۔

وہ جو کمپیوٹر پر چیٹنگ کے ذریعے لڑکوں سے فرینڈ شپ کر کے نہ جانے کون سے جذبوں کو تسکین پہنچاتی ہیں۔ جن کے گلے میں دوپٹہ نسوانیت کا طوق بن کر جھولتا رہتا ہے، جو قہقہہ لگاتی ہیں تو زمین و آسمان کانپ اٹھتے ہیں مگر...... چند ہی اسلامی کتب کے مطالعہ نے عظمت النساء کی شخصیت کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ اسے تو معلوم ہی اب ہوا تھا کہ ایک مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولنے کے باوجود وہ اپنی مذہبی تعلیمات کے برعکس زندگی گزار رہی ہے۔ تب ہی اس کے ڈارک براؤن سلکی بالوں پر اسکارف آ گیا تھا۔ وہ توبہ شکن جسمانی اعضاء جو مکمل کپڑے پہننے کے باوجود بھی ان کی بہترین فٹنگ کے باعث چھپائے نہ چھپتے تھے۔ ان کو ڈھیلے ڈھالے گاؤن نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اب اس کا زیادہ وقت میوزک سننے اور فون پر اپنی سہیلیوں سے گپیں لڑانے کی بجائے گھریلو کام کاج، عبادات اور اسلامی کتب کے مطالعہ میں گزرنے لگا اور پھر جب ایم اے کے لیے مضمون کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو اس نے ایم اے اسلامیات میں ایڈمیشن لے لیا۔ اسی دوران امریکہ سے چھٹیوں پر امی کی ایک دوست طیبہ ولید پاکستان آئیں تو انہیں عزمی بے حد پسند آئی اور انہوں نے اپنے بیٹے تیمور جو ایم بی اے کر کے ایک امریکی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا، کے لیے عزمی کا رشتہ مانگ لیا۔ ان دنوں تیمور امریکی کمپنی کی

جانب سے پاکستان میں موجود ایک برانچ میں اپنی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا۔

گھر میں سبھی کو یہ رشتہ مناسب لگا تو عزمی نے بھی سب کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ تفریحاً چھوٹے موٹے عشق لڑانے تو اس نے کب کے ترک کر دیے تھے اور ان دنوں اپنے ہونے والے مجازی خدا کا تصور ہی اس کے لیے بے حد خوش کن تھا۔ ہمیشہ کسی کا ہو جانے کا خیال ہی اسے بے حد آسودگی عطا کرتا تھا۔

عزمی کے گھر والوں نے تیمور کے گھر والوں کے پرزور اصرار پر عظمت النساء کی ایک دو سالہ پرانی فوٹو تیمور کے دیکھنے کے لیے بھجوا دی۔ جس میں وہ جدید لباس پہنے، سہیلیوں کے درمیان مسکرا رہی تھی اور تیمور نے وہ تصویر دیکھتے ہی عزمی سے شادی کے لیے ہاں کر دی تھی یوں دونوں گھرانوں میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں مگر امریکہ کے آزاد ماحول میں پروردہ تیمور کے دل میں ایک سوال اکثر بڑی شدت سے چٹکیاں لیا کرتا کہ ایک خوش شکل لڑکی جسے موقع کی مناسبت سے پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ بھی آتا ہو اور وہ کو ایجوکیشن میں بھی زیر تعلیم رہی ہو تو کیا اس کا کبھی کوئی عاشق نہ رہا ہوگا۔ اسے اپنے گھر والوں سے معلوم ہوا تھا کہ اب اس فوٹو سے عظمت النساء بہت مختلف دکھائی دیتی ہے اور باقاعدہ حجاب لیتی ہے۔ یہ یکسر تبدیلی کسی عشق میں ناکامی کا شاخسانہ تو نہیں۔ شکوک و شبہات کا ناگ اس کے اندر پھنکاریں مارنے لگتا اور اپنی اسی سوچ کا اظہار وہ اپنی نئی نویلی دلہن سے پہلی رات کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"دیکھیے آج سے ہم ایک نئی زندگی کی ابتدا کر رہے ہیں اور ہمیں چاہیے کہ اگر ہم سے دانستہ یا نادانستگی میں کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اسے خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایک دوسرے سے معاف کرا لیں اور نئے سرے سے ایک صاف شفاف زندگی کا آغاز کریں۔"

عظمت النساء حیران تھی اس لیے چپ بیٹھی رہی۔ اس سے ایسی کوئی فاش غلطی بھی سرزد نہیں ہوئی تھی کہ جس کا وہ آج مجازی خدا کے روبرو اعتراف کرتی۔

"بڑی گھنی ہے۔" تیمور نے سوچا۔

"دیکھیے کسی کو پسند کرنا کوئی گناہ نہیں ہوتا، کبھی آپ نے بھی کسی کو چاہا ہوگا تو یہ کوئی ایسی بری بات نہ

تھی، یقین مانیے اگر آپ مجھے بتا دیں گی تو اس کا اثر ہماری نئی زندگی پر بالکل بھی نہیں پڑے گا۔"

جب اس میں کوئی بری بات ہی نہ تھی تو تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو۔ عزمی نے سوچا۔ اس نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

شادی کی پہلی رات کے حوالے سے سنی سنائی تمام رومینٹک کہانیاں اور رومانس کی توقعات دم توڑ رہی تھیں۔

"مجھ پر ٹرسٹ نہیں ہے آپ کو؟" وہ براہ راست عزمی کی خوبصورت آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"عزمی دیکھیے! میں کسی گھٹے ہوئے ماحول کا پروردہ مرد نہیں ہوں کہ کسی چھوٹی موٹی بات کا برا مان جاؤں گا۔ میری زیادہ تر لائف امریکہ میں گزری ہے۔ جہاں شادی کیے بغیر بھی ساتھ رہنا برا نہیں سمجھا جاتا اور چھوٹا موٹا عشق معشوقی تو ایک عام سی بات ہے۔ کئی مرتبہ ڈانس پارٹیوں میں ڈانس کے دوران امریکی لڑکیاں بے خود ہو کر مجھے بھی چوم لیتی تھیں۔ اس لیے میں ایسی باتوں کو کبھی مائنڈ نہیں کرتا اور ہاں اب تم کہیں یہ مت کہہ دینا کہ چوں کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے اس لیے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ جذبات تو یہاں کے لوگوں کے بھی ہوتے ہوں گے۔ البتہ منظر عام پر نہیں لائے جاتے ہوں گے۔"

وہ پینترے بدل بدل کر میدان میں اتر رہا تھا۔

"جی بیگم عظمت النساء صاحبہ! ہمہ تن گوش ہوں۔" وہ اس کا اقرار جرم سننے کو بے تاب تھا مگر کس بات کا اقبال جرم......؟" جب عزمی نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

"میرا یقین کیجیے۔ میرا کبھی کسی سے کوئی لوافیئر نہیں رہا۔ میں تنہائی میں کبھی کسی مرد سے نہیں ملی۔ آپ میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہیں۔" عزمی نے آہستہ سے سر اوپر اٹھا کر جواب دیا۔

وہ شاطرانہ ہنسی ہنسا۔ "چلو مان لیا مگر ہے نا آخر حیرت انگیز بات کہ تم جیسی خوش شکل و خوش اطوار لڑکی آس پاس ہو مگر اس کی طرف کبھی کوئی مرد بھی متوجہ نہ ہوا ہو۔ کیا تمہارے سب کزنز اور کلاس فیلوز لڑکے عاشقانہ صفات سے مکمل طور پر محروم تھے؟"

عزمی کو اس لمحے وہ انتہائی چیپ لگے۔ اس نے تمام حیا بالائے طاق رکھ کر اپنا گھونگھٹ پیچھے کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس وقت انہیں مطمئن کرنا زیادہ ضروری لگا تھا اسے۔ وہ کمر کس کے مباحثے پہ اتر

آئی کہ زمانہ طالب علمی میں بہترین مقرر بھی رہ چکی تھی اور دلائل دینا بھی خوب جانتی تھی۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا کہ کبھی کوئی مرد میری طرف متوجہ ہی نہیں ہوا تھا۔“

”اچھا پھر......؟“ وہ کمینگی سے مسکرائے کہ شاید وہ آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔

”اچھے برے لوگ ہر سوسائٹی میں ہوتے ہیں۔ میں کسی دوسرے کے بارے میں تو گواہی نہیں دے سکتی، اگر کوئی مجھے دیکھتا یا سوچتا ہے تو یہ اس کا فعل ہوا۔ میں تو صرف اپنے اعمال کی جواب دہ ہوں اور اپنے بارے میں آپ کو میں بتا ہی چکی ہوں، قسم بھی کھا سکتی ہوں یا پھر جس طرح آپ مطمئن ہو سکیں۔“

وہ اس بے اعتباری کے سفر کے آغاز میں ہی تھک کر ہانپنے لگی تھی۔

”خیر اس حد تک تو میں بھی نہیں کہہ رہا تھا مگر بوائے فرینڈ کو فون کرنا، ان کے ساتھ سیر و تفریح اور چھوٹی موٹی......؟“ انہوں نے معنی خیز انداز میں اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بات مکمل کی۔

وہ تلخی سے مسکرا دی۔ ”یہ امریکہ نہیں پاکستان ہے۔ یہاں اگر میاں بیوی بھی سیر و تفریح کے لیے جائیں تو پولیس انہیں آوارہ سمجھ کر دھر لیتی ہے۔ شاید واقعی آپ کی زیادہ تر لائف پاکستان سے باہر ہی گزری ہے۔“

اب ان کی طرف سے کسی رومانس کی توقع فضول تھی۔ وہ اپنا آپ جانے کہاں کہاں نثار کر آئے تھے اور اس رات کی اب ان کی نظر میں شاید کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔ عزمی کا دل جل کر رہ گیا تھا۔

سارا موڈ غارت ہو کر رہ گیا۔ وہ ڈریس چینج کرنے کے لیے بیڈ سے اترنے لگی۔ تیمور نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کر دی اور عزمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ رات تمام راتوں سے یکسر مختلف تھی کہ جن کی رومانویت کے الوہی قصے سن سن کر عزمی کے کان پک گئے تھے۔ سہیلیوں کی شریر سرگوشیاں آج دم توڑ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی عزمی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا شوہر انتہائی شکی مزاج اور کینہ پرور انسان ہے۔ عیاری و مکاری میں تو وہ اپنا ثانی ہی نہیں رکھتا اور منافقت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

بہر حال جو بھی تھا، اسے اب زندگی تو تیمور کے سنگ ہی بتانا تھی۔ سو وہ تقدیر پر صابر و شاکر ہو رہی۔

تیمور جس امریکی فرم میں ملازم تھا، اس کی طرف سے اس کا تبادلہ پاکستانی برانچ میں کیا گیا تھا اور اسی کمپنی کی طرف سے اسے فرنشڈ بنگلہ اور نئے ماڈل کی کار بھی دی گئی۔

فلک کی ساس اور نند اس کی شادی کے تیسرے ہی روز امریکہ روانہ ہو گئی تھیں کہ ان لوگوں کی مستقل رہائش تو وہیں کی تھی اور پھر اس کی ساس وہاں کسی ہسپتال میں بطور گائنا کالوجسٹ جاب بھی کرتی تھیں اور ان کی چھٹی ختم ہونے کو تھی لہٰذا عزمی کا خیال رکھنے کی تاکید اور جلد امریکہ لے کر آنے کی تلقین کرتیں وہ بالآخر واپس امریکہ چلی گئی تھیں۔

شادی کے دو چار روز بعد سے ان دونوں کی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کا آغاز عزمی کے میکے والوں کی طرف سے ہوا۔ جہاں عزمی کی امی اور بہنوں وغیرہ نے اس کی خالہ کے گھر کے نزدیک ہونے کی وجہ سے انہیں بھی اس شام عزمی کے ساتھ ہی کھانے پر انوائٹ کر لیا تھا، تا کہ ذرا شغل رہے گا اور عزمی کی کزنز اس سے مل بھی لیں گی۔ عزمی کی بہنوں اور بھابی نے مل کر کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران آپس میں ہلکا پھلکا ہنسی مذاق بھی جاری تھا کہ دفعتاً عزمی کے خالہ زاد نے روئے سخن اس کی جانب موڑا۔

”اپنی عزمی کچھ بدلی بدلی سی نہیں لگ رہی؟“ اور سنجیدگی سے کھانا کھاتی ہوئی عزمی ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

”بھئی بدلی ہوئی تو لگے گی ہی، پہلے مس عزمی تھی اور اب مسز تیمور ہے۔“ خالہ نے اسے پیار سے دیکھ کر کہا۔

”عزمی تمہاری وہ موٹی سی کپڑے والی گڑیا کہاں ہے اب، جو تمہیں کبھی بے حد عزیز ہوا کرتی تھی۔ کہیں اسے بھی تو اپنے ساتھ سسرال نہیں لے گئیں؟“ عفی نے اسے شرارت سے دیکھا اور سبھی ہنس دیے۔

”یہ گڑیا والا کیا قصہ ہے؟“ تیمور نے تجسس سے پوچھا۔

”دراصل بچپن میں عزمی کے پاس کپڑے اور روئی سے بنی ایک موٹی تازی گڑیا تھی۔ جسے یہ ہر وقت گود میں لیے گھومتی تھی۔ خالہ جان نے اسے ریشمی کپڑے کا غرارہ سی کر پہنا رکھا تھا۔“ عزمی کی کزن

نے تفصیل بتائی۔ عفی عزمی کی گڑیا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہتا تھا۔

عزمی نے اپنی اس چندے ماہتاب قسم کی گڑیا کا نام رکھا تھا شمیم آرا۔ بس پھر کیا تھا، عفی کے ہاتھ عزمی کو تنگ کرنے کا بہانہ آ گیا۔ جہاں عزمی کو اس کی گڑیا سمیت دیکھتا نعرہ لگاتا۔

شمیم آرا، پھٹا غرارہ
ٹکے کی شکر، ٹکے کا پارہ

اور یہ اسے مارنے کو لپکتی۔

تیمور نے بھرپور قسم کا قہقہہ لگایا۔

''تو اب وہ تاریخی گڑیا کدھر ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''پتا نہیں......'' عزمی منمنائی۔

''ویسے شادی کے بعد اپنی عزمی کچھ نکھر سی گئی ہے۔'' اس کی کزن نے فتویٰ دیا۔

''سچ بتائیں میرو بھائی! آپ نے اسے کون سے واشنگ پاؤڈر میں غوطہ دیا ہے، اب یہ پوچھ لینا تم......'' عفی نے کرن کی باریک سی آواز بنا کر نقل اتاری۔ تو سب ہنس دیے۔

''توبہ ہے عفی! تم چپ رہو......'' کرن خفا ہو گئی۔

''بھئی! اس کے چہرے پر خوشیوں کا عکس ہے، اس لیے نکھری نکھری اور پیاری لگ رہی ہے۔'' کسی نے کہا۔

''نکھر گئی ہے یا ہلدی کی طرح زرد پڑ گئی ہے۔'' احمر بھائی نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ ''مجھے تو یہ پہلے سے کمزور اور پیلی لگی ہے۔''

''نہیں نہیں، میکہ یاد آتا ہو گا...... اس لیے۔''

''لو بھلا میکہ اور عزمی کو یاد آتا ہو گا، بڑی بے مروت ہے، میرو بھائی کیا ملے کہ سب سنگی ساتھی بھول گئی ہے۔'' عاصمہ بولی۔

''اجی ہم چیز ہی ایسی ہیں۔'' تیمور نے کھنکھار کر اپنے کالر کھڑے کیے۔

''اس کا کریڈٹ تو ہمیں جاتا ہے۔''

''جی نہیں یہ دعا ہم ہی نے اسے دی تھی کہ

میکے کی کبھی یاد نہ آئے
سسرال میں اتنا پیار ملے

بھابی نے پیار سے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور تیمور مسکرا دیا۔

سب ہنس بول رہے تھے اور عزمی کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں، حالانکہ تیمور خود بھی سب کے درمیان بیٹھا خوب چہک رہا تھا اور گھر والے اس کی خوش مزاجی کے گرویدہ ہو رہے تھے، مگر جانے کیوں عزمی اندر سے کانپ رہی تھی۔

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

☆......☆......☆

گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی ٹائی کھول کر دیوار پر دے ماری۔ بوٹ اتار کر ہوا میں اچھالے اور تیزی سے عزمی کی جانب مڑا۔

''تمہارے رشتے دار انتہائی ذلیل اور جاہل لوگ ہیں اور تمہارے بہن بھائیوں کو مذاق کا ذرا برابر سینس نہیں ہے اور تمہارے سارے کزنز...... انتہائی چیپ لوگ...... ہونہہ...... اور ذرا تم اپنے گھر والوں کو تو دیکھو، نام ہماری دعوت کا کر کے باقی سارے رشتے داروں کو وہاں نازل کر لیا۔ مجھے ایسے اجڑ خانے میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی ذرا عادت نہیں ہے۔ رش اور شور وغل سے سر میں درد ہونے لگتا ہے میرے۔ خوامخواہ ہی کھانے کے بعد چائے کے بہانے اتنی دیر روک کر بٹھائے رکھا۔ ذرا احساس نہیں تھا کسی کو کہ نیا شادی شدہ جوڑا ہے، اسے رات گئے تک یوں روک کے رکھنا مناسب نہیں۔''

''تو آپ منع کر دیتے چائے کے لیے۔'' عزمی ڈرتے ڈرتے بولی۔

''واہ! میں کیوں منع کرتا، تم نہیں بول سکتی تھیں کچھ۔ مگر تمہیں تو خود سب کے درمیان مزہ آ رہا تھا کہ گھر آنے کو دل ہی نہیں چاہا اور وہ عفی کیوں تمہارے غم میں مرا جا رہا ہوا تھا؟ آج اسے کچھ زیادہ ہی تمہارے سنگ بیتا زمانہ یاد آ رہا تھا اور ہاں وہ احمر...... وہ کیوں بار بار کن اکھیوں سے تمہیں دیکھے جا رہا تھا۔ بڑی کمزور اور زرد لگی تھیں تم اسے۔ سچ سچ بتا ہی دو اب، ان دونوں بھائیوں سے کون تمہارا زیادہ

عاشق تھا؟'' غصے میں اس کی زبان کمینگی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ ''اور تم......تم دونوں ہی سے نظریں چرا رہی تھیں۔'' وہ طنزیہ نظر اس پر ڈال کر مسکرایا۔

''میرو......!'' عزمی احتجاجاً چلا اٹھی۔ رفتہ رفتہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ''میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی''

''میں بھی تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا......ورنہ اگر دل میں چور نہیں تھا تو پھر کیوں وہاں سب کے بیچ گونگے کا گڑ کھائے چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ سب سے ہنس بول کیوں نہیں رہی تھیں۔ ان فیکٹ تم اپنے عاشقوں کو یہ باور کرانا چاہتی تھیں کہ مجھ سے شادی کر کے تم بالکل بھی خوش نہیں ہو......''

''پلیز......! میر......سٹاپ اٹ......!'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو دی۔

اور پھر خالہ کے لاکھ اصرار کرنے اور بار بار فون کرنے کے باوجود بھی وہ ان کے ہاں کی دعوت قبول نہ کر سکی بلکہ ناسازیٔ طبع کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی۔

اب تو اس نے اپنے میکے کی طرف سے ملنے والی ہر دعوت ہی نظر انداز کرنا شروع کر دی تھی۔

☆......☆......☆

اس دوپہر تیمور نسبتاً جلدی گھر آ گیا تھا۔ کھانا تو تیار ہی تھا عزمی نے جھٹ پٹ میز پر لگوا دیا۔

''آج شام تم تیار رہنا۔ کمپنی کی طرف سے پی سی میں ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔'' وہ اطلاع دے کر نیپکن سے ہاتھ پونچھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اور رحیم بخش سے کہنا مجھے شام پانچ بجے تک ضرور جگا دے، میں فی الحال کچھ دیر آرام کے بعد شام کو جم جاؤں گا اور اب تم کچھ دیر کمرے میں آ کر ریسٹ کر لو۔'' وہ عزمی سے کہہ کر جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

شام کو تیمور جم اور اسکواش کورٹ سے گیمز کے بعد واپس آیا تو عزمی پارٹی اٹینڈ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔

ڈارک براؤن ہلکے پھلکے کام والی ساری کے ساتھ نازک سی جیولری پہنے، ہاتھوں پر اسکن کلر گلوز چڑھائے، لائٹ سے میک اپ کے ساتھ، ساری سے میچ کرتا گاؤن پہنے اور بالوں کو ریشمی اسکارف سے ڈھانپے وہ تیمور کو ذرہ بھر نہ بھائی۔

''سخت واہیات لگ رہی ہو اس خیمے میں گھسی۔'' اس نے ناک چڑھا کر اس کے ڈھیلے ڈھالے گاؤن کی طرف اشارہ کیا۔ ''چلو اتارو اسے فوراً اور یہ کیا ڈاکوؤں کی طرح منہ پر ڈھاٹا باندھ لیا ہے؟'' اس نے عزمی کا حجاب چٹکی میں پکڑ کے چہرے سے تقریباً گھسیٹ لیا۔

''سنو عظمت النساء غفاری! کہ میری اپنی فرم میں بے حد ریسپیکٹ ہے اور تم ایسے حلیے میں وہاں گئیں، تو خواہ مخواہ مذاق بنے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں پابند سلاسل کر رکھا ہے، تنگ نظری اور جہالت کا لیبل لگ جائے گا مجھ پر۔ میرے غیر ملکی دوست سوچیں گے کہ مسلمان اپنی بیویوں کو آزاد فضا میں سانس بھی نہیں لینے دیتے شاید۔''

عزمی دم بخود رہ گئی۔

''جاؤ جا کر اپنا حلیہ درست کرو۔ صرف دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔'' وہ حکم دے کر جھپاک سے واش روم میں جا گھسا۔

چینج کر کے واپس آیا تو کمرے کے بیچوں بیچ اسی طرح کسی سوچ میں گم صم کھڑی عزمی کو دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔ ''یہ شامیانہ اتارا نہیں گیا تم سے ابھی تک؟'' وہ دھاڑا۔ ''پہلے اتنی دیر ہو گئی۔ اوپر سے تمہارے نخرے ہی ختم ہو کے نہیں دے رہے۔''

''مگر میر......اس طرح بے پردگی کا عذاب......''

''وہاٹ......؟'' وہ عزمی کی بات کاٹ کر چلایا۔

''پھر وہی بکواس......سنو!......یہ کس کو امپریس کرنا چاہتی ہو تم۔ شوہر کے پسندیدہ روپ میں تو ڈھلنا نہیں تم کو......آج مجھے بتا ہی ڈالو......'' اس نے مٹھی میں اس کے ریشمی بال جکڑ کر عزمی کے سر کو دائیں سے بائیں کئی جھٹکے دے ڈالے۔ درد کی شدت سے عزمی کے لبوں سے سسکی نکل گئی۔ بال نوچنے کی تکلیف سے چہرہ نیلا پڑ گیا۔

''اسلام میں بے پردگی کی مذمت کی گئی ہے۔'' وہ بمشکل منمنائی۔

''اور شوہر کا حکم کیا درجہ رکھتا ہے یہ کسی نے آج تک نہیں بتایا تمہیں......؟ بیٹھی رہو گھر میں پردے کی بو بنی۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر پٹخا۔ ''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں باہر اپنے ساتھ فنکشن

پر لے جایا جاسکے۔"

وہ سخت غصے کے عالم میں گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

عزمی دیر تک اسی کیفیت میں بستر پر پڑی روتی رہی۔ اسے یاد آرہا تھا کہ اس نے پڑھا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سب عورتوں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف نظر کرے تو وہ اس کو خوش کردے۔"

اف...... کیسی بد بخت تھی عزمی کہ جس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کا شوہر اس سے خفا ہی رہا تھا۔ تو گویا اس کا شمار آپؐ کے فرمان کے مطابق اچھی عورتوں میں نہیں تھا۔ تبھی اس نے دل کڑا کر کے ایک فیصلہ کیا اور اٹھ کر لباس تبدیل کرنے کے بعد نئے عزم کے ساتھ وضو کیا اور نماز عشا ادا کر کے اپنی ازدواجی زندگی کی خوشیوں کے لیے دعا کی۔

اگلے روز حسب معمول تیمور کے آفس جانے کے بعد ناشتہ کیا اور پھر تیار ہو کر ڈرائیور کو شہر کے معروف بیوٹی پارلر چلنے کا حکم دیا اور جب ایک طویل عرصے بعد بالوں کو جدید انداز میں ترشوا کر، آئی بروز بنوائیں تو اسے اپنا آپ آئینے میں اجنبی لگا۔ ویکسنگ تھریڈنگ، فیشل اور فیس پالش کے مراحل سے گزرنے کے بعد نہ جانے کیوں اسے ایسا لگا کہ اس کا چہرہ ایک انوکھی نورانی سی چمک سے محروم ہو گیا ہے اور یہ چھلا چھلا اور رگڑائی کے زور پر لال سرخ منہ ہرگز کسی پنج وقتہ نمازی اور حجاب لینے والی خاتون کا نہیں ہو سکتا مگر وہ چپ چاپ آنسو پیتی گھر آ گئی۔ جہاں آ کر اس نے اپنا گاؤن اور حجاب بکس کے اندر پرانے کپڑوں کی تہہ میں چھپایا اور دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر زارو قطار رونے لگی جیسے کوئی اپنے کسی پیارے کو منوں مٹی تلے دفنا کر روتا ہے۔ البتہ تیمور آفس سے واپس آیا تو اسے اس روپ میں دیکھ کر زیر لب مسکرا دیا۔ اپنے مدمقابل ایک کمزور عورت کو زیر کر کے اس کی مردانگی کو عجب سی تسکین ملی۔

"بھئی ویسے تمہاری ماں ہے بڑی شاطر عورت۔" وہ تنہائی میں عزمی کے گھر والوں کا تذکرہ اسی بدتمیزی سے کرتا تھا۔ اب فلک نے بھی برا منانا ترک کر دیا تھا۔ بھلا فاتر العقل کی بری بھلی بات کا کیا مائنڈ کرنا۔ وہ آج چھٹی والے دن لان میں کرسی ڈالے اخبار پڑھ رہا تھا کہ دفعتاً جانے کیا یاد آ گیا تھا۔

"بڑھیا نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے میری سیدھی سادی ماں کو شیشے میں اتار کر نہ صرف اپنی احمق

لڑکی ہمارے گلے منڈھ دی بلکہ اس کا تمام جہیز بھی صفائی سے بچالیا۔ چلو اب یہی جہیز تمہاری چھوٹی بہن کے کام آ جائے گا۔" وہ عجیب استہزائیہ ہنسی ہنسا۔

"آپ نے خود ہی زبردستی منع کر دیا تھا کہ میرا گھر تو فل فرنشڈ ہے لہٰذا مجھے کسی شے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ورنہ جہیز تو تیار ہی تھا۔" عزمی نے دھیرے دھیرے یاد دلایا۔

"لو جی، ہم نے ذرا جھوٹ موٹ کی عاجزی دکھائی اور تمہاری اماں جھٹ سچ مان گئیں۔ ویسے اپنے مطلب کی بات وہ جلدی سمجھ لیتی ہیں۔" وہ بے ہودہ سی ہنسی ہنس کر بولا۔

"میرے گھر والوں کو عیاری و مکاری دکھانا جو نہیں آتی۔ جب آپ نے محض اپنی واہ واہ کرانے کے لیے جہیز لینے سے انکار کیا تو وہ اسے واقعی آپ کا بڑا پن سمجھے تھے۔"

عزمی کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ تیمور چونک اٹھا اور اس سے پیشتر کے وہ کوئی سخت بات جواباً کہتا کہ اس کی نظر گیٹ سے اندر داخل ہوتی سفید آلٹو پر پڑی۔

جہاں سے چند لمحوں بعد عزمی کی امی اتر کر انہی کی جانب قدم بڑھا رہی تھیں۔

"آیئے امی...... السلام علیکم!" وہ فوراً لبوں پر مسکراہٹ سجائے خوش دلی سے ان کے استقبال کو آگے بڑھا۔

"آج یقین آ ہی گیا کہ واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ بے شک فلک سے پوچھ لیجیے۔ میں ابھی آپ کو ہی یاد کر رہا تھا۔"

"تو گھر چلے آتے بیٹا!" امی نے سادگی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی جب کہ عزمی چپ چاپ اس کے پیچھے کھڑی شوہر کو یکدم پینترا بدلتے دیکھ رہی تھی اور پھر تیمور نے ہی اصرار کر کے امی کو دوپہر کے کھانے پر روک لیا وہ ان کے سامنے مجسم ادب بنا خدمت میں پیش پیش تھا۔ امی آپ کمر کے پیچھے یہ گاؤ تکیے لگالیں، یہ رکھ لیں، وہ پی لیں، ادھر آ کر لیٹ جائیں......

اور امی تیمور کی فرماں برداری پر نہال ہوئی جا رہی تھیں۔

"ارے خوش رہو بیٹا! جیتے رہو۔ اپنی ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے رہو۔ میری عزمی خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارے جیسا شریک سفر ملا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے داماد کی شکل میں ایک اور بیٹا دے دیا۔" بھیا

کی آلٹوکار بمعہ ڈرائیور تیمور نے اسی وقت واپس بھجوادی کہ میں خود امی کو جا کر چھوڑ آؤں گا۔

اور واقعی مغرب کے بعد وہ امی کے بار بار اصرار پر انہیں جا کر واپس گھر چھوڑ آیا تھا۔

''پورے ہفتے انتظار کے بعد ایک دن چھٹی کا آتا ہے اور وہ بھی تمہاری اماں کی خدمتوں کی نذر ہو گیا۔'' رات کو وہ اپنے بیڈروم میں بستر پر لیٹا سگریٹ سلگائے مسلسل عزمی کی جان جلاتا رہا۔

اور پھر جب تیمور کا تبادلہ اسلام آباد کی برانچ میں ہوا تو سب سے زیادہ خوش عزمی ہی تھی۔ اب میکہ دور ہونے کے باعث کم از کم تیمور اسے گھر والوں کی باتیں لے کر زچ تو نہ کر سکے گا۔

نیا گھر، نیا ماحول اور نئی جگہ عزمی کو بے حد پسند آئی۔ عزمی نے کچھ سکون کا سانس لیا۔ آج کل تیمور کو نئے آفس کی مصروفیات میں الجھ کر تنگ کرنے کا زیادہ موقع نہیں مل رہا تھا یا پھر وہ رفتہ رفتہ اپنی خو بدلنے پر آمادہ تھا۔

تیمور اپنی روش ترک کر رہا تھا یا پھر عزمی کی خاموش خدمت دھیرے دھیرے رنگ لا رہی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا ان دنوں گھر میں خاصا امن تھا۔

پچھلے کئی روز سے عزمی کی طبیعت خراب تھی۔ ذرا تکیے سے سر اٹھاتی تو زوردار چکر آنے لگتے۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا اور کمرے میں ملگجہ سا اندھیرا اتر آیا تھا مگر اس کے اندر اٹھ کر لائٹ آن کرنے کی بھی ہمت نہ تھی۔ آج تو اس نے کھانا بھی نہیں بنایا تھا۔ یہ فرض رحیم بخش نے ہی ادا کیا تھا۔ تبھی تیمور کمرے میں آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی۔ وہ شاید ابھی گیمز سے واپس آیا تھا۔

لان ٹینس کا ریکٹ ہاتھ میں تھامے وہ کافی تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ بیڈ کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ کر اس نے اپنے جاگرز کھولے اور ایک نظر بیڈ پر پڑی عزمی پر ڈالی۔ اک دم سے اسے یاد آیا کہ یہ وقت تو عزمی کے سونے کا نہیں ہے، وہ تو ہر نماز بروقت ادا کیا کرتی ہے جب کہ اب تو مغرب کی نماز بھی قضا ہونے والی ہے۔ تب وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''فلک......! اٹھو......فلک!'' وہ بے اختیار اس کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

''عزمی! میری جان اٹھو......دیکھو مغرب کی نماز نکل رہی ہے تمہاری۔ مائی سویٹ ہارٹ۔'' وہ اس پر جھک آیا۔

عجب متضاد شخصیت کا مالک تھا میراب۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشا۔ حجت جتانے میں آتا تو انتہا کر دیتا۔ غصے میں ہوتا تو کمینگی کی ساری حدیں کراس کر جاتا۔ میانہ روی اس کے مزاج کا خاصا نہیں تھی۔

''پلیز میرو......میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ کسمسائی۔

''کیا ہوا تمہیں......؟'' وہ اس کے گریز پر چونکا۔

''بس ابکائیاں سی آ رہی ہیں، وومٹنگ (Vomiting) کے ساتھ زوردار چکر سے محسوس ہو رہے ہیں۔''

''کیا کھایا تھا دن میں؟ کہیں فوڈ پوائزن تو نہیں ہو گیا تمہیں۔'' وہ واقعی اس کے لیے پریشان سا لگ رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہے......'' فلک بے بسی سے منمنائی۔

''دراصل تم ہر وقت گھر میں گھسی رہتی ہو اس لیے بھی دل گھبرا رہا ہو گا۔ چلو ذرا چینج کر کے فریش ایئر میں آ جاؤ۔''

''پلیز میرو! مجھے یہیں لیٹا رہنے دیں۔''

''چلو چلو شاباش......ہری اپ......میں بھی بس شاور لے کر ابھی آتا ہوں۔'' وہ عزمی کا احتجاج اور التجا نظر انداز کر کے وارڈروب سے اپنا پستئی شلوار سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔

وہ خود پر جبر کر کے بمشکل تمام تیار ہو کر باہر آئی تو تیمور گاڑی اسٹارٹ کیے اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر میرو کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ میرو کا موڈ شاذو نادر ہی کبھی اتنا اچھا ہوتا تھا چناں چہ عزمی نے اسی کو غنیمت جانا۔

وہ اسے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے آیا۔ ''میں نے سوچا کئی روز ہو گئے باہر ڈنر ہی نہیں کیا تم نے۔ تم بھی کیا سوچتی ہو گی مگر یہاں آفس میں کام ہی اس قدر تھا کہ بس......''

عزمی بے بسی سے مسکرا دی۔ اس نے بڑی بمشکل سے قے کو حلق کے اندر روک رکھا تھا۔

میرو کیا کہہ رہا تھا، کیوں مسکرا رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا اور پھر

کی آلٹو کار بمعہ ڈرائیور تیمور نے اسی وقت واپس بھجوادی کہ میں خود امی کو جا کر چھوڑ آؤں گا۔

اور واقعی مغرب کے بعد وہ امی کے بار بار اصرار پر انہیں جا کر واپس گھر چھوڑ آیا تھا۔

''پورے ہفتے انتظار کے بعد ایک دن چھٹی کا آتا ہے اور وہ بھی تمہاری اماں کی خدمتوں کی نذر ہو گیا۔'' رات کو وہ اپنے بیڈروم میں بستر پر لیٹا سگریٹ سلگائے مسلسل عزمی کی جان جلاتا رہا۔

اور پھر جب تیمور کا تبادلہ اسلام آباد کی برانچ میں ہوا تو سب سے زیادہ خوش عزمی ہی تھی۔ اب میکہ دور ہونے کے باعث کم از کم تیمور اسے گھر والوں کی باتیں لے کر زچ تو نہ کر سکے گا۔

نیا گھر، نیا ماحول اور نئی جگہ عزمی کو بے حد پسند آئی۔ عزمی نے کچھ سکون کا سانس لیا۔ آج کل تیمور کو نئے آفس کی مصروفیات میں الجھ کر تنگ کرنے کا زیادہ موقع نہیں مل رہا تھا یا پھر وہ رفتہ رفتہ اپنی خو بدلنے پر آمادہ تھا۔

تیمور اپنی روش ترک کر رہا تھا یا پھر عزمی کی خاموش خدمت دھیرے دھیرے رنگ لا رہی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا ان دنوں گھر میں خاصا امن تھا۔

پچھلے کئی روز سے عزمی کی طبیعت خراب تھی۔ ذرا تکیے سے سر اٹھاتی تو زوردار چکر آنے لگتے۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا اور کمرے میں ملگجہ سا اندھیرا اتر آیا تھا مگر اس کے اندر اٹھ کر لائٹ آن کرنے کی بھی ہمت نہ تھی۔ آج تو اس نے کھانا بھی نہیں بنایا تھا۔ یہ فرض رحیم بخش نے ہی ادا کیا تھا۔ تبھی تیمور کمرے میں آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی۔ وہ شاید ابھی گیمز سے واپس آیا تھا۔

لان ٹینس کا ریکٹ ہاتھ میں تھامے وہ کافی تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ بیڈ کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ کر اس نے اپنے جاگرز کھولے اور ایک نظر بیڈ پر پڑی عزمی پر ڈالی۔ اک دم سے اسے یاد آیا کہ یہ وقت عزمی کے سونے کا نہیں ہے، وہ تو ہر نماز بروقت ادا کیا کرتی ہے جب کہ اب تو مغرب کی نماز بھی قضا ہونے والی ہے۔ تب وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''فلک...... اٹھو...... فلک!'' وہ بے اختیار اس کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

''عزمی! میری جان اٹھو...... دیکھو مغرب کی نماز نکل رہی ہے تمہاری۔ مائی سویٹ ہارٹ۔'' وہ اس پر جھک آیا۔

عجیب متضاد شخصیت کا مالک تھا میراب۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشا۔ منانے میں آتا تو انتہا کر دیتا۔ غصے میں ہوتا تو کمینگی کی ساری حدیں کراس کر جاتا۔ میانہ روی اس کے مزاج کا خاصا نہیں تھی۔

''پلیز میرو...... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ کسمسائی۔

''کیا ہوا تمہیں......؟'' وہ اس کے گریز پر چونکا۔

''بس ابکائیاں سی آ رہی ہیں، وومٹنگ (Vomiting) کے ساتھ زوردار چکر سے محسوس ہو رہے ہیں۔''

''کیا کھایا تھا دن میں؟ کہیں فوڈ پوائزن تو نہیں ہو گیا تمہیں۔'' وہ واقعی اس کے لیے پریشان سا لگ رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہے......'' فلک بے بسی سے منمنائی۔

''دراصل تم ہر وقت گھر میں گھسی رہتی ہو اس لیے بھی دل گھبرا رہا ہو گا۔ چلو ذرا چینج کر کے فریش ہو کر باہر میں آ جاؤ۔''

''پلیز میرو! مجھے یہیں لیٹا رہنے دیں۔''

''چلو چلو شاباش...... ہری اپ...... میں بھی بس شاور لے کر ابھی آتا ہوں۔'' وہ عزمی کا احتجاج اور انکار نظر انداز کر کے وارڈروب سے اپنا پستئی شلوار سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔

وہ خود پر جبر کر کے بمشکل تمام تیار ہو کر باہر آئی تو تیمور گاڑی اسٹارٹ کیے اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ میرو کا موڈ شاذ و نادر ہی اتنا اچھا ہوتا تھا چناں چہ عزمی نے اسی میں عافیت جانا۔

وہ اسے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے آیا۔ ''میں نے سوچا کئی روز ہو گئے باہر ڈنر ہی نہیں کیا تم نے بھی کیا سوچتی ہو گی مگر یہاں آفس میں کام ہی اس قدر تھا کہ بس......''

عزمی بے بسی سے مسکرا دی۔ اس نے بڑی بمشکل سے قے کو حلق کے اندر روک رکھا تھا۔

میرو کیا کہہ رہا تھا، کیوں مسکرا رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا اور پھر

جب ویٹر نے کھانا سامنے لا کر رکھا تو اس کی خوشبو سے ہی عزمی کا جی بری طرح اوب گیا اور وہ ابکائیاں لیتی ہوئی واش روم میں جا گھسی۔

تیمور اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو اٹھا تھا۔ جیسے تیسے کھانا ختم کیا اور فلک کو لے کر اپنے ایک دوست کے گھر پہنچا جس کی بیوی شہر کی مشہور گائنا کالوجسٹ تھی۔

اس نے اچھی طرح سے عزمی کا چیک اپ کیا اور یہ خوشخبری سنائی کہ عزمی ماں بننے والی ہے۔ عزمی کی تو خوشی کی انتہا نہ تھی مگر تیمور نہ جانے کیوں چپ سا ہو گیا۔ گھر آ کر فائلیں اٹھا کر کمپیوٹر پر جا بیٹھا اور عزمی نہ سمجھتے ہوئے اس کے رویے پر حیران سی کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔ رحیم بخش اسے دودھ میں اوولٹین ملا کر دے گیا تھا۔ تبھی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور یہ خبر اس پر بجلی بن کر گری کہ شبانہ آپا جو کہ عزمی سے صرف ڈیڑھ برس بڑی تھیں اور جن کی شادی میٹرک کرتے ہی اپنے ماموں زاد سے ہو چکی تھی، اب وہ بیوہ ہو گئی تھیں۔ احسان بھائی (شبو آپی کے شوہر) کا ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

''تم آ رہی ہو فلکی؟'' امی فون پر اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''جنازے پر نہ پہنچ سکو تو قل پر پہنچ جانا۔ سوئم تو دو روز بعد ہی ہوگا۔'' تب عزمی سوچ میں پڑ گئی اور امی کو بتا ہی ڈالا کہ ان دنوں ڈاکٹر نے اسے سفر سے منع کر رکھا ہے۔ تب امی نے اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ شبو آپی کے دکھ کے خیال سے وہ کتنی دیر آزردہ رہی تیمور کمرے میں آیا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اس کے کاندھے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تب وہ اسے دیر تک تھپکتا رہا۔

عزمی سوچ رہی تھی کہ تیمور باپ بننے والی خبر پر بے حد خوش ہوگا مگر اس کا رویہ عجب مبہم سا تھا اور پھر اگلے چند روز میں اس نے عزمی سے انوکھی فرمائش کر دی۔

''تم پہلی فرصت میں اپنا ابارشن کرا ڈالو۔''

''مگر کیوں......؟'' عزمی سراپا احتجاج بن گئی۔

''چوں کہ مجھے پریگنینسی کے زور پر پھولی پھولی بے ڈھب خواتین اچھی نہیں لگتیں۔

اتنا زبردست فگر ہے تمہارا۔ سارا ستیاناس ہو جائے گا۔'' نہایت اطمینان سے جواب ملا۔

''مگر شرعی رو سے یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک جان کے قتل کے مترادف ہے یہ......'' عزمی نے تمام تر ہمت یکجا کر کے کمزور سی آواز میں دلیل دی۔

''ابھی جان ہی کہاں پڑی ہے بچے میں۔ تیسرے مہینے کے بعد جا کر یہ مسئلہ ہوتا ہے۔'' پریگنینسی سے متعلق اس کی معلومات حیرت انگیز تھیں۔ اس کی زبان سے امریکی شہریت بول رہی تھی۔ جہاں ٹین ایجر لڑکیوں میں ابارشن نارمل سی بات تھی اور جہاں ناجائز اولاد پیدا کرنے میں بھی کوئی حرج نہ سمجھا جاتا تھا۔

جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے تو تمہارے لیے معاملہ زیادہ رسکی ہوتا جائے گا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ میں نے ڈاکٹر عائلہ افتخار سے بات کر لی ہے لہٰذا تم کل ہی اس کے کلینک جا کر اس سے ٹائم لے لو اور جتنی جلدی ہو سکے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر لو۔''

''مصیبت......؟'' عزمی حیران رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نعمت یا رحمت سے فیض یاب کرنا چاہ رہا تھا اور میرو اسے مصیبت گردان رہا تھا۔ اپنی ہونے والی اولاد کو اپنے خون کو۔ فلمی نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ وہ اسے اس کی ممتا کے قتل کا فرض سونپ کر بستر پر آڑا ترچھا لیٹا اپنے سامنے پڑے میگزین میں شائع ہونے والی ایک ماڈل کی رنگین فوٹو میں اس کے مہین لباس تلے نسوانی خدوخال کا بڑی دلچسپی سے جائزہ لے رہا تھا۔ عزمی کو یاد آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''سب عورتوں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف نظر کرے تو اسے خوش کر دے اور جب وہ کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال میں اس کو ناخوش کر کے اس کی مخالفت نہ کرے۔'' پھر وہ کیوں تیمور سے اختلاف کر رہی تھی۔ یہاں تو ''جان'' و مال بھی میرو کا ہی تھا۔ تب وہ سینے میں اٹھتی چیخوں کو دبا کر ایک بار پھر راضی بہ رضا ہو گئی۔

تیمور کے چہرے پر سارا ''کام'' بروقت اور ٹھیک طرح سے ہو جانے پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا۔

فلک کے ہاسپٹل سے گھر آنے کے بعد بھی تیمور نے اس کا کافی خیال رکھا۔ اپنے سامنے بٹھا کر اسے سیب ڈانٹ کر کھلاتا۔ کبھی ملازم سے ملک شیک بنوا کر اپنے سامنے پلاتا، زبردستی ساتھ آؤٹنگ پر

لے جاتا اور آفس سے واپسی پر بھی اس کی دلجوئی میں مصروف رہتا۔ وہ اس کا اتنا خیال رکھتا کہ خود عزمی شرمندہ سی ہو جاتی۔

اور ایک دن جب امی کا فون عزمی کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آیا تو وہ انہیں دھیرے دھیرے سے تفصیل بتا رہی تھی۔

"وہ امی میں باتھ روم میں سلپ ہو گئی تھی اس لیے......"

اپنے جھوٹ پر وہ خود حیران ہو رہی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ منافقت سکھا رہا تھا۔ امی کی ہی زبانی اسے معلوم ہوا کہ اب آپا عدت کے بعد مستقل طور پر اپنے میکے چلی آئیں گی۔

☆......☆......☆

"میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔" فلک تیمور کے لیے چائے بنانے کو اٹھنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ تیمور کو آفس سے گھر آتے ہی سب سے پہلے چائے کی طلب ہوتی ہے جب کہ دوپہر کا کھانا وہ آج کل آفس میں ہی کھا لیتا تھا۔

"تم میرے پاس بیٹھو چائے رحیم بخش لا رہا ہے۔"

رحیم بخش ٹرالی پاس رکھ کر گیا تو عزمی پیالوں میں چائے انڈیلنے لگی۔ اچانک ہی تیمور کو لمبے بالوں والی گندمی رنگت کی یہ معصوم سی لڑکی اپنے دل کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی معلوم ہوئی جو اس کے تمام تر برے سلوک کے باوجود اپنے رشتے کی وضعداری نباہ رہی تھی اگر تیمور باربرا کی سنہری زلفوں کا قیدی تھا تو اس میں اس لڑکی کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ جسے ان دونوں کے گھر والوں نے میرو کے ساتھ مضبوط بندھن کی ڈور میں باندھ دیا تھا۔

"تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں فلکی!" وہ آج تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تھینک یو۔" یہ کہتے ہوئے عزمی جس طرح بلش ہوئی وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"تم واقعی خالصتاً مشرقی لڑکی ہو۔" وہ ہنس دیا۔

"تمہیں دوسروں کو موہ لینے کا ہنر آتا ہے۔ تبھی تو امریکہ میں رہتی ہوئی میری ماں پاکستان آئی تو تمہیں دیکھتے ہی تم پر مرمٹی اور مجھے دو بول پڑھوا کر ہمیشہ کے لیے تمہارے حوالے کر دیا۔ اسے ڈر تھا کہ

میں کہیں کسی امریکن لڑکی کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔" وہ ہنسا۔

"کیسا لگا آپ کو امی کا انتخاب......؟" نہ جانے کیوں عزمی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ ہی بیٹھی۔ حالانکہ اس کا جواب تو وہ شادی کے بعد پہلے ہی دن سے لے کر اب تک اپنے ردعمل سے دیتا رہا تھا۔

"نو ڈاؤٹ......تم بہت مضبوط قوت ارادی کی مالک ہو۔" وہ نیپکین سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ پتا نہیں یہ تعریف کی تھی کہ تنقید، مگر اتنا ضرور تھا کہ عزمی کو لگا کہ تیمور کے دل کی کھڑکیاں رفتہ رفتہ عزمی کی طرف کھلنے لگی ہیں اسی شام وہ اسے اپنے ساتھ کپلو پر لے گیا اور اس کے ناں ناں کرنے کے باوجود اس کے لیے تین چار خوبصورت سوٹس پیک کروا دیے۔ وہ دلکش انداز میں سلگتا ہوا سگریٹ اپنے ہونٹوں کے کنارے دبا کر ہینگرز میں ڈسپلے سوٹوں کا جائزہ لیتا اور پھر جو اچھا لگتا ہینگرز سے کھینچ کر نکالتا۔

"یہ تم پر بہت جچے گا، ٹرائی روم میں لے جا کر ٹرائی کرو۔ فٹنگ وغیرہ ٹھیک ہے چیک کر لینا۔ ورنہ آلٹریشن کے لیے دے جائیں گے اور کل پک کر لیں گے۔"

عزمی تو بس اسے دیکھے گی۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کچھ عرصہ پہلے والا تیمور ہے پھر وہ اسے ولیج لے گیا جہاں انہوں نے رات کا کھانا کھایا۔

"میں کل صبح آفس سے ہی دو روز کے لیے ملتان جاؤں گا۔"

"کیوں......؟" تنہائی کے خیال سے عزمی آزردہ ہو گئی۔

"ایک ڈیلیگیشن آ رہا ہے کمپنی کے وزٹ کے لیے۔ اسے وہاں ریسیو کر کے لانا ہے۔ ملتان والی لرم کا بھی دورہ ہے بس۔"

"اچھا......" عزمی چپ کر گئی۔

"تم بھی چلنا چاہو تو چلو......" میرو نے آفر کی۔

"نہیں......میں کیا کروں گی جا کر۔" عزمی نے کہا۔

"یہاں رہ کر بھی کیا کرو گی؟" میرو نے فش کا کانٹا الگ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کا انتظار......" عزمی نے جھکی پلکیں اٹھا کر جواب دیا اور تیمور اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ٹی پنک

اور میرون کے امتزاج میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

موبائل کی بیپ بج رہی تھی، عزمی نے موبائل اٹھا کر کال ریسیو کی۔ ''ہیلو''

''عزمی کی بچی میں عفی بول رہا ہوں۔ اسلام آباد ایئر پورٹ سے مجھے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھا۔ تا کہ ٹیکسی پکڑ کر جلدی پہنچوں اور ہاں کچھ پکا کر رکھا ہے ناں۔'' ایمان سے بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔''

''آں......!'' عزمی چونک اٹھی۔ مگر تیمور تو ملتان گئے ہوئے ہیں۔ عزمی نے بے ساختہ کہا۔

''چلو یہ تو اور اچھا ہے ورنہ ان کی شرماشرمی میں مجھے پہلے مٹھائی وغیرہ کی دکان کے آگے رک کر کچھ لانا پڑتا اب تو خالی ہاتھ بھی آ جاؤں گا تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔

''اچھا اب جلدی سے گھر کا پتہ دو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خفا ہو کر ہوٹل میں چلا جاؤں اور تم گلے شکوے کرتی پھرو۔''

''خدا کرے کہ تم کسی ہوٹل میں ہی ٹھہر جاؤ۔'' عزمی نے سوچا مگر کہہ نہ سکی اور بجھے دل کے ساتھ اسے گھر کا پتہ سمجھانے لگی اور فون رکھ کر رحیم شاہ کو گیسٹ روم ٹھیک کرنے کی ہدایات دے کر کھانا ٹیبل پر لگانے کے لیے برتن نکالنے لگی۔

☆......☆......☆

''فلکی! کیا ہو گیا ہے تمہارے ذوق کو۔ باہر اتنا خوبصورت موسم ہے، بارش اب برسی کہ تب برسی تم ہو کہ کمرہ بند کیے اٹوائی کھٹوائی لیے پڑی ہو۔'' عفی دروازہ ناک کر کے اندر چلا آیا تھا۔ میں اکیلا بور ہو رہا ہوں۔ کیا تمہارے گھر میں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے کہ کھلا پلا کر گیسٹ روم کی جانب ہانک دیا کہ بھئی جاؤ بس ہمارا دماغ مت کھاؤ۔''

وہ آ کر اس کے بیڈ کے کونے پر ٹک گیا۔ ''چلو ذرا کارڈز نکالو۔ آؤ کارڈز کھیلتے ہیں۔''

''دل نہیں چاہ رہا عفی!'' عزمی نے جان چھڑانا چاہی۔

''تو پھر آؤ لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔ دسمبر جنوری کی بارش ہو تو آئس کریم کا ٹھنڈا ٹھار کپ بڑا

دیتا ہے ڈاکٹر بیمار ہونے پر ٹانک بھی بڑے مزے کے دیتے ہیں۔'' عزمی مسکرائی۔

''نہیں میں تمہیں آئس کریم کے بعد گرما گرم کافی کا مگ پلا دوں گا۔ تم چلو تو سہی۔'' اس نے اصرار کیا۔

''یہ المیہ فلموں کی ہیروئنوں والا لباس بدلو۔'' اس نے عزمی کے سیاہ لباس پر چوٹ کی۔ میں تمہارے غمگین ہوئے بغیر بھی تیمور بھائی کے آنے پر انہیں بتا دوں گا کہ تم ان کی جدائی میں بے حد دکھی رہیں اور کالی شال لپیٹ کر المیہ گیت سنتی رہی ہو۔ وفادار بیوی کے پورے نمبر ملیں گے تمہیں۔ چلو اب اٹھ بھی جاؤ۔''

عفی نے عزمی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور تیمور اندر داخل ہو گیا۔ چند لمحے گم صم دروازے میں کھڑا رہا اور پھر ہونٹوں پر زہر آلود سی ہنسی سجا کر ان دونوں کی طرف بڑھا۔ تیمور کے چہرے کے تاثرات اور موقع محل کی نزاکت نے عفی اور عزمی کو وہیں جامد و ساکت کر دیا تھا۔

''خوب......تو یہاں یہ کھیل چل رہا ہے۔'' تیمور بولا تو اس کے لہجے میں بادلوں کی سی گھن گرج تھی۔

''تیمور بھائی......میں دراصل عزمی کو کہہ رہا تھا کہ......'' عفی ہمت پکڑ کر آگے بڑھا۔

''اسٹاپ اٹ......مجھے مزید فول بنانے کی ضرورت نہیں ہے اب۔ شدید دھند اور موسم کی خرابی کی بنا پر میری فلائٹ کینسل ہو گئی اور میں آفس سے سیدھا گھر آ گیا۔ شاید یہی دکھانے کے لیے مجھے قدرت گھیر کر ادھر لے آئی۔ ورنہ عزمی بی بی کی معصومیت کا پردہ کس طرح چاک ہوتا۔'' اس نے طنزیہ نظر بت بنی ہوئی عزمی کی طرف اچھالی۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں میرو بھائی! عزمی میری سگی بہنوں کی طرح ہے۔ اگر اس کے اور میرے درمیان کوئی اور چکر ہوتا تو یہ آج آپ کے گھر میں موجود نہ ہوتی۔ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔'' عفی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا اور خاموش کھڑے تیمور کو دیکھ کر عزمی کی طرف مڑا۔

''میں جا رہا ہوں عزمی! دعا ہے کہ تم اپنے گھر میں سدا خوش رہو۔ کوئی پرابلم تھا تو مجھے صاف صاف گھر آنے سے منع کر دیتیں پگلی! کیوں بے کار کی مروت میں ماری گئیں۔'' وہ عزمی کے سر پر ہاتھ رکھ کر مڑا اور گیسٹ روم سے اپنا بریف کیس اٹھا کر باہر چل دیا۔

اس کے گھر سے چلے جانے تک تیمور اسی طرح کمرے کے بیچ میں کھڑا رہا۔عزمی اب بے آواز رو رہی تھی۔تب تیمور دھیرے دھیرے چلتا عزمی کے عین سامنے آ کر رک گیا۔دونوں ہاتھ عزمی کے شانوں پر رکھے اور آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔

"عزمی...... ! میں تیمور ولد زریاب علی تمہیں اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ طلاق دیتا ہوں......طلاق دیتا ہوں......طلاق دیتا ہوں۔"

"نہیں......!"عزمی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"یہ کیا کیا صاحب آپ نے......؟"رحیم بخش جو پلیٹ میں پانی کا گلاس رکھے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا بلبلا اٹھا۔

"یہ اسی قابل تھی۔"تیمور عزمی پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا اور عزمی فرش پر جھکتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

رحیم بخش پانی سے لبریز گلاس میز پر رکھ کر تیزی سے عزمی کی سمت لپکا۔

"خود کو سنبھالیے بیگم صاحبہ! حوصلہ کیجیے۔"

"آں......ہاں......"عزمی نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو جبراً کھول کر رحیم بخش کی جانب دیکھا جو تشویش بھری نظروں سے عزمی کی تیزی سے بدلتی ہوئی کیفیت کو جانچ رہا تھا۔

اگرچہ عزمی کے سینے میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں،خود کو سنبھالنے کی کوشش میں عزمی اپنا جان پڑتا وجود دھکیل کر قریب پڑی صوفہ چیئر پر جا بیٹھی۔

"پانی پی لیجیے۔"رحیم بخش نے پانی کا گلاس عزمی کی جانب بڑھایا۔

"نہیں رحیم بخش......اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے،اب بہت بہتر ہوں،اس لیے تم بے کمرے سے جا سکتے ہو۔"عزمی نے دھیرے سے کہا۔ناچار رحیم بخش گلاس ہاتھ میں تھامے کمرے سے باہر نکل گیا۔

زندگی میں یک دم ہی اتنی تاریکی چھا گئی تھی کہ اب کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

تب عزمی تمام تر حوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے حالات ایسے بے قابو ہوئے کہ عزمی یہاں اجنبی ہو گئی تھی،اسے تو صفائی کا موقع بھی نہیں دیا گیا تھا اور سزا سنا دی گئی تھی،تقدیر کے بے رحم ہاتھوں نے کھڑے کھڑے عزمی کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی اور سر سے سائبان نوچ ڈالا۔عزمی نے ایک سرسری نظر اپنے گرد وپیش پر ڈالی،چند لمحے قبل یہاں کی ہر شے اس کی ملکیت تھی اور اب......اب کچھ بھی اپنا نہیں رہا تھا۔تیمور سمیت۔

ایک ٹھنڈی آہ بھر کے عزمی ڈریسنگ روم میں پڑا اپنا سوٹ کیس گھسیٹ لائی اور وارڈروب کھول کر اس میں لٹکے دو چار سوٹس ہینگرز سے کھینچے اور یونہی تہہ لگائے بغیر گول مول کر کے سوٹ کیس میں ٹھونس لیے،پھر اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر انہیں کلپ کیا،بستر پر پڑی اپنی سیاہ شال اٹھا کر کندھوں پر ڈالی اور سوٹ کیس ہاتھ میں تھامے نپے تلے قدم اٹھاتی "المیر" سے ہمیشہ کے لیے باہر نکل آئی۔رحیم بخش کی اس پر نظر پڑی تو عزمی کے پیچھے دوڑا۔

"بیگم صاحبہ بیگم صاحبہ......ٹیکسی لا دوں یا پھر ڈرائیور چھوڑ آتا ہے آپ کو......"عزمی افسردگی سے مسکرا دی اب بھلا وہ اس کی بیگم صاحبہ کہاں رہ گئی تھی!!!

اور اب اسی ناتے اسے ڈرائیور کی خدمات لینے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔

"بہت شکریہ رحیم بخش! ابھی کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی مجھے،بس اب تم گھر جاؤ،اللہ نگہبان......"

اگرچہ عزمی کا تمام وجود حالات کے بے رحم تھپیڑوں کی زد پر تھا اور اس کے سوچنے سمجھنے کی طاقت سلب ہو چکی تھی،ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے اور آنکھوں میں امڈتے آنسو بار بار اس کے سامنے کا منظر دھندلا دیتے تھے مگر جب وہ بولی تو اس کی آواز میں وہی وقار اور ٹھہراؤ تھا،جو عزمی کے مزاج کا خاصہ تھا۔رحیم بخش کا پورا وجود دھیرے دھیرے لرز رہا تھا،خود پر ضبط کی کوشش میں اس کے لب کپکپا رہے تھے اور "خدا حافظ عزمی بی بی" کہتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

عزمی نے بھی اپنی ہتھیلی کی پشت سے گالوں تک آنے والے آنسو پونچھ ڈالے اور اپنے سامنے سے آنے والی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور اپنا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈگی میں رکھوانے کے بعد پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہی ڈرائیور کو راولپنڈی ریلوے اسٹیشن چلنے کے لیے کہا۔

شام گہری ہو چلی تھی، آسمان گہرے سیاہ بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ دسمبر کی سرد ہوا ہڈیوں میں گودا جمانے پر تلی کھڑی تھی اور عزمی نے اس وقت صرف ہاف سلیوز سویٹر پہنا ہوا تھا، اور اس کی شال بھی بس نارمل سی تھی، گھر کے اندر گیس ہیٹرز آن ہونے کی وجہ سے عزمی کو باہر کے ٹمپریچر کا اندازہ ہی نہیں ہوا تھا، یونہی نکل کھڑی ہوئی تھی اور اب ٹھٹھر رہی تھی۔

ٹیکسی تیزی کے ساتھ اسلام آباد کی کشادہ سڑکوں اور تاریکی کا حصہ بنے درختوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، عزمی کا دل جیسے کوئی اپنی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔ انہی سڑکوں پر وہ کتنی ہی بار تیمور کے ساتھ کار میں بیٹھی گھوما کرتی تھی، کبھی جو تیمور ترنگ میں آتا تو ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھام کر دوسرا بازو عزمی کے گرد حائل کر دیا کرتا اور پھر بڑے اسٹائل سے عزمی کی جانب سر جھکا کر گنگناتا۔

تیرا ساتھ ہے کتنا پیارا
کم لگتا ہے جیون سارا
تیرے ملن کی لگن میں
ہمیں آنا پڑے گا
دنیا میں دوبارہ..........

وہ شرارت سے عزمی کے پہلو میں چٹکی بھرتا۔

''خدا کے لیے میرو، دھیان سے ڈرائیو کرونا......!''

''وہ دیکھو......دیکھو گاڑی......'' سامنے کی طرف سے تیزی سے آتی گاڑی دیکھ کر عزمی کی روح فنا ہو جاتی، وہ اسے چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ تھام لیتا، گاڑی زن سے گزر جاتی، تب تیمور دوبارہ شوخ ہو جاتا۔

''اتنا پیار ہے تمہیں زندگی سے؟''

''ہاں......'' عزمی اقرار کر لیتی۔ ''ظاہر ہے خدا کی دی ہوئی نعمت ہے عزیز تو رکھنا چاہیے نا اسے۔''

''اور مجھ سے؟؟ مجھ سے کتنا پیار ہے تمہیں؟'' وہ سڑک سے نظریں ہٹا کر براہ راست عزمی کی آنکھوں میں جھانکتا۔

''کوئی پیمانہ پیار ماپنے کا آج تک ایجاد نہیں ہوا کیسے بتاؤں؟'' عزمی بے بس سی ہو جاتی۔

''پھر بھی......؟'' تیمور اصرار کرتا۔ ''کچھ تو اندازہ ہو آخر۔''

''بس یوں سمجھ لو کہ شاید اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔'' عزمی سر جھکا لیتی۔

''سچ بتاؤ عزمی تم نے اس سے پہلے بھی کسی سے اتنا پیار کیا تھا؟'' تیمور گردن موڑ کر غور سے اس کی طرف دیکھتا۔

''نہیں، ہرگز نہیں۔'' عزمی مضبوط لہجے میں کہتی۔

''امیزنگ!'' تیمور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے دباتے ہوئے خود کلامی سی کرتا۔

شاید ٹیکسی کو ایک جھٹکا لگا تھا......عزمی اپنے خیالات کی دنیا سے واپس نکل آئی، اسپیڈ بریکر آ گیا ہو گا، اس نے سوچا۔

اسلام آباد پیچھے رہ گیا تھا۔ عزمی نے سوچا کہ اس کے اور تیمور کے درمیان فاصلہ طویل تر ہو رہا ہے، کبھی نہ ختم ہونے کے لیے۔

کہاں تو عزمی کو کبھی لگا کرتا تھا کہ تیمور کے دل کی کھڑکیاں اب کہیں جا کر دھیرے دھیرے اس کی سمت کھلنا شروع ہوئی ہیں، اور کہاں یک دم ہی اس کی سمت جانے والا ہر راستہ بند ہو گیا تھا۔ پھر ریلوے اسٹیشن آ گیا تھا۔ ڈرائیور نے برق رفتاری سے عزمی کا سوٹ کیس باہر نکالا۔

عزمی نے ٹیکسی والے کو فارغ کر کے ٹکٹ گھر کی کھڑکی سے ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم کی جانب بڑھ گئی۔

ٹرین آنے میں ابھی کافی دیر تھی، عزمی فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔ اتفاق سے ویٹنگ روم اس وقت خالی تھا۔ یہ بھی عزمی کو غنیمت ہی لگا تھا۔ اس وقت اسے خود کو نارمل کرنے کے لیے تنہائی درکار تھی۔ عزمی نے اپنا پرس کندھے پر ڈالا اور ویٹنگ روم سے ملحقہ واش روم میں چلی گئی۔

واش بیسن کا نل کھول کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر یخ بستہ پانی کے چھینٹے مارنے سے اسے خاصا سکون محسوس ہوا تھا۔ مگر ساتھ ہی اتنی دیر سے رکے ہوئے آنسو پلکوں کی باڑھ توڑتے ہوئے اس کے گالوں سے بہہ نکلے، نہ جانے کتنی ہی دیر عزمی بے آواز روتی رہی، روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ

گئیں۔اسے بار بار ایک ہی خیال ستا رہا تھا کہ گھر پہنچ کر وہ کس منہ سے سب کے سامنے اپنے اوپر ٹوٹنے والی اس اچانک افتاد کا ماجرا سنا پائے گی۔

کیا واقعی سب لوگ اس کی بے گناہی کا یقین کر لیں گے۔بطور خاص بھابی، ان کا کیا ردعمل ہوگا؟؟

مگر فی الحال عزمی کے پاس خود اپنے کسی سوال کا جواب نہ تھا۔تب اس کا دھیان بھٹک کر عفی کی جانب چلا گیا کیا سوچتا ہوگا عفی بھی، اتنی بے اعتبار لڑکی تھی فلکی! بس اتنی ہی وقعت تھی اس کی تیمور کے آگے۔جانے عفی، ابھی اسلام آباد میں ہی کہیں ٹھہرا ہوگا یا پھر واپس جا چکا ہوگا۔ابھی تو عزمی کو یہ بھی معلوم نہ ہوسکا تھا کہ عفی اسلام آباد آیا ہی کیوں تھا!

عزمی کے چہرے سے پانی کے ننھے ننھے قطرے ٹپک کر اس کا گریبان بھگو رہے تھے، وہ پرس میں سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی، رو رو کر عزمی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اور پپوٹے متورم۔عزمی نے دوبارہ پرس کھول کر یونہی اندر جھانکا تو اسے سامنے ہی کاجل نظر آ گیا، اس نے فوراً دونوں آنکھوں میں کاجل کی ایک ایک سلائی پھیر لی، ابھی تو اسے ٹرین کی فرسٹ کلاس میں باقی مسافروں کے ساتھ سفر بھی کرنا تھا اور عزمی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی حالت دگرگوں نظر آئے۔شاید تبھی ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک کی تہہ بھی جمالی تھی۔

اسے گھر پہنچنے تک بڑی بہادری سے اپنی تمام تر ہمتوں کو یکجا کر کے اپنی حالت بہتر اور حواس برقرار رکھنا تھے، ریل میں تو ہر طرح کے مسافر سفر کرتے ہیں اور کچھ تو گھر سے نکلتے ہی، لاچار، بے بس اور تنہا لڑکیوں کو پھانسنے کی خاطر ہیں جب کہ عزمی اپنی ظاہری حالت سے ہرگز تنہا اور مجبور نظر آنا نہیں چاہتی تھی۔

بالوں میں برش کرنے کے بعد سر اچھی طرح چادر سے ڈھانپ کر عزمی دوبارہ ویٹنگ روم میں آ بیٹھی۔

''ہے گرم انڈے (گرم انڈے)'' گرم انڈے بیچنے والا ویٹنگ روم کے سامنے سے صدا لگاتا گزر گیا ایک نوجوان جو جانے کب سے عزمی کو تنہا دیکھ کر تاڑ رہا تھا۔اس کی تنہائی کا فائدہ اٹھا کر جرات سے ویٹنگ روم کے دروازے کے باہر آن ٹھہرا۔

مانا جناب نے پکارا نہیں
کیا میرا ساتھ بھی گوارا نہیں

اپنی بلغمی آواز میں گانے کا سرا اٹھاتا وہ عزمی کو خاصا قابل رحم لگا، مگر پھر اپنی تنہائی کا احساس اسے خوف میں مبتلا کر گیا۔اگر یہ لڑکا آگے بڑھ کر کوئی بدتمیزی کرے تو عزمی کیا کر سکے گی بھلا اس کا؟؟

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

ایک سرگوشی ماضی کا سینہ چیر کر عزمی کے کانوں میں دم توڑ گئی۔عزمی چونکی اور بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ہے گرم انڈے......وہی لڑکا شاید دوبارہ ادھر آ رہا تھا، عزمی کو اس کی اس طرف آمد اچھی لگی، ویٹنگ روم کے سامنے پہنچ کر انڈوں والے لڑکے نے ایک نظر اندر بیٹھی عزمی کی طرف دیکھا اور دوسری نظر دروازے پر ڈٹے ہوئے لڑکے پر ڈالی۔

''ہے گرما......''

لیلیٰ او لیلیٰ ، کیسی تو لیلیٰ
ہر کوئی چاہے تجھ سے ملنا اکیلا

انڈوں والے لڑکے کی آواز اب برآمدے میں گونج رہی تھی، عزمی دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی، یا اللہ میری حفاظت فرما، آخر خدا خدا کر کے دروازے پر موجود لڑکا دفعان ہوا تو عزمی نے شکر کا سانس لیا۔جوں جوں ٹرین کے آنے کا وقت قریب آ رہا تھا اسٹیشن پر رش بڑھتا جا رہا تھا۔عزمی بھی سوٹ کیس گھسیٹ کر باہر آ گئی اور پھر ایک قلی کو بلا کر سوٹ کیس اس کے حوالے کر دیا، اسی قلی کی کوشش سے عزمی کو کھڑکی کے ساتھ والی نشست بھی مل گئی تھی۔

اگرچہ ٹرین میں اس کی ہمسفر خواتین نے عزمی سے گپ شپ کرنا چاہی مگر عزمی نیند کا بہانہ کر کے منہ پر چادر کا پلو ڈال کر سوتی بنی۔حالانکہ تمام راستے گھر والوں کا سامنا کرنے کا خیال اسے پریشان کرتا رہا اور وہ خیالات کے تانے تانے بنتی رہی اور بالآخر جب وہ اپنے آبائی شہر ملتان کے ریلوے اسٹیشن پر اتری تو صبح کے ساڑھے تین بجے تھے، آسمان پر سیاہ چادر تنی تھی اور ستارے جگمگا رہے تھے، ٹرین نے

عزمی کے اندازے سے کافی پہلے اسے یہاں پہنچا دیا تھا، اگرچہ رات کا آخری پہر تھا مگر اسٹیشن پر زندگی جاگ اٹھی تھی، عجب چہل پہل کا سماں تھا عزمی کے ساتھ چند اور مسافر بھی یہاں اترے تھے، قلی آگے بڑھ چڑھ کر اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔ عزمی سوچ میں پڑ گئی اس وقت تو سبھی گھر والے سو رہے ہوں گے کیا ایسے میں وہ انہیں بے آرام کر کے وہ اندوہناک خبر سنا ڈالے جو ہمیشہ کے لیے سب کا سکون غارت کر دے گی یا پھر چپ چاپ اسٹیشن پر ہی ٹھہر کر صبح ہونے کا انتظار کرے!

جب کشتی ثابت و سالم تھی
ساحل کی تمنا کس کو تھی؟
اب ایسی شکستہ کشتی پر
ساحل کی تمنا کون کرے!

عزمی چونکی، اس کے قریب ہی مونگ پھلیوں والا، ریڑھی پر رکھا ٹرانزسٹر سن رہا تھا، جانے رات کے اس پہر کون سا اسٹیشن غزلیں سنا رہا تھا، جسے ٹھیلے والا کانوں پر اونی کنٹوپ چڑھائے اسٹول پر بیٹھا محویت سے سن رہا تھا۔

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے گا!

عزمی کا دل یہاں سے ہٹنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر اسی وقت ایک قلی آ کر سامان اٹھانے کی پیشکش کرنے لگا تو مجبوراً عزمی کو اس کے پیچھے قدم بڑھانا پڑے۔

دنیا نے ہمیں چھوڑا اے دل!
ہم چھوڑ نہ دیں کیوں دنیا کو

اور عزمی نے گردن موڑ کر دیکھا، وسل دیتی ٹرین کا انجن دھیرے دھیرے آگے رینگ رہا تھا، تب بے اختیار اس کا دل چاہا کہ بھاگ کر جائے اور اس انجن کے آگے ریل کی پٹری پر اپنا سر رکھ دے۔

دنیا کو سمجھ کر بیٹھے ہیں
اب دنیا، دنیا کون کرے!

حبیب ولی محمد کی آواز عزمی سے دھیرے دھیرے دور ہو رہی تھی۔ سچ کتنے جرات مند ہوتے ہیں وہ لوگ، جو اگر کچھ ٹھان لیں تو پھر وہ کر کے ہی چھوڑتے ہیں خواہ خودکشی ہی کیوں نہ ہو عزمی میں تو اس کی بھی ہمت نہ تھی۔

وہ تو اس سے ایسا پنچھی تھی کہ جس کا آشیانہ اندھی کے تیز جھونکوں کی زد میں آ کر تنکا تنکا بکھر چکا تھا اور اس کے بازو اپنی قوت پرواز کھو چکے تھے۔

☆☆☆

عزمی کے گھر سے چلے جانے کے بعد تیمور ٹی وی لاؤنج میں آ گیا اور ٹی وی آن کر کے سامنے صوفے پر براجمان ہو گیا، شاید وہ لامتناہی سوچوں سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا، اور دھیان بٹانے کو ٹی وی کے آگے آ بیٹھا تھا ورنہ تیمور کو ٹی وی دیکھنے سے کوئی خاص دلچسپی تو تھی نہیں، مگر بار بار چینلز بدلنے کے باوجود بھی اسے کوئی پروگرام نہ بھایا تو وہ ٹی وی آف کر کے ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھا۔

"رحیم بخش! کھانا لگاؤ۔" اس نے صدا لگائی۔

ٹیبل پر برتن تو لگے ہی ہوئے تھے اور بھلا آج برتن لگے ہی کتنے تھے!!

ایک پلیٹ چپاتی رکھنے کے لیے، ایک پلیٹ سالن نکالنے کے لیے، ایک گلاس، کانٹا چھری اور بس۔

رحیم بخش جلدی سے گرم سالن ڈونگے میں نکال لایا اور ہاٹ پاٹ میں گرم چپاتی نکال کر تیمور کے سامنے رکھی پلیٹ میں رکھنے لگا۔

"پانی ڈالوں آپ کے لیے؟"

یکایک تیمور کے کانوں میں عزمی کی آواز گونجی۔

"آں ہاں ڈال دو۔" تیمور بڑبڑایا۔

"نہیں نہیں کچھ نہیں، بس تم جا کر کھانا کھا لو رحیم بخش اگر کچھ چاہیے ہوا تو پھر میں تمہیں پکار لوں گا۔"

لقمے تیمور کے حلق میں پھنس رہے تھے۔ جنہیں وہ پانی کے ساتھ اندر دھکیل رہا تھا۔ ساتھ پڑی خالی کرسی بار بار اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ ٹیبل کے عین درمیان میں سجا گلدستہ جیسے تیمور سے عزمی کا ہی پوچھ رہا

تھا، پتا نہیں آج ہر طرف یہ کیسی بے چینی سی پھیلی ہوئی تھی ورنہ روز تو جب عزمی ساتھ ہوتی تھی تو بڑے آسودہ ماحول میں کھانا کھایا جاتا تھا۔

جہاں تیمور کی پلیٹ کا سالن ختم ہونے کو آتا، عزمی دھیرے سے اور ڈال دیتی، اس کی روٹی کا آخری نوالہ ہاتھ میں ہوتا اور عزمی ہاٹ پاٹ سے گرم چپاتی نکال کر آگے رکھ چکی ہوتی، وہ گلاس کی جانب نظر اٹھاتا اور وہ لبالب بھر دیتی۔

"یہ سلاد تو لیں، آج یہ رشین سلاد میں نے خود ایک ریسپی بک سے دیکھ کر بنایا ہے، ذرا ٹرائی تو کریں۔"

"میرو! آج میں نے زردہ بنایا ہے پلیز مذاق اڑائے بغیر کھا لینا، فرسٹ ٹائم ٹرائی کیا ہے، ذرا ٹیسٹ تو کریں۔"

وہ زبردستی اس کی پلیٹ پر کر دیتی، شاید اسے رحیم بخش نے بتایا ہو گا کہ تیمور کو سویٹ ڈشز زیادہ مرغوب ہیں تبھی اکثر رات کے کھانے پر کچھ نہ کچھ میٹھا ضرور موجود ہوتا۔

کبھی فروٹ ٹرائفل، کبھی زردہ اور کبھی کھیر......

جانے کس نے عزمی کو بتا دیا تھا کہ مرد کے دل تک پہنچنے کا راستہ اس کے معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔

"کتنی پاگل تھی عزمی......!"

مرد کا دل بھلا اپنے اصل مقام پر ہوتا ہی کب ہے؟

اپنی پسند کی عورت نظر آ جائے تو اس کا دل اس کی آنکھوں کے اندر دھڑک اٹھتا ہے۔

پسند کی شے چھونے کو مل جائے تو دل اس کی ہتھیلیوں میں آ کر دھک دھک کرنے لگتا ہے۔

جب محبوب سرکش بھی ہو اور حسین بھی ہو اور اسے بے حد عزیز بھی ہو، تو یہی دل کسی کے قدموں کی دھول بن جاتا ہے۔

"اور عزمی کیا تھی؟"

نہ تیمور کی پسند میں ڈھلی عورت، نہ کوئی شوخ حسینہ اور نہ اس کی من پسند محبوبہ۔

تب وہ کسی بھی راستے سے جاتی، خواہ کچھ بھی کرتی مگر تیمور کے دل کے پٹ بند ہی ملتے۔

چوں کہ مرد اپنے دل کا دروازہ ہمیشہ بند رکھتا ہے۔ البتہ چھوٹی موٹی درزیں اور روشن دان تازہ، خوشگوار اور معطر ہوا کے جھونکوں کے لیے ضرور کھلے رکھتا ہے لیکن باب قلب وہ اپنی زندگی میں صرف ایک دوبار ہی کھولتا ہے، جب کسی کو من کے سنگھاسن پر جگہ دینی ہو تب یا پھر اٹھا کر وہاں سے باہر پھینکنا ہو، (کسی فالتو کاٹھ کباڑ کی طرح) اس وقت بمشکل دو چار لقمے لے کر تیمور کھانے کی ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہاں سے وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اپنے بیڈ روم میں آیا تو بے ساختہ اس کی نظر بیڈ تلے رکھی عزمی کے چپلوں کی جوڑی پر پڑی، تیمور کا دل لمحے بھر کے لیے دھڑک اٹھا۔ چپلیں ایسے قرینے سے رکھی تھیں جیسے منتظر ہوں عزمی آ کر انہیں اپنے پاؤں میں ڈالے گی۔

ایک ٹھنڈی آہ کھینچ کر وہ پلٹا اور لاؤنج میں پڑے بک شیلف سے وقت گزاری کی خاطر ایک انگریزی ناول اٹھا کر اپنے بیڈ پر آ گیا، جیسے ہی تیمور نے اپنی کمر کے پیچھے سہارے کی خاطر لگانے کے لیے تکیہ کھینچا، تکیے کے نیچے عزمی کا میرون کلر کا دوپٹہ تہہ ہوا رکھا تھا۔

تیمور چونکا، جیسے تکیے تلے سے خود عزمی نکل آئی ہو پھر کسی انجانے احساس کے تحت، تیمور نے دوپٹہ اٹھا کر اپنے چہرے پر لگا لیا، دوپٹے سے عزمی کے وجود کی بھینی بھینی سی خوشبو پھوٹ رہی تھی، اینس، اینس عزمی کا پسندیدہ پرفیوم تھا، اور اس کے وجود میں اس کی مہک رچ بس گئی تھی، ایک ٹھنڈا سانس بھر کے تیمور نے دوپٹہ ایک طرف ڈال دیا۔

ناول پڑھنے میں بھی تیمور کا دل نہیں لگا، تب رحیم بخش کو جلد کام کاج ختم کرنے کے بعد اپنے کمرے میں جانے کی ہدایت کرتے ہوئے وہ ٹی وی لاؤنج کے ایک کونے میں بنے، اپنے بار کیبن کی جانب بڑھ گیا، اگرچہ مے نوشی بہت عرصہ ہوا وہ ترک کر چکا تھا، مگر آج شدت سے اس کی طلب ہو رہی تھی۔

وہاں ہر قسم کی شراب موجود تھی، تیمور نے گھر پر اپنے غیر ملکی دوستوں کی تواضع کا سامان جمع کر رکھا تھا، شیشے کی الماری کھول کر اس نے بیئر کی بوتل نکالی اور لاؤنج میں ہی بیٹھ کر اپنے لیے پیگ بنایا۔

مجھے پینے کا شوق نہیں
پیتا ہوں غم بھلانے کو
تیری یادیں مٹانے کو

پیتا ہوں غم بھلانے کو

دفعتہً یہ نغمہ اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں گونج اٹھا، تب اسے یاد آیا کہ امریکہ میں اس کے ہمراہ کالج میں ایک انڈین لڑکی پڑھا کرتی تھی، جو اکثر بڑے شوق سے یہ سونگ سنا کرتی تھی۔

کبھی کبھار شاعری بھی کیسا سچ بولتی ہے!

آئینے کا روپ اختیار کر کے انسان کے مدمقابل آ کھڑی ہوتی ہے تب اس کے درد کا بت بے لباس ہونے لگتا ہے۔ اچانک تیمور کی نظریں سامنے لگے وال کلاک کی جانب اٹھ گئیں۔

ابھی تو رات کے صرف ساڑھے بارہ بجے ہیں، عزمی کو گھر سے گئے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے تو کیا وہ ابھی سے عزمی کے لیے اداس ہو رہا تھا۔

اس چالتر لڑکی کے لیے جو معصومیت کا ڈھونگ رچا کر اتنا عرصہ اسے بے وقوف بناتی رہی۔ ورنہ تیمور کو تو پہلے روز سے ہی شبہ تھا کہ دنیا کی کوئی بھی عورت اتنی پاک باز نہیں ہوتی جتنا عزمی خود کو پوز کر رہی تھی۔

وہ کسی خیال کے تحت اٹھا اور آگے بڑھ کر عزمی کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اگرچہ ابتداء میں اس کے ہاتھ ذرا سے لرزے، مگر پھر جوش کم ہمتی پر غالب آ گیا۔

ہیلو! دوسری جانب سے کامران بھائی کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

”ہاں تیمور! کہو کیسے ہو؟“ بھیا کی نیند اس وقت تیمور کی آواز سن کر ہی غائب ہو گئی تھی خدا خیر کرے۔ انہوں نے سوچا۔

”سوری، بہت غلط وقت پر آپ کو ڈسٹرب کیا...... وہ دراصل...... آپ کو بتانا یہ تھا کہ......“

”ہاں ہاں کہو...... میں سن رہا ہوں، سب خیریت تو ہے نا؟“

کامران بھائی کا دل کسی انجانی خبر کے متوقع احساس سے ہی بری طرح دھڑک رہا تھا۔

”دراصل عزمی واپس اپنے گھر آ رہی ہے، شاید راستے میں ہو گی، چونکہ میں نے اسے آج شام طلاق دے دی ہے، وجہ وہ خود جو مناسب سمجھے گی آپ کو بتا دے گی۔“ تیمور نے بے نیازی سے کہا۔

البتہ عزمی کے لیے چند روز قبل میں نے ایک نئے ماڈل کی کار بک کرائی تھی، اس کو سالگرہ کے تحفے میں دینے کے لیے، اب وہ گاڑی اس کے حق مہر کے عوض اس تک پہنچ جائے گی، بس یہی بتانا تھا مجھے، تیم

نے بات ختم کر کے فون کا چونگا واپس کریڈل پر ڈال دیا، حالانکہ دوسری طرف کامران بھائی ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے تھے۔

اس کے بعد وہ دوبارہ اپنے بار کی جانب چلا آیا اور اپنے لیے بیئر کا ایک پیگ مزید بنایا فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی تھی۔

تیمور بیئر کی چسکیاں لے رہا تھا۔

جب فون کی گھنٹی ذرا وقفے کے بعد پھر بجنے لگی تو تیمور کو اٹھنا ہی پڑا۔ اسے معلوم تھا کہ دوسری طرف عزمی کے کامران بھائی ہی ہوں گے اس نے آگے بڑھ کر لائن کاٹ دی، پھر کسی بے اختیار جذبے کے تحت اس کی انگلیاں امریکہ میں لیزا کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

اس گھڑی تیمور کو کسی سہارے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور لیزا اسے بڑھ کر اس کا دکھ بانٹ لینے کی صلاحیت بھلا کس میں تھی۔

”کام آن لیزا......! مجھے سمیٹ لو آ کر۔“ وہ فون پر ہی بکھرنے لگا۔

☆☆☆

موٹر رکشہ پھٹ پھٹ کی آواز کے ساتھ اسی شہر کی مانوس سی سڑکوں پر دوڑ رہا تھا جہاں عزمی پل کر جوان ہوئی تھی یہاں کا چپہ چپہ عزمی کا آشنا تھا۔ ایک عجیب سے احساس کے تحت اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ رکشہ اب گلگشت کالونی کی مانوس سڑک پر رواں دواں تھا، عزمی نے اسے کھمبے کے ساتھ بنے گھر کے سفید گیٹ کے پاس ٹھہرنے کے لیے کہا۔

رکشہ روک کر ڈرائیور نے عزمی کا سوٹ کیس نیچے اتار دیا۔ ڈرائیور کو پیسے دے کر عزمی گیٹ کے سامنے آ کر رک گئی ایک دن اسی گیٹ سے قرآن پاک کے سائے تلے رخصت ہو کر اس نے تیمور کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کیا تھا۔

اس روز دلہن بنی عزمی کے دل میں کتنے ارمان، کتنی آرزوئیں اور امنگیں کروٹ لے رہی تھیں۔ زندگی میں کچھ کر دکھانے کا عزم تھا۔

اس نے سوچا تھا اپنی ازدواجی زندگی کو اتنا کامیاب اور خوشگوار بنائے گی کہ لوگ اپنی بیٹیوں کی تقدیر

عزمی کی قسمت جیسی ہونے کی دعائیں کیا کریں گے۔

دونوں ہاتھوں سے پیار لٹائے گی بھی اور سمیٹے گی بھی اور آج اپنے دل کے ہر ارمان کو کفن پہنا کر، سہاگن سے طلاقن تک کا سفر کر کے، وہ پھر اسی گیٹ کے سامنے کھڑی تھی، گویا جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا، وہیں جا کر اس کی کہانی کا خاتمہ بالخیر بھی ہو گیا تھا۔ عزمی نے ڈرتے ڈرتے، کانپتے ہاتھوں سے ڈور بیل بجائی۔ وہ خود کو گھر والوں کے تابڑ توڑ سوالات کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھی۔

خلاف توقع پہلی گھنٹی پر ہی کامران بھائی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ان کے پیچھے بھابی، امی اور شبو آپی کے چہرے جھانکتے نظر آئے، عزمی کا ماتھا ٹھنکا، آخر یہاں کے سب لوگ کیوں اس وقت ریڈ الرٹ ہیں۔ امی نے آگے بڑھ کر عزمی کو اپنے گلے لگا لیا۔ جب کہ کامران بھائی کسی سوچ میں گم صم، خاموش کھڑے تھے۔

امی کے گلے لگی عزمی خود پر قابو نہ رکھ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، پھر کسی خیال کے تحت کامران بھائی کی طرف مڑی ”وہ بھائی دراصل میں......“ ”کچھ مت کہو عزمی بس اندر چل کر آرام کرو، بعد میں باتیں ہوں گی، میں اتنی دیر نماز فجر ادا کر آؤں۔“ کامران بھیا کھدر کی گم لپیٹے باہر نکل گئے ”چلو اندر چلو شاباش۔“ شبو آپا نے اسے چمکار کر ساتھ لگا لیا اور اپنے ساتھ کمرے میں لے آئیں۔ جب کہ بھابی بیڈروم سے ننھے معاذ کے رونے کی آواز سن کر ادھر چلی گئیں۔

اور نشو بھی چہرے پر جہان بھر کا تجسس سمیٹے اپنے بستر پر لحاف کے اندر دبکی، عزمی ہی کی منتظر تھی۔

کمرے میں ہیٹر آن تھا اور ہلکی سی خوشگوار حرارت ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

امی کے پاس بیٹھ کر عزمی نے ہچکیوں کے درمیان ساری بات بتا دی۔ عزمی کے منہ سے عفی کا نام سن کر شبو آپا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔

”بس چپ رہو۔ بھابی کے آگے عفی والی بات مت کر دینا کہیں ورنہ بھابی کے نشریاتی رابطے کے ذریعے کل تک یہ خبر پورے پاکستان میں پھیل چکی ہوگی کہ عزمی اور عفی...... عفی اور عزمی......“ شبو آپا کو سمجھ نہ آئی کہ کس طرح سمجھائیں۔ ”بس مجھے ڈر ہے کہ یہ مبالغہ آمیزی، بلاوجہ تمہاری زندگیوں میں زہر گھول کر رکھ دے گی۔“ آخر کار وہ دل کا خدشہ زبان تک لے ہی آئیں۔

”بتانا تو اب پڑے گا ہی...... ایسی باتیں بھی کہیں چھپتی ہیں بھلا“ امی نے بے بسی سے کہا۔

عزمی نے ایک نظر امی کے چہرے پر ڈالی جہاں ان کی پیشانی پر سوچ کی لکیروں کا عجب جال سا بنا ہوا تھا، چہرے کا رنگ ماند پڑ گیا تھا اور امی کافی کمزور ہو گئی تھیں۔ ابھی تو ایک بیٹی کی بیوگی کا دکھ ہی دل کا روگ بنا تھا کہ دوسری بھی اپنے ماتھے پر طلاق کا لیبل سجائے گھر آ بیٹھی تھی اور گھر بھی کس کا...... جوان بھائی اور بھاوج کا۔

بھائی تو خیر خود بہنوں کے غم میں آدھا ہو رہا تھا مگر بھاوج......؟ اس کی پیشانی کے بل لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کھل کر نہ دیتے۔ ماں کی دعاؤں پر بھلا کس کو شک گزر سکتا ہے مگر شاید دعاؤں میں کوئی کسر رہ گئی تھی، جو وہ بارگاہ الٰہی سے شرف قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکی تھیں۔

اتنی دیر میں شبو آپا عزمی کے لیے بھاپ اڑاتا، گرم چائے کا پیالہ لے آئی تھیں، ساتھ میں نمک اور کالی مرچ اور ابلا ہوا انڈا بھی موجود تھا۔

حلق سے چائے کا گھونٹ اتارتے ہی عزمی کو بڑا سکون محسوس ہوا اس وقت اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو واقعی گرم گرم چائے اور بھرپور نیند کی اشد ضرورت تھی، مگر وہ کامران بھائی کی مسجد سے واپسی کی منتظر تھی تا کہ ان کے تاثرات جان سکے۔

کامران بھائی مسجد سے گھر آئے تو سیدھے عزمی ہی کے پاس چلے آئے اور امی نے عزمی کی بتائی ہوئی تمام تفصیل کامران بھائی کے گوش گزار کر دی تھی۔

”سچ بتاؤں امی......!“ کامران بھائی بولے۔ ”مجھے تو امریکہ کے ماحول میں پڑھا اور انگلینڈ میں پلا بڑھا وہ لڑکا پہلی نظر میں ہی اپنی عزمی کے لیے انتہائی غیر موزوں لگا تھا چونکہ طیبہ آنٹی آپ کی بچپن کی دوست تھیں اس لیے آپ کا رجحان زیادہ تر انہی کے گھرانے کی طرف تھا، پھر ان لوگوں کا گھرانہ معاشرے کے شریف اور سلجھے ہوئے لوگوں میں شامل ہوتا ہے اس لیے میں خاموش ہو گیا تھا، پھر کچھ تسلی بھی تھی کہ لڑکا ان دنوں پاکستان ہی میں سیٹل ہے وگرنہ میں کبھی اس رشتے کے حق میں ووٹ نہیں دیتا۔“ کامران بھائی نے کہا۔

”بیٹا قسمتوں کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ دیکھنے کو تو لڑکا اچھا ہی لگا تھا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کا لحاظ

کرنے والا پر دلوں کا بھید خدا کے علاوہ اور کسے معلوم ہو سکتا ہے۔" امی ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

"بھائی ......! میں قسم کھاتی ہوں کہ میرا اور عفی کا آپس میں کبھی کوئی غلط تعلق نہیں رہا۔" عزمی پھر رونے لگی۔

کامران بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"ہاں ......! مجھے معلوم ہے، یہ بھی کوئی وضاحت کرنے والی بات ہے بھلا؟ کامران بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے تسلی دی۔ اور عفی تو بالکل بھی ایسا لڑکا نہیں ہے۔" بھابی جو، اب تک خاموش بیٹھی ساری بات سن رہی تھیں بڑے وثوق سے عفی کی گواہی دے رہی تھیں۔

عزمی نے صدمے کی سی کیفیت میں بھابی کی جانب دیکھا اپنی عزمی بھی تو ایسی نہیں ...... کاش بھا کی زبان سے جملہ ادا ہوا ہوتا۔

"اچھا عزمی تم اب آرام کرو اور دیکھو فی الحال کسی سے اپنی طلاق کا تذکرہ مت کرنا اور نسرین تم ......!" بھیا نے بھابی کی طرف دیکھا۔ "تم بھی اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ یہ بات اس گھر کی چار دیواری سے فی الحال باہر نہ جائے۔" بھابی سر ہلا کر رہ گئیں۔

"اچھا عزمی میں اب چل کر ناشتہ کرتا ہوں، تاکہ آفس کے لئے بروقت نکل سکوں۔" کامران بھا عزمی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھ گئے۔ بھابی بھی اٹھ کر ان کے پیچھے ہی چل دیں۔

عزمی نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر دفعتہً ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا تو وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"امی ...... کیا کسی نے میرے آنے سے پہلے ہی آپ لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع کر دی تھی؟"

"کیا ...... کیا عفی ادھر آیا تھا؟"

"نہیں بیٹا ......! دراصل تیمور نے خود ہی کامران کو فون کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"تیمور ...... نے۔" عزمی کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

چلو یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ ورنہ عزمی کے لیے خود سے سب بتانا کتنا مشکل ہو جاتا۔ بھی گویا تیمور کا عزمی کے سر پر ایک طرح کا احسان ہی تھا۔

شبو آپا کی بیوگی کی عدت عنقریب ختم ہونے والی تھی اور عزمی کی طلاق کی عدت شروع ہو رہی تھی۔

☆☆☆

تیمور ان دنوں کافی ڈسٹرب فیل کر رہا تھا۔ گھر آتا تو تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی اور پھر اس گھر میں قدم قدم پر عزمی کی یادیں بکھری ہوئی تھیں، جن سے دامن بچانا تیمور کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔

عزمی سے چند مہینوں کا تعلق اس کے لیے سوہان روح بن گیا تھا اور اس شام تو تیمور بہت بے چین سا تھا۔ موسم کچھ ابر آلود سا ہو رہا تھا۔

رحیم بخش نے اسے کافی بنا دی تھی، اپنا کافی کا مگ اٹھا کر تیمور ٹیرس پر چلا آیا تھا مگر پاپی دل جانے کیا چاہ رہا تھا۔ پھر یونہی بے کل سا ہو کر اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور امریکہ میں لیزا کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہہ...... ہیہ...... ہیلو......" لیزا کی سانسوں کا زیر و بم کوئی اور ہی کہانی بیان کر رہا تھا مگر تیمور نے اپنے دھیان میں توجہ نہیں دی تھی۔"

"لیزا...... لیزا...... آئی ایم تیمور علی فرام پاکستان......"

Please, ring me after time

"پلیز...... کچھ دیر بعد فون کرنا۔" دوسری جانب سے لیزا کی خمار میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا ہے لیزا کو؟" وہ قدرے حیران ہوا۔ یہ اس کی آواز کیوں بوجھل سی ہو رہی تھی۔ شاید سو رہی ہو۔" اس نے سر کو جھٹکا اور پھر مگ کی کافی ختم کر کے نہ جانے کیوں گاڑی کی چابی اٹھا کر بے مقصد ہی باہر نکل گیا۔

کافی دیر تک سڑکوں پر ادھر ادھر آوارہ گردی کے بعد بھی اس کا دل گھر جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔

اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں؟
شام ہو گئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا!
دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا!

اس نے یونہی ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا ڈیک آن کیا تھا مگر گانے کی یہ آواز ماحول کو مزید اداس کر

گئی۔

تیمور نے بلاارادہ ہی گاڑی کا رخ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی طرف موڑ دیا۔

''مجھے ایک رات کے لیے یہاں کمرہ چاہیے۔'' وہ ریسپشن پر کھڑا فرمائش کر رہا تھا۔

ہوٹل کے رجسٹر میں ضروری اندراج کے بعد وہ ریسپشن سے چابی لے کر لفٹ کے ذریعے دوسری منزل پر واقع اپنے کمرے میں آ گیا۔

ڈبل بیڈ والا کمرہ انتہائی آرام دہ تھا، تیمور نے سب سے پہلے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ٹیلی فون سے اپنے گھر کا نمبر ملایا۔

''رحیم بخش......! آج رات تم کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا بلکہ وقت پر گھر کے سب دروازے وغیرہ بند کر کے سو جانا، میں شاید آج رات گھر نہیں آ سکوں گا۔''

فون رکھ کر اس نے سرہانے لگی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ذرا دیر بعد مودب ویٹر حاضر تھا۔

''بیئر یا وہسکی جو موجود ہو، فٹافٹ لے آؤ۔''

کچھ ہی دیر کے بعد بیرا خوب صورت بلوریں گلاس اور بوتل ٹرے میں سجائے حاضر تھا۔

''ادھر رکھ دو۔'' تیمور نے ٹیبل کی سمت اشارہ کیا۔

ویٹر کے جانے کے بعد تیمور نے انٹر کام پر ریسپشن ملایا۔

''روم نمبر 120 سے بول رہا ہوں، کوئی اچھی سی لڑکی تو بھجواؤ یار۔''

ریسپشنسٹ دھیرے سے معنی خیز ہنسی ہنسا۔

''کوئی خاص ڈیمانڈ سر؟''

''کوئی نہیں......'' تیمور دھیرے سے بولا۔

''آدھ گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے۔'' ریسپشن پر موجود کلرک نے یقین دلایا۔

پچیس منٹ بعد دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

وہ جو کوئی بھی تھی، کسی شعلہ جوالہ سے کم نہیں تھی۔ شوخ سرخ لانگ کوٹ پہنے، ہونٹوں کو سرخ اسٹک سے سجائے، اپنے پرم شدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتی، پنسل ہیل کی نوک پر بڑی ادا سے اندر دا

ہوئی تھی۔ تیمور نے خود کہہ کر اسے بلوایا تھا، مگر اب اسے لڑکی کو دیکھ کر شدید الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ جس نے اندر داخل ہوتے ہی اپنا لانگ کوٹ اتار کر صوفے کی بیک پر ڈال دیا تھا اور پھر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے، بڑے مزے سے انگلیوں میں دبا سگریٹ لیے ایک ادا سے ہونٹوں کو گول کر کے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑ رہی تھی، وہ شاید تیمور کے اگلے حکم کی منتظر تھی۔

اس سے قبل تیمور سگریٹ پینے والی کئی لڑکیوں سے مل چکا تھا۔ بلکہ یورپ اور امریکہ میں تو ہر دوسری عورت تمباکو نوشی کی عادی تھی، ڈرنک کرنا بھی ایک روٹین کی سی بات تھی مگر آج نہ جانے کیوں تیمور کو اس لڑکی کی حرکتیں خفقان میں مبتلا کر رہی تھیں۔

''تم......'' تیمور نے اسے مخاطب کیا۔

''رمشا'' لڑکی بھرپور انداز سے مسکراتی، میرا نام رمشا ہے۔

''تو مس رمشا......! تم غلط روم میں آ گئی ہو۔''

''مطلب......؟'' لڑکی نے الجھن آمیز نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا۔

''مطلب یہ کہ مجھے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔'' تیمور اطمینان سے بولا۔

لڑکی جو سینڈل اتار کر اس وقت دونوں پاؤں ایک ادا سے ٹیبل پر رکھے سگریٹ کے کش لے رہی تھی، چونک اٹھی۔

''مگر مجھے تو فون پر اسی کمرے کا نمبر بتایا گیا تھا۔'' جواباً تیمور شانے اچکا کر رہ گیا۔

''تو اس کا مطلب ہے مجھے کسی نے فول بنایا ہے۔'' لڑکی بڑبڑائی اور پھر ایش ٹرے میں سگریٹ بجھا کر اٹھ کھڑی ہوئی، اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔

شاید بھاری رقم ملنے کی امید دم توڑ گئی تھی اس لیے اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

وہ تیزی سے اپنا کوٹ پہننے کے بعد اب اپنے سینڈلز کے سٹیپ ٹائٹ کر رہی تھی۔

''سنو......!'' اسے پرس اٹھا کر تیزی سے دروازے کی سمت قدم بڑھاتے دیکھ کر تیمور نے پکارا۔

''یہ رکھ لو......'' تیمور نے ہزار کے چند نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ تمہارا قیمتی وقت ضائع ہوا جس کا مجھے واقعی افسوس ہے۔''

ایسا کیوں ہو رہا ہے کہ عزمی اس کے حواسوں پر سوار ہو کر رہ گئی ہے۔

کیا وہ عزمی کو مس کرنے لگا ہے۔

عزمی...... جو، اب تیمور کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گئی تھی اور اب کوئی راستہ بھی اس کی سمت نہیں جاتا تھا۔

چادر میں لپٹی لڑکی، سادگی سے صوفے پر آلتی پالتی مارے عام گھریلو انداز میں تیمور سے گپ شپ میں مصروف تھی اور تیمور کے دل میں یک لخت سوئے ہوئے جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگے۔

مرد کی فطرت بھی عجیب ہے، بے چین، متجسس اور پارہ صفت۔

جب کوئی عورت آتش شوق کو بھڑکانے کی حد تک کھلی ڈلی ہو تو اسے عام طور پر ڈھکی چھپی ایک سربستہ راز کی مانند، عورت پسند آتی ہے۔ ایک معمے کی طرح پیچیدہ، کسی بلا عنوان کتاب کی طرح بند۔

جسے وہ خود کھول کر پڑھے، ہر معمہ خود حل کرے، لیکن اگر بدقسمتی سے کتاب کا آخری صفحہ سب سے پہلے پڑھ ڈالے تو پھر اس کا انتساب یا دیباچہ پڑھنے کی حاجت محسوس نہیں کرتا اور کتاب اس کے لیے سرے سے غیر دلچسپ ہو جاتی ہے۔ جو پھر طاق پر پڑے پڑے اپنے نصیبوں کو روتی، گرد کی موٹی تہہ تلے دفن ہو جاتی ہے۔

لیکن......

عقلمند عورت وہی ہے......

جو ہر ایک ورق کے پلٹے جانے پر روزانہ کسی نئے انداز میں ڈھل کر، نئی تحریر کی طرح اپنے مرد کے سامنے آئے اور پھر اسے اپنی ذات کے اسلوب بیان میں اس طرح الجھا کر رکھے کہ زندگی بھر اس کی دلچسپی ختم نہ ہو۔

اسی میں عورت کی کامیابی کا راز مضمر ہے کہ وہ اپنے مرد کے مزاج کو سمجھ لے اور اس کی نیت شوق کبھی بھرنے نہ دے کوئی ننھا بچہ سمجھ کر اس کی ٹہل سیوا کرے۔ اس کے ناز اٹھائے اور اپنی ذات اور خوشیوں کو پس پشت ڈال کر اپنے مرد کا خیال رکھے۔

خلوت ہو تو......

مرد عورت کو ہمیشہ ایک منجھی ہوئی طوائف کے روپ میں دیکھنا پسند کرتا ہے، جو اسے بکھرنے سے پہلے سمیٹ کر اگلی شب تک کے لیے یکجا کر دے جب کہ عام زندگی میں وہ اپنی عورت کو انتہائی صابر، شریف، بامروت اور باکردار دیکھنا پسند کرتا ہے تاکہ اس کا شوہر کہلانے میں کسی قسم کی سبکی محسوس نہ ہو۔

بہر حال اتنا تو عزمی کی قربت کا تیمور پر اثر ہوا تھا کہ اب اسے ورق ورق کر کے زیست کا صفحہ پلٹنا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے کا سلیقہ آ گیا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ایک سانس میں جام ختم کر لینے سے پیاس بجھتی نہیں بلکہ تشنگی اور بھی سوا ہو جاتی ہے۔

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اب اسے کھلی ڈلی عورتوں کی بجائے ڈھکی چھپی اور اسرار کے پردے میں لپٹی عورت زیادہ متاثر کرنے لگی تھی۔

جسے پرت در پرت کھولا جائے اور کھول کر بھلا تیمور کیا ڈھونڈنا چاہتا تھا۔

شاید ہر عورت کے اندر چھپی ہوئی ایک عزمی۔

کیوں......؟ مگر کیوں......؟

عزمی تو تیمور کی زیست کا وہ باب تھی جسے اس نے پورا پڑھے بغیر ہی بند کر دیا تھا اور اب شاید اسی لیے ایک الجھن سی تھی جو اسے ہر وقت گھیرے رکھتی اور وہ خود سے الجھنے لگتا۔

تیمور ایک خواب کی سی کیفیت میں چادر میں لپٹی لڑکی کی سمت آگے بڑھا اور وہ بھی ذہنی طور پر اسے سمیٹنے کو تیار تھی۔ لہٰذا چادر پھینک کر کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

صبح سویرے تیمور گھر آیا تو رحیم بخش نے بغور اس کی سمت دیکھا۔

تیمور کے منتشر بال، ملگجے کپڑے اور شب بیداری کی غماز آنکھیں، اس کی گزشتہ شب کا فسانہ سنا رہی تھیں، رحیم بخش کا دل دکھ گیا۔

گزشتہ کئی برس سے اس گھر کا نمک کھا رہا تھا اس لیے اسے اجڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہ بے بس تھا، کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا کہ آقا و غلام کی تفریق بھی تو قائم رکھنا تھی۔

”رحیم بخش میں ناشتہ نہیں کروں گا چوں کہ باہر سے ہی کر آیا تھا۔ تم بس میرے کپڑے نکال دو۔“

اب اسے آفس جانے کی جلدی تھی۔ ”میں بس اتنی دیر میں شیو کر کے اور شاور لے کر ابھی آتا ہوں۔“ وہ چھپاک سے باتھ روم میں گھس گیا۔

جب وہ عجلت میں صوفے پر بیٹھا اپنے سیاہ چمکتے ہوئے بوٹ کے تسمے باندھ رہا تھا تو رحیم بخش آ کر پاس کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے رحیم بخش......؟ گھر کے خرچے کے لیے کچھ پیسے چاہئیں کیا؟“ تیمور نے بغور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں صاحب......! آپ کو بتانا تھا کہ......رات امریکہ سے آپ کی امی کا فون آیا تھا۔“

”کیا......“ تیمور تسمے باندھنا بھول گیا۔

”اچھا تو کیا کہہ رہی تھیں ممی؟“

پہلے تو آپ کا پوچھا تب میں نے بتایا کہ آپ رات گھر نہیں ہوں گے اور کسی کام سے گئے ہیں۔

”پھر......؟“ رحیم بخش سے اسے اسی سمجھداری کی امید تھی۔ ”پھر عزمی بی بی کا پوچھنے لگیں۔“

”پھر......پھر کیا کہا تم نے؟“ تیمور نے بے صبری سے پوچھا اور اس سے پہلے کہ رحیم بخش کوئی جواب دیتا ٹیلی فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔

تیمور کا دل نہ جانے کیوں دھک دھک کرنے لگا۔

”لگتا ہے کہ یہ امریکہ سے بڑی بیگم صاحبہ کا فون ہو گا۔ چونکہ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ صبح دوبارہ فون کریں گی۔“ رحیم بخش نے لپک کر فون اٹھالیا۔

”جی......جی تیمور صاحب ادھر میرے پاس ہی کھڑے ہیں میں فون دیتا ہوں انہیں۔“ رحیم بخش نے چونگا تیمور کو تھما دیا۔

”یہ تم راتوں کو کہاں ہوتے ہو آج کل؟“

اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد ممی نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

”وہ دراصل ممی آفس میں آج کل کام زیادہ ہے۔ ان فیکٹ آڈٹ ٹیم آئی ہوئی ہے نا، تو بس اس لیے......“ تیمور کو جلدی میں بہانہ سوجھ گیا تھا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ عزمی کہاں ہے آج کل......؟“ تیمور سوچ میں پڑ گیا۔ اب کیا جواب دے۔ جو سیدھا سادا، صحیح بتا دے تو یہ ممی کے لیے بہت بڑا شاک ہو گا اور اگر وہ جھوٹ بولے تو......

کیا پتا رحیم بخش نے سارا کچھ بتا ہی دیا ہو۔ کہیں اسی لیے تو ممی یوں کرید کرید کر نہیں پوچھ رہیں عزمی کا؟

تیمور الجھن میں پڑ گیا۔

”کیا بات ہے میرو، تم چپ کیوں ہو؟ جواب کیوں نہیں دے رہے میری بات کا؟“

عزمی کہاں ہے؟ ٹھیک تو ہے نا وہ؟“ ممی کے لہجے میں کسی انجانے احساس کے تحت ہلکا سا ارتعاش تھا۔

”جی ممی......“ بمشکل تمام تیمور تھوک نگل کر بولا جب کہ رحیم بخش کچھ فاصلے پر کھڑا تیمور کو ہی بغور دیکھ رہا تھا۔

”ہیلو......!“

”ہیلو......!“

تیمور کا ذہن تیزی سے سوچ کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ آیا کہ ممی کو صاف صاف ساری بات بتا دے یا پھر......

کم از کم اس وقت ان سے کوئی جھوٹ بول کر اور کوئی خوبصورت سا بہانہ کر کے انہیں ٹال دے، ویسے بھی وہ اس وقت آفس سے لیٹ ہو رہا تھا۔

”جی میں......وہ عزمی دراصل اپنے گھر گئی ہوئی ہے۔“ وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکا۔

”ہاں وہ تو مجھے کل رحیم بخش نے بتا دیا تھا۔ مگر میں پوچھ رہی ہوں کہ عزمی میکے کیوں گئی ہوئی ہے۔“ ممی نے جلدی سے پوچھا۔

تیمور چپ کر گیا، شاید مناسب الفاظ کی تلاش میں تھا۔

”اوہ......سمجھ گئی......سمجھ گئی۔ تم شاید شرما رہے ہو۔ پہلی بار باپ بننے کے مرحلے سے گزر رہے ہو شاید اسی لیے۔“ ممی کی آواز میں خوشی کا عنصر نمایاں تھا۔ ”میری ہی مت ماری گئی جو سمجھ نہ سکی تھی تو کب

تک ہے عزمی کی Due ڈیٹ......؟"

"جی......؟"

تیمور حیران تھا کہ اب کیا کرے۔

"ہیلو......ہیلو......" ادھر سے ممی پکار رہی تھیں۔

"سوری ممی......! اس وقت تو مجھے آفس جانے کی جلدی ہے پہلے ہی آج کافی لیٹ ہو چکا ہوں۔" بے قراری سے تیمور نے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالتے ہوئے بے خیالی میں کہا۔

"ارے......!!" ممی حیران رہ گئیں۔ "ابھی تو بقول تمہارے تم واپس آفس سے گھر پہنچے تھے۔ اب پھر آفس جا رہے ہو؟" ممی کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا جسے صرف تیمور ہی محسوس کر سکتا تھا۔ "وہ دراصل ممی بتایا تو تھا آپ کو کہ آج کل کام کچھ زیادہ ہے۔" اس نے سر کھجایا۔ "میں آپ کو خود فون کروں گا۔" تیمور نے بات ختم کی۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔ مگر وہ عزمی کی ڈیو ڈیٹ......؟"

"وہ بھی آپ کو پھر بعد میں ہی بتا دوں گا۔ پلیز ممی اس وقت بہت جلدی میں ہوں......" تیمور واقعی آفس سے لیٹ ہو رہا تھا۔

"اچھا بیٹا اپنا خیال رکھنا۔" ممی نے پیار سے کہا۔

"آپ بھی......" تیمور نے جواباً لاڈ جتایا۔

خدا حافظ کہہ کر تیمور نے ریسیور واپس کریڈل پر ڈالا اور ایک لمبا سکون کا سانس لیا۔

"توبہ ہے......آج تو مارے ہی گئے تھے۔"

تیمور نے جھک کر ٹیبل پر پڑی کار کی چابی اٹھائی اور آفس جانے کے لیے دروازے کی سمت بڑھا۔

"صاحب......!" رحیم بخش نے اسے پیچھے سے پکارا۔

"اب کیا بات ہے؟" تیمور نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"آج دوپہر کھانے میں کیا پکاؤں؟"

"یہ بھلا مجھ سے پوچھنے والی بات ہے؟"

"پھر اور کس سے پوچھوں؟" رحیم بخش محض سوچ کر رہ گیا۔

"جو دل چاہے پکا لو۔" تیمور جھنجھلا کے باہر نکل گیا۔

عزمی کے ہوتے ہوئے بھی اگرچہ گھریلو کام کاج نوکروں کے ہی حوالے تھا تاہم گھر کا نظام جس لگے بندھے روٹین کے تحت چل رہا تھا۔ اس کی ڈور عزمی کے ہی ہاتھوں میں تھی۔ وہ سارے کاموں کو ترتیب دیا کرتی۔

بیڈ شیٹس کب بدلنا ہیں!

گلدانوں کے پھول کب تبدیل کرنا ہیں!

کن کن کپڑوں کو کلف لگوانا ہے!

کون سے کپڑے ہینگرز پر لگ کر دھوبی کے پاس جائیں گے اور کتنے کپڑوں کی گانٹھ جائے گی!

مہمانوں کی آمد پر ٹرالی پر کون کون سے لوازمات رکھے جائیں گے!

کب کیا کرنا ہے اور......کیسے کرنا ہے، تمام ہدایات عزمی ہی جاری کیا کرتی تھی۔ رحیم بخش تو صرف احکام کی تعمیل کا پابند تھا۔ باقی کام بے شک رحیم بخش ہی دیکھتا تھا البتہ ہانڈی خود عزمی ہی پکایا کرتی تھی اور اس کے ہاتھ میں بے حد ذائقہ بھی تھا۔

کبھی ہفتے عشرے میں ایک روز لگا کر وہ کک کے ساتھ مل کر میدے اور سبزے کے رولز، سموسے اور بیف یا چکن کے کباب بنوا کر فریز کر لیا کرتی تھی اور اس کے علاوہ کابلی چھولے بھی ابال کر ایک شاپر میں ڈال کر فریزر کے خانے میں رکھ چھوڑتی تھی۔ تاکہ مہمانوں کے لیے چاٹ بنائی جا سکے، اور کسی بھی لمحہ اچانک آ جانے والے مہمانوں کے آگے اسے سبکی نہ ہو۔

گلاب جامن، رس گلے اور فالودہ بنانا تو اس نے رحیم بخش کو بھی سکھا دیا تھا۔ وہ اکثر رحیم بخش سے کرید کرید کر تیمور کی پسند کے کھانوں کے بارے میں پوچھتی رہتی اور پھر کھانے پکانے کی مختلف تراکیب کی کتابیں کھولے، نت نئے ذائقے دار چیزیں بنانے کے شوق میں گھنٹوں باورچی خانے میں کھڑی رہتی۔

تیمور کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ وہ یاروں، دوستوں کو گھر پر دعوتیں دینے کا شوقین بھی تھا۔ اکثر ملکی

وغیر ملکی دوست گھر پر مدعو ہوتے، تب کئی طرح کے پاکستانی اور انگلش کھانے پکا کرتے۔ اگرچہ جس روز دعوت ہوتی تو اس دن کمپنی کا کک بھی صبح سے ہی گھر آ جاتا تھا تا کہ وقت پر کھانا تیار کر لے۔ پھر مختلف ویٹرز اور نوکروں کے کچن میں موجودگی کے باوجود بھی عزمی کی تسلی نہ ہوتی۔

وہ خود بھی مسلسل کچن میں ساتھ گھسی کاموں میں الجھی رہتی۔ جب تک پارٹی اختتام کو نہ پہنچتی، عزمی آرام سے ٹک کر نہ بیٹھ پاتی۔ جب مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد کمپنی کے کک اور ویٹرز اس سے اجازت کے طلب گار ہوتے تو وہ کسی کو اپنے گھر سے بغیر کھانا کھائے نہ جانے دیتی اور پھر جاتے وقت کچھ نہ کچھ رقم بطور انعام دیا کرتی، اور ان سب کی مدد کا شکریہ ادا کرتے نہ تھکتی، اس کے انہی اوصاف کی بدولت سارے ملازمین اس کی بے حد عزت کرتے تھے اور بطور خاص رحیم بخش تو عزمی سے بے حد خوش تھا۔ کاش کبھی عزمی بی بی واپس اپنے گھر آ جائیں۔

مگر کس طرح......!

صاحب نے تو اپنے دل سمیت ہر دروازہ ان کے لیے بند کر ڈالا تھا۔

مگر کاش......! کاش! کوئی انہونی ہو جائے۔ رحیم بخش دل سے دعا مانگتا۔

☆☆☆

اس روز عزمی گھر میں سب کو ناشتہ کرانے کے بعد دھونے کے لیے میلے کپڑے الگ کر رہی تھی، وقت تک کامران بھائی آفس اور نمرا و نشو کالج، جب کہ شبو آپا آج اپنے کسی کام کے سلسلے میں بینک ہوئی تھیں۔ بھابی اپنے کمرے میں معاذ کے کپڑے بدلوا رہی تھیں اور امی برآمدے میں تخت پر چھالیہ کتر رہی تھیں، کہ اچانک باہر گلی میں موٹر رکشہ رکنے کی آواز سنائی دی اور اس کے چند لمحوں بعد بھابی کی امی اور بہن صحن والے دروازے پر دستک دیتی اندر چلی آئیں۔

امی سمدھن کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور بڑے پرتپاک سے ملیں جب کہ اسی اثناء میں بھابی اپنی ماں، بہن کی آوازیں سن کر کمرے سے دوڑی چلی آئیں، اور یوں گلے لگ کے ملیں گویا صدیوں سے بچھڑی ہوئی ہوں۔

''اوہو......! عزمی بھی آئی ہوئی ہے۔'' بھابی کی والدہ، امی سے ملنے کے بعد رسماً عزمی کو بھی گلے

کے ملیں، جب کہ عزمی سے ہاتھ ملاتے ہوئے رومیلہ کے چہرے کا زاویہ بگڑنے لگا تھا۔ رومیلہ، عزمی ہی کی ہم عمر ہو گی مگر جانے کیوں عزمی سے خاصی الرجک رہا کرتی۔ جیسے عزمی کے ہاتھوں کچھ چھن جانے کا خوف ہو، بطور خاص اگر کسی تقریب میں عفی بھی موجود ہوتا تو یہ خطرہ اور بھی دوچند ہو جاتا۔

''بھابی پلیز آپ اور امی آنٹی وغیرہ کو ڈرائنگ روم میں لے کر چلیں میں اتنی دیر میں چائے وغیرہ بنا لاتی ہوں۔'' عزمی نے خوش دلی سے مسکرا کر بھابی کو پرخلوص آفر کی اور جھپاک سے فوراً ہی کچن میں جا گھسی۔

عنقریب بھابی کے ماموں زاد کی شادی تھی اور بھابی کی امی نسرین بھابی کو ان کا کارڈ پہنچانے آئی تھیں۔

''اب تم کامران میاں کے ساتھ شادی پر آ ضرور جانا کبھی حیلے بہانے کرنے لگو۔'' بھابی کو امی نے ہاتھ میں کارڈ تھماتے ہوئے تاکید کی۔

''کچھ یاد بھی ہے کہ تمہیں میکے آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔''

''میں تو بہت حیران ہوتی ہوں جب دیکھتی ہوں کہ دنیا کی لڑکیاں کیسے بیاہ کر بھی ہر وقت میکے والوں کی چھاتی پر چڑھی رہا کرتی ہیں۔'' انہوں نے ایک طنزیہ نظر چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوتی عزمی پر ڈالی۔

عزمی کی امی چونک اٹھیں اور بھابی خوامخواہ کھسیا کر مسکرانے لگیں۔

''نہیں امی آپ بے فکر رہیں میں شجاع کی مہندی والے روز صبح سے ہی ادھر آ جاؤں گی۔'' بھابی نے اپنی امی کی تسلی کرائی۔

''اور تم کب آئیں فلکی۔'' رومیلہ نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔

''مجھے تو یہاں کافی دن ہو گئے ہیں۔'' عزمی نے گول مول سا جواب دیا۔

''اور تم سناؤ رومیلہ؟ تمہارے ڈاکٹر بننے میں اور کتنا عرصہ باقی رہ گیا۔'' عزمی نے کبابوں کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''بس اب تو منزل قریب ہی نظر آنے لگی ہے۔'' وہ بھی جبراً مسکرا دی۔

"عزمی......! بھلا تمہارے سسرال والے تو امریکہ اور انگلینڈ میں رہا کرتے ہیں ناں۔" بھابی کی امی کو اچانک جانے کیا یاد آ گیا۔

"جی آنٹی......" عزمی نظریں جھکا کر بولی۔ "اور تم تو اسلام آباد میں اپنے علیحدہ گھر میں رہتی ہو؟" وہ پھر بولیں۔

"جی......؟ جی ہاں......!" عزمی کچھ نہ سمجھی۔

"بھئی مان لیا۔ خوش قسمت ہو تم بھی، نہ ساس نندوں کا جھنجھٹ نہ کوئی جیٹھ دیوروں کی کل کل اکیلے میاں جی کا دم، جو چاہو سو اپنے الگ گھر میں کرو، دل چاہا تو دو روٹی ڈال لی، نہ چاہا تو بازار سے پکا پکایا لے آئے اور کھا پی کے پڑ رہے، مگر پھر بھی وہاں تمہارا دل نہیں لگتا، دوڑی دوڑی ہر دم میکے کی طرف ہی بھاگی چلی آتی ہو، اب بھلا تیمور، میاں کیا کرتے ہوں گے وہاں تمہارے بنا؟"

عزمی تو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ہی ڈوبتی چلی گئی اور امی کے چہرے کے تاثرات بھی عجیب سے تھے۔

"ارے تیمور کو بھلا عزمی کی کہاں یاد آتی ہو گی ان کے تو نوکروں کی ایک پوری فوج ملازم ہے۔" بھابی نے شاید ماحول کی کشیدگی کو کم کرنے کی خاطر کہا تھا اور ساتھ ہی نظروں ہی نظروں میں ماں کو خاموش رہنے کا بھی اشارہ کیا۔

"بھئی کچھ بھی سہی، جو ذمے داریاں بحیثیت بیگم ہونے کے ان پر عائد ہوتی ہیں وہ تو نوکر پوری نہیں کر سکتے ناں۔" وہ کباب کا ٹکڑا کانٹے میں پروتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولیں۔

"امی میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔" بھابی نے دبی زبان میں کچھ اشارہ کیا۔

"اچھا......؟ کوئی ایسا مسئلہ ہے کیا؟"

انہوں نے ناگواری سے عزمی کی طرف دیکھ کر بھابی سے پوچھا۔

"جی......بس......وہ معاملات کچھ الجھے ہوئے ہی ہیں۔"

"رومیلہ تم نے شجاع کی مہندی کے لیے کپڑے سلوائے ہیں؟" بھابی نے اپنی امی کو گول مول سا جواب دے کر گفتگو کا موضوع تبدیل کرنے کی خاطر یونہی رومیلہ سے پوچھ لیا تھا۔

ادھر ادھر کی گپ شپ کے بعد جب بھابی کی امی اٹھ کر چلنے لگیں تو ایک بار پھر امی کو مخاطب کر بیٹھیں۔

"بہن......! اگر تمہیں میری بات بری لگے تو بے شک دل میں رکھے بغیر میرے منہ پر ہی کہہ دینا مگر میں بھی خدا لگتی ہی کہوں گی کہ چھوٹے موٹے ازدواجی جھگڑے تو گھریلو زندگی کا حصہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر ہو سکے تو عزمی کو سمجھا بجھا کر واپس اس کے گھر بھیج دینا۔ چونکہ بیٹیاں تو بادشاہ بھی گھر نہیں بٹھا سکتے اور کامران میاں تو پھر......" امی اپنی جگہ بت بنی رہ گئیں اور عزمی تو کھڑے کھڑے ذلت کے گڑھے میں اتر گئی تھی، چھن سے جیسے اس کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا تھا۔

کاش وہ واپس جا سکتی!

اور اگر ایسا ہو سکتا......

تو وہ ایک بھی لمحہ کی تاخیر کیے بغیر لوٹ جاتی، ساس نندوں کے دل میں تو ڈول ڈالنا نہیں تھا اسے۔ تو کیا اکیلے تیمور میاں کو بھی اپنا گرویدہ نہ بنا سکی۔ الفاظ نہیں تھے گویا بھاری پتھر تھے جو عزمی کی سماعت پر برس رہے تھے۔ امی زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"بس بہن! سب نصیبوں کی بات ہے۔"

"اور تم!" بھابی کی امی دفعتاً ان کی طرف مڑیں۔ "تم اب گھر کے کام دھندے چھوڑ کر اپنا خیال رکھا کرو ناں، آخر کس حال سے ہو، ماشاء اللہ چار چار نندیں ہیں۔ مل جل کر نمٹا لیا کریں گی سب کام۔" بھابی سر ہلا کر رہ گئیں۔

"اچھا بہن!" وہ امی کی طرف منافقانہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے آگے بڑھیں۔ "اب چلوں میں تم بھی نسرین کا خاص خیال رکھنا اگر سمجھو تو اب تو تمہاری اصل بیٹی تو نسرین ہی ہے۔" وہ جانے کیا جتانا چاہ رہی تھیں۔

"اس میں بھلا کیا شک والی بات ہے نسرین تو مجھے سب سے بڑھ کر عزیز ہے۔" امی نے سکون سے کہا اور جب خدا خدا کر کے بادل نخواستہ بھابی کی امی اور بہن گھر سے رخصت ہوئیں تو عزمی نے سکھ کا سانس لیا۔

اگلے ہی دو چار روز میں عزمی کے میکے آنے کی خبر خود بخود سردیوں کو خوش گوار دھوپ کی طرح سارے محلے پڑوس میں پھیل گئی، اور اس کے بعد آس پڑوس کی خواتین اور عزمی کی سہیلیاں اس سے ملنے کے لیے گھر آنا شروع ہو گئیں۔

مگر...... کس عزمی سے!!

یہ وہ عزمی تو نہیں تھی جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر دعاؤں کے سائے تلے اس کے پیا سنگ رخصت کیا تھا۔

''تو پھر یہ کون تھی؟''

زرد زرد، کمزور، پژمردہ، اور مرجھائی ہوئی۔

سادہ سا کاٹن کا پھولدار سوٹ پہنے، بڑی ساری سیاہ چادر لپیٹے، ڈھلے ہوئے سادہ سے چہرے کے ساتھ، اس کی آنکھوں میں کاجل کی کاٹ تھی اور نہ ہی لبوں پر شرخ رنگ ہنسی۔

''اے عزمی......!''

''جب دولہا بھائی کے بنا اس قدر اداس رہنا تھا تو بھلا آئی ہی کیوں تھی انہیں اس طرح چھوڑ کر'' اس کی سہیلی نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

''چھوڑ کر......؟'' عزمی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

''بھئی...... یہ اس قدر شکستہ دل ہے اپنے ''ان'' کے بغیر کہ اس وقت مذاق بھی سمجھنے کی پوزیشن نہیں ہے۔''

دوسری سہیلی نے چوٹ کی اور عزمی...... بس مسکرا کر رہ گئی۔

محلے کی بڑی بوڑھی خواتین اسے ملنے آتیں تو سر سے پاؤں تک ٹٹولتی ہوئی نظروں سے کرتیں۔ کچھ تو کہے بنا رہ ہی نہ سکتیں۔

''اسی لیے تو آج کل اتنی پیلی پڑی ہوئی ہے۔''

ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، ہار سنگھار بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا۔'' وہ عزمی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں کوئی اور نتیجہ اخذ کرتیں۔

''کن دنوں میں......؟''

عزمی الجھ سی جاتی اور پھر جب بات کی گہرائی تک پہنچتی تو ایک ٹھنڈی آہ بھر کے رہ جاتی، اور پھر عزمی نے اپنی عدت کے دوران ہی مختلف اخبارات میں ''ضرورت ہے'' کے اشتہارات کھنگالنے شروع کر دیئے تھے چونکہ اب آنے بہانے بھابی سب کے آگے روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی اور خرچے کی تنگی کا رونا رویا کرتی تھیں۔ حالانکہ کامران بھائی بہت اچھی پوسٹ پر تھے اور چالیس سے پچاس ہزار روپے ان کی ماہانہ انکم بن جایا کرتی تھی اور پھر گھر کا خرچہ بھی وہ زیادہ تر بھابی ہی کے ہاتھ میں دیا کرتے تھے، امی کو تو وہ ان کی ضروریات کے لیے الگ سے کچھ لگی بندھی رقم دیا کرتے تھے اور باقی سب بہنوں کو بھی پاکٹ منی کے نام پر کچھ نہ کچھ ضرور ملا کرتا تھا۔ تاہم عزمی کو جلد ہی اس احساس نے آ گھیرا تھا کہ اسے اپنے طور پر بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا مگر مشکل یہ تھی کہ وہ جس جگہ بھی انٹرویوز دینے کے لیے جاتی وہاں سب سے پہلے سوال یہ کیا جاتا۔

''جی تو کوئی تجربہ ہے آپ کے پاس اس کام کا؟'' اور جواباً عزمی چپ رہ جاتی، زندگی میں تجربات جمع کرنے کی مہلت ہی بھلا کب ملی تھی اسے!

''ماسٹرز کی ڈگری ہاتھ میں آتے ہی تو اسے پر کاٹ کر تیمور کے خوبصورت قفس میں رونق بکھیرنے کی خاطر چھوڑ دیا گیا تھا۔

اسے تو اس کے گھر والوں نے محض، سادگی، شرافت، اطاعت گزاری اور اپنی خدمت کے عوض دوسروں کا دل جیتنے کی تربیت دے کر، اپنا ہنر آزمانے کے لیے زندگی کے عملی میدان میں لا چھوڑا تھا۔ مگر تابعداری و جی حضوری کی یہ ٹریننگ اس کی عام زندگی میں کوئی خاص مثالی کردار نہ ادا کر سکی تھی، اور شاید تبھی وقت و حالات نے بڑی آسانی کے ساتھ اس کی پیشانی پر ایک ناکام عورت کا لیبل چسپاں کر دیا تھا۔

آخر کار تنگ آ کر وہ ایک دن موٹر ڈرائیونگ سکھانے والے ایک ادارے میں، جہاں وہ بطور

انسٹرکٹر، انٹرویو کے لیے آئی تھی، تجربے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہہ ہی بیٹھی۔

''دیکھیں جی......!'' جب ہر کوئی آپ کی طرح مجھ سے میرے تجربے کے بارے میں سوال تو کرے گا، مگر اپنے پاس رکھ کر کچھ سیکھنے کا موقع نہیں دے گا، تو تجربہ کہاں سے آئے گا؟ کیا کسی روز کوئی ماورائی مخلوق آسمان سے اتر کر، چپکے سے میرے سامنے تجربات کے سرٹیفکیٹس رکھ جائے گی؟'' وہ چہرے پر جھنجھلاہٹ کے نمایاں آثار لیے، پرس کندھے پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی، ظاہر ہے کہ یہاں بھی تجربے کے بغیر کوئی امید لگانا فضول ہی تھا۔

عزمی کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ انٹرویو لینے والے نے چونک کر اپنا سر اٹھایا اور عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے بغور اسے دیکھا۔

گندمی رنگت غصے اور جھنجھلاہٹ کی حد سے دہک رہی تھی۔

''پلیز...... بیٹھ جائیے۔'' عینک والے نے نرم لہجے میں عزمی کو مخاطب کیا دل نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً عزمی دوبارہ کرسی پر ٹک گئی، وہ گھر سے کچھ کر دکھانے کا عزم لے کر باہر نکلی تھی۔ اسے کسی کا دست نگر ہو کے رہنا پسند نہیں تھا۔ خواہ سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو، اسے کسی کا احسان لینا پسند نہیں تھا۔ وہ اپنا بوجھ خود ڈھونا چاہتی تھی اور اسی مقصد کے لیے اسے جاب کی سخت ضرورت تھی۔

''آپ کا ڈرائیونگ لائسنس ہے آپ کے پاس؟''

''جی...... اتفاق سے......'' عزمی نے فوراً...... پرس کھول کر اپنا ڈرائیونگ لائسنس باہر نکالا اور آگے بڑھا دیا۔

''گڈ......!'' عینک والے شخص نے اچھی طرح سے عزمی کا ڈرائیونگ لائسنس چیک کر کے اسے لوٹا دیا۔

''رش میں بھی کانفیڈنس کے ساتھ ڈرائیو کر لیتی ہیں؟'' عینک والے نے یونہی پوچھ لیا۔

''جی جی......! بالکل!'' عزمی جلدی سے بول اٹھی تھی۔ مبادا ذرا دیر کرنے پر کوئی سنہری موقع ہاتھ سے نکل جائے عینک والا اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''ملتان کے راستوں کا تو بخوبی علم ہوگا ہی آپ کو؟''

''جی بہت حد تک......!'' جاب ملنے کی امید نے عزمی کے دل کی دھڑکن تیز کر دی تھی۔

''چلیں خیر...... وہ تو کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔''

وہ جیسے خود کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا تھا۔ عزمی محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''ویسے ابتداء کے چند روز تک میں کسی ٹرینڈ لڑکی یا لڑکے کی ڈیوٹی آپ کے ساتھ لگا دوں گا، انشاء اللہ ہفتے کے اندر اندر آپ بآسانی اپنی ڈیوٹی سمجھ لیں گی۔''

''تھینک یو...... جاب ملنے کی خوشی عزمی کے چہرے پر طمانیت کا احساس بن کر پھیل گئی تھی۔ وہ اب پہلے سے زیادہ بااعتماد نظر آ رہی تھی۔

''شاید ابتداء میں تنخواہ آپ کو کچھ کم لگے لیکن اگر آپ نے محنت سے کام کیا تو اس میں اضافہ یقینی ممکن ہے۔''

''جی......؟''

''تو پھر کب سے تشریف لا رہی ہیں آپ؟''

''جب آپ کہیں۔'' عزمی دھیرے سے بولی۔

''کل صبح آٹھ بجے تشریف لے آئیے گا۔ چونکہ ہمارے ہاں خواتین زیادہ تر صبح کی شفٹ میں ہی کام کرنا پسند کرتی ہیں۔''

''جی بہتر......'' عزمی نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

''دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟ ابھی تو تمہاری عدت بھی مکمل نہیں ہوئی اور تم گھر سے باہر نوکری کی تلاش میں ماری ماری پھرنے لگیں۔'' امی نے جب عزمی کی ملازمت کا سنا تو خفا ہونے لگیں۔

''امی......! عدت شرعی لحاظ سے اس لیے بھی مکمل کرائی جاتی ہے کہ تاکہ اس وقفے میں معلوم ہو سکے کہ آیا اس عورت نے کہیں (Conceive) تو نہیں کیا ہوا ہے، اور یہ ان دنوں اس مرد کے بچے کی ماں تو نہیں بننے والی ہے جو کہ اب اس کا شوہر نہیں رہا۔ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہے کہ میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں۔'' عزمی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

"حد ہوگئی بھلا۔" یہ کیا بات ہوئی! ہم نے تو آج تک دنیا کا یہی چلن دیکھا ہے کہ جسے بھی طلاق ہو جائے یا جو عورت بیوہ ہو، اس پر عدت میں بیٹھنا لازم ہے۔ مگر تمہاری تو منطق ہی نرالی ہے۔ انگریزی پڑھائیوں نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ آج کل سب کا۔" امی نے سبزی بناتے ہوئے ناپسندیدگی سے عزمی کی طرف دیکھا۔

"مگر امی......! عدت میں بیٹھنے والی خواتین پر من وسلویٰ تو نہیں اترتا، اب اگر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھائی پر بوجھ بنی بیٹھی رہوں تو بھلا کیا فائدہ ہوا۔" وہ الماری سے اپنا ایک سادہ سا کاٹن کا سوٹ نکال لائی تا کہ بروقت استری کر کے رکھ دے اور صبح ملازمت پر جاتے وقت کوئی ٹینشن نہ ہو۔

"لیکن یہ کار ڈرائیوری والی بھلا کون سی نوکری ہوئی؟ اس سے تو اچھا تھا کہ تم کسی اسکول میں ٹیچر لگ جاتیں۔" امی نے سادگی سے کہا۔

"امی......! ٹیچنگ بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ اپنا دماغ گھول کر پلانا پڑتا ہے بچوں کو لیکچرز دو، کاپیاں چیک کرو، میٹنگز اٹینڈ کرو، سوالیہ پرچے بناؤ، امتحانی پرچے چیک کرو اس کے بعد رزلٹ تیار کرواور جب ایکسٹرا کری کلر ایکٹیوٹیز ہوں تو وہ پورا دن اسکول میں ہی گزار دو، ریہرسل کرواکے گھر آؤ تو ہوم ورک چیک کرنے والی کاپیوں کا ایک پلندہ ہمراہ ہو۔ گویا گھر آ کر بھی نجات حاصل نہ ہو اور پھر مہینے بھر اپنا لہو نچوڑنے کے بعد جب تنخواہ ہاتھ میں لو تو وہیں شرم سے زمین میں گڑھ جاؤ کہ بس یہی اوقات ہے اپنی......" عزمی نے قمیص استری کر کے ہینگر پر لگاتے ہوئے امی کی بات کا تفصیلی جواب دیا۔

"تو یہاں کون سا قارون کا خزانہ الاٹ ہو جائے گا تیرے نام پر؟" امی کا اشارہ ڈرائیونگ سکول کی طرف تھا۔

"نہ سہی۔" عزمی نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔ "لیکن کم سے کم کوئی تھرل، کوئی چارم تو ہوگا نا لائف میں۔"

اسی اثناء میں شبو آپا جو دھلے ہوئے کپڑے چھت پر بندھے تار پر ڈالنے کے لیے گئی ہوئی تھیں، وہ بھی آ کر امی اور عزمی کے مابین ہونے والی بات چیت سننے کے لیے کھڑی ہوگئیں۔

"دیکھا تم نے اسے؟" "کتنی خودسر ہوگئی ہے، ہر بات کا کیسے فوراً تنک کر جواب دیتی ہے۔" امی نے شبو آپا کو مخاطب کرتے ہوئے عزمی کے رویے کا شکوہ کیا۔ جب کہ عزمی سنی ان سنی کرتے ہوئے، بے نیازی سے اپنے کپڑے ہینگ کرنے چلی گئی تھی۔ تب شبو آپا نے دھیرے سے امی کو سمجھایا۔

"اسے بولنے دیں امی، اتنے عرصے کا جو زہر اس کے اندر بھرا ہوا ہے، وہ جب خارج ہو جائے گا تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گی، جیسے پھوڑے کا گندہ مواد نکال دیا جائے تو زخم بالآخر بھر ہی جاتا ہے۔ اسے بھی سکون مل جائے گا۔"

"خدا جانے کیسی آزمائش بھرے دن آ گئے ہیں! اور نہ جانے کتنا کچھ دیکھنا اور سہنا باقی رہ گیا ہے۔" امی نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔

"آپ حوصلہ رکھیں امی، رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شبو آپا، امی کے پاس بیٹھیں اور انہیں تسلیاں دینے لگیں۔ رات کو یہ مسئلہ کامران بھائی کے سامنے پیش کیا گیا۔

"کیوں عزمی؟ کیا ضرورت پیش آ گئی تمہیں ابھی سے جاب کرنے کی؟" بھائی نے بغور عزمی کی طرف دیکھا۔

"بس بھائی......! ایکچولی......اگر میں چند روز اور گھر میں یوں بے کار بیٹھی رہی تو شاید پاگل ہو جاؤں گی......" عزمی نے سر جھٹک کر دھیرے سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے بے چاری......ذرا گھر سے باہر نکلے گی تو دل بہل جائے گا کچھ اس کا۔" بھابی جو ننھے معاذ کو گود میں لیے قریب ہی بیٹھی تھیں۔ شاید کچھ کہنے کے لیے بے قراری سے پہلو بدل رہی تھیں۔ بالآخر بول ہی اٹھیں۔

"پکی بات ہے عزمی کہ تم یہ جاب محض اپنا ذہن بٹانے کی غرض سے کر رہی ہو یا کوئی اور بات ہے؟" عزمی کے حلق میں آنسوؤں کے نمکین گولے سے پھنس گئے۔ گلا رندھ گیا۔

"بھائی......بس میرا جی گھبراتا ہے۔"

عزمی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کامران بھائی تڑپ اٹھے اور اپنی جگہ سے اٹھ کر عزمی کے پاس آ بیٹھے اور نہایت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پتا ہے عزمی......! جس روز اباجی کا انتقال ہوا تھا نا۔ تو میں نے اسی روز یہ سوچ لیا تھا کہ آج باپ صرف میرا مرا ہے۔ یتیم صرف میں ہوا ہوں۔ اگر زندگی میں کبھی باپ کی شفقت کی کمی محسوس ہوگی تو صرف مجھے ہوگی، البتہ جو میرے چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ ان کے لیے باپ کا شفقت بھرا سائبان میں خود بنوں گا، انہیں زندگی میں کسی بھی قسم کی کمی کا احساس کبھی نہیں ہونے دوں گا۔ مگر بیٹے......! بعض اوقات جو کچھ انسان سوچتا ہے وہ ہو نہیں سکتا، اور پھر بیٹیوں کے مقدر کے آگے تو بڑے بڑے امرا، بادشاہ اور اولیا ہار جاتے ہیں، میں تو پھر تیرا ادنیٰ سا بھائی ہوں۔ کبھی میری کسی بات سے تیرا دل دکھی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔" اس لمحے کامران بے حد تھکے تھکے اور افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے۔

"تم مجھ پر بوجھ نہیں ہو۔ کوئی بھی بیٹی اپنے والدین کے کندھوں پر بوجھ نہیں ہوا کرتی۔ لیکن اگر تم واقعی محض اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے ملازمت کرنا چاہ رہی ہو تو میری طرف سے تمہیں اس کی اجازت ہے۔" اور عزمی جو اتنی دیر سے بھیا کی باتیں سن کر بے آواز رو رہی تھی یک دم اس کے شانے پر سر ٹکا کر بے تحاشا رونے لگی۔ تب کامران بھائی اسے ساتھ لگا کر دھیرے دھیرے تھپکنے لگے۔

اگرچہ اس وقت گھر کے سبھی افراد اس کمرے میں موجود تھے تاہم ماحول پر عجب سی افسردگی اور چپ کی چادر تنی ہوئی تھی۔ صرف عزمی کی دبی دبی سسکیاں فضا پر چھائے مہیب سناٹے سے نبرد آزما تھیں۔

"اوہ......یاد آیا......" دفعتہً نمرا چونک اٹھی سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"آج دوپہر خالہ کا فون آیا تھا۔ جو میں نے اٹینڈ کیا تھا۔ خالہ کہہ رہی تھیں کہ عینی آپی کے نکاح کے لیے ڈیٹ فکس ہو گئی ہے اور کل وہ بذات خود رسم نکاح میں شمولیت کا بلاوا دینے عفی بھائی کے ساتھ آئیں گی تو باقی تفصیلات وہ پھر بتائیں گی۔"

"عفی بھائی کے ساتھ؟" نشو نے جو کہ اپنی نوٹ بک پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی، بے یقینی سے سر اٹھا کر کی طرف دیکھا۔

"ہاں سوری! دراصل میں بتانا ہی بھول گئی تھی کہ آج کل بھائی اپنے گھر آئے ہوئے ہیں۔ انہ بطور اسسٹنٹ کمشنر جاب مل گئی ہے اور وہ اپنی ٹریننگ پر روانہ ہونے سے قبل دو چار روز کی چھٹی پر آئے ہوئے ہیں، اور شاید عینی آپی کے نکاح کے بعد ہی روانہ ہوں گے۔"

"اور اتنی اہم بات تمہیں اب یاد آئی؟ نمرا تم بھی بس...... بادام کھایا کرو تاکہ یادداشت بہتر ہو۔" نشو کے جھنجھلاہٹ بھرے لہجے نے امی کو چونکا دیا۔

"کیا ہوا نشو یہ بڑی بہن سے کیسے بات کر رہی ہو؟"

"کوئی بات نہیں امی......ہم آپس میں اچھی فرینڈز بھی تو ہیں۔" نمرا نے نشو کا فیور کیا۔

"سوری امی......مگر عفی بھائی کو کمشنر بننے پر مبارکباد دینے کے علاوہ ان سے ٹریٹ بھی تو لینا تھی۔ میں تو چلی عفی بھائی کو فون کرنے۔" وہ سب کو حیران پریشان بیٹھا چھوڑ کر فون کی سمت لپکی۔

"آئے ہائے......! کل خالہ اور عفی گھر آئیں گے مگر میں تو اپنے ماموں زاد کی شادی پر گئی ہوں گی۔" بھابی، خالہ اور عفی بھائی وغیرہ سے ملاقات نہ ہونے کے خیال سے خاصی بے تاب ہو رہی تھی۔

وہ جان بوجھ کر حیلے بہانے عفی اور عفی کے گھر والوں کے سامنے اپنے خاندان والوں کی برائیاں اور بطور خاص اپنی بہن رومیلہ کی خوبیاں کرتے نہ تھکتی تھیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی بہن رومیلہ جلد از جلد کسی طرح عفی کی دلہن بن جائے۔

☆......☆......☆

موسم رفتہ رفتہ بدل رہا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف نئے غنچے اور نئے شگوفے کھل رہے تھے۔ پرندے درختوں کی گھنی شاخوں پر اپنے گھونسلے بنا رہے تھے۔ عزمی نے دیکھا صحن میں لگے جامن کی سبز شاخوں پر طوطے کا جوڑا اور چڑیا کا گھرانہ آباد تھا۔ شاید بی چڑیا کا نیا نیا گھر بسا تھا۔ تبھی ہر وقت چڑا اس کے آگے پیچھے گھومتا رہتا تھا۔ جبکہ بی چڑیا کی گردن ایک عجب تفاخر سے ہر وقت تنی رہتی۔ شاید کسی کا پیار دل کو غرور سے اتنا پر کر دیتا ہے۔

کبھی کبھار چڑا صحن میں لگے واش بیسن کے اوپر نصب شیشے کے اوپر جا بیٹھتا اور پھر آئینے میں اپنے ہی عکس کو نادیدہ دشمن جان کر ٹھونگیں مارنے لگتا، شاید وہ اپنے سائے کو بھی کسی رقیب روسیاہ سے کم نہیں گردانتا تھا۔ محبت میں حسد، شدت پسندی اور بلا شرکت غیرے کسی کی ملکیت کے احساس کا جذبہ شاید چرند پرند میں بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ تبھی وہ ایک دوسرے کے جیتے جی کبھی جوڑے نہیں بدلتے۔

"کاش......میں بھی کوئی چڑیا ہوتی......" ایک انہونی سی خواہش نے عزمی کے دل میں سر ابھارا۔ مگر

عزمی کا نشیمن تو ریت کے گھروندے سے بھی بڑھ کر کمزور ثابت ہوا تھا۔

میں نے اک آشیاں بنایا تھا
اب بھی شاید وہ جل رہا ہو گا
تنکے سب خاک ہو چکے ہوں گے
اک دھواں سا نکل رہا ہو گا

عزمی اپنے گردو پیش سے بے خبر بس اپنے دھیان میں مگن بیٹھی پرندوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہی تھی کہ شبو آپی اتفاقاً آنکلیں،عزمی کے چہرے پر پھیلی اداسی اور آنکھوں میں چھپی حسرت انہیں بھی اداس کر گئی اور وہ ٹھٹک کر وہیں رک گئیں۔

''وقت کی آندھی، حالات کا طوفان اور بدبختی کے سیاہ ناگ ہر وقت ان معصوم پرندوں کی جان کے دشمن بنے ان کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ نہ جانے کتنی بار تنکے بکھرتے اور گھر ٹوٹتے ہیں،مگر یہ دوبارہ اپنے عزم وحوصلے یکجا کر کے پھر سے نیا گھر بسا لیتے ہیں۔تم بھی اگر چاہو تو حوصلے سے کام لے کر ایک نیا آشیاں بسا لو عزمی......''

''جی......؟؟''

عزمی بری طرح چونکی اور شبو آپا کو اپنے سامنے پا کر خجالت سے مسکرادی۔

''سوری......!میں بس یونہی پرندوں کی آپس میں اٹکھیلیاں دیکھ رہی تھی۔''

''بہار اپنی آمد کا خود بخود احساس دلا دیتی ہے۔ ہر طرف سبزے کا احساس اور کھلتے پھول دیکھ کر روح کی تھکن اتر جاتی ہے۔''شبو آپا بھی دھیرے سے مسکرادیں۔

''مگر دل کے مرجھائے پھول پھر کبھی نہیں کھلتے شبو آپی۔ پھر خواہ کتنی ہی بہاریں زندگی میں آئیں وہ بھی خوشیوں کے گلاب کھلائے بغیر، دبے قدموں آ کر گزر جاتی ہیں۔''

''جس کے من آنگن میں سدا کے لیے پت جھڑ کا موسم ٹھہر گیا ہو، وہ بھلا ان بہاروں کا کیا کرے۔

عزمی کا لہجہ نم آلود سا تھا۔

شبو آپی نے چونک کر نظر اٹھائی مگر پھر عزمی کے چہرے پر پھیلا ہوا سناٹا انہیں دور تک اپنے اندر اتر

ہوا محسوس ہوا وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہی تھیں کہ دروازے پر موٹر سائیکل رکنے کی آواز سنائی دی اور چند لمحوں بعد ہی صحن کا دروازہ کھلا اور عفی کے ہمراہ خالہ، ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لیے نمودار ہوئیں۔

''ارے میری عزمی بھی آئی ہوئی ہے اور کسی نے مجھے بتایا تک نہیں۔'' خالہ نے آگے بڑھ کر بڑے پیار سے عزمی کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کے اس کی پیشانی چومی،عزمی نے دیکھا کہ خالہ کے پیچھے کھڑا عفی بڑی گہری نظروں سے اسی کا جائزہ لے رہا تھا۔عزمی بے ساختہ جھینپ کر مسکرادی۔

''کیسے ہو عفی؟''اس نے محض اس کی نظروں سے بچنے کو یونہی پوچھ لیا تھا۔

''بس تمہارے سامنے ہوں۔''اس نے شرارت سے شانے اچکائے اور بھرپور انداز سے مسکرادیا۔

شبو آپی خالہ کو لیے اندر کمرے میں امی کے پاس چل دیں۔ جہاں وہ لکڑی کے بڑے سے تخت پر چادر بچھائے نمرا کو قمیص کی ڈرافٹنگ اور کٹنگ سکھا رہی تھیں۔ خالہ کے پیچھے پیچھے عزمی اور عفی بھی ہمراہ تھے۔

''بہو نہیں ہے گھر میں؟'' خالہ نے نسرین بھابی کا پوچھا۔

''نہیں......وہ آج اپنے کزن کی شادی پر گئی ہیں۔''شبو آپا نے چلتے چلتے بتایا۔

''تم کب آئیں عزمی؟'' کافی کمزور لگ رہی ہو؟'' خالہ نے ایک بار پھر بڑے غور سے عزمی کے چہرے پر جانے کیا کھوجنے کی کوشش کی۔''

''کافی دن ہو گئے مجھے تو آئے ہوئے۔''عزمی نے نظر چرا کر گول مول جواب دیا۔خالہ نے مٹھائی کا ڈبہ شبو آپا کو تھمایا تو اچانک عزمی کو یاد آیا۔

''مبارک ہو خالہ،عینی کا رشتہ طے ہونے اور عفی کو جاب ملنے کی۔''

''خیر مبارک......خیر مبارک......''وہ خوش دلی سے ہنس دیں اور امی جو خالہ کو دیکھتے ہی بے اختیار آگے بڑھی تھیں۔انہیں گلے لگا کر ملنے لگیں۔نمرا بھی خالہ کو سلام کرنے کے بعد قینچی اور کپڑے سمیٹ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی سب لوگوں کے بیٹھنے کے بعد شبو آپی نے کچن کا رخ کیا ہی تھا کہ عزمی اٹھ کر ان کے پیچھے آ گئی۔

''آپ جا کر سب کے ساتھ بیٹھیں شبو آپی۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''عزمی نے زبردستی انہیں

کچن سے واپس کر دیا اور خود چائے کے پانی کی کیتلی چولہے پر چڑھا کر الماری سے برتن نکالنے لگی، سموسے اور کباب شاید فریزر میں ختم ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس نے شیشے کے جار میں پڑی نمکو اور کوکونٹ بسکٹ ہی چائے کے ساتھ سرو کرنے کو نکال لیے اور ایک پلیٹ میں وہ لڈو بھی رکھ لیے جو خالہ اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں۔ چائے دم دے کر وہ تھرموس میں ڈال ہی رہی تھی کہ عفی بے تکلفی سے اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔

"ہیلو پارٹنر......! کیا ہو رہا ہے؟" وہ بچپن سے آج تک اسے اسی انداز میں مخاطب کرتا چلا آیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں، بس چائے دم دے رہی تھی۔" عزمی نے سرسری جواب دیا۔

عفی نے آگے بڑھ کر بے تکلفی سے پلیٹ میں سے بسکٹ اٹھالیا۔

"تمہارے میاؤں کیسے ہیں؟"

"پتا نہیں...... ٹھیک ہی ہوں گے۔" عزمی نے پشت موڑ کر خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔ عفی اس کے اس نامانوس سے انداز پر چونک کر اس کے سامنے آ گیا۔

"ذرا ادھر دیکھو......! سچ بتانا عزمی! کیا تم گھر سے ناراض ہو کر نکلی ہو؟" وہ سچ مچ پریشان ہو اٹھا تھا۔

"نہیں...... ناراضگی کا بھلا کیا سوال؟"

"میرا مطلب ہے کہ کوئی لڑائی جھگڑا وغیرہ تو نہیں ہوا تمہارا اس روز گھر میں؟" عفی عزمی کے پراسرار سے انداز پر الجھ سا گیا تھا۔

"اب تو سارے جھگڑے ہی ختم ہو گئے ہیں۔" عزمی دکھ سے مسکرائی۔

"کیا مطلب......؟" عفی کچھ سمجھا نہیں۔

"مجھے طلاق ہو چکی ہے عفی۔" عزمی نے سکون سے جواب دیا۔

"کیا......؟"

شاید ساتوں آسمان بھی اوپر ڈھے جاتے تو اتنا فرق نہ پڑتا، جتنی شدید حیرت کا جھٹکا عفی کو عزمی کی بات سن کر لگا تھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا عزمی......!" عفی کے لبوں سے ایک سرگوشی سے آزاد ہوئی۔

وہ ہاتھ میں پکڑے بسکٹ کا بائٹ لینا بھی بھول گیا تھا۔ بس ٹکر ٹکر عزمی کو ہی دیکھے گیا۔ جو اس وقت بڑے نارمل سے انداز میں چینی دان میں چینی نکال رہی تھی۔

"ہوں......!" عفی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"تم سے ایک ریکویسٹ ہے عفی؟"

عزمی دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ عفی نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب تک میرے گھر والے ازخود اس واقعے کی تشہیر نہ کرنا چاہیں پلیز تم بھی کسی سے واقعے کا ذکر نہ کرنا۔" عزمی کی نظروں میں خاموش التجا تھی۔

"مگر کب تک......؟؟" یہ کوئی چھپنے والی بات نہیں ہے عزمی۔" عفی نے اسے سمجھانا چاہا۔

"پلیز...... پلیز عفی......" عزمی نے ایک التجائیہ نگاہ عفی پر ڈالی۔

چند لمحے دونوں کے درمیان ایک نامعلوم سی خاموشی حائل رہی۔

"او کے...... جیسے تمہاری مرضی" بالآخر عفی نے ہتھیار ڈال دیے۔

"تھینک یو......" عزمی نے دھیرے سے کہا اور چائے کی ٹرے لیے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی چلی گئی۔

سب لوگ نہایت خوش گوار ماحول میں چائے پی رہے تھے ہلکی ہلکی گپ شپ بھی جاری تھی۔ مگر جانے کیوں عفی کچھ کھویا کھویا اور چپ سا تھا۔

"جی تو عفی بھائی......! آپ کب ٹریٹ دے رہے ہیں اپنے اسسٹنٹ کمشنر بننے کی خوشی میں۔" نمرا نے اچانک ہی اسے مخاطب کر لیا تو وہ بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم جب کہو۔" عفی دھیرے سے مسکرا دیا۔

"بس میری انہی دو چار چھٹیوں میں پروگرام بنالو اور ڈیسائیڈ کر لو کہ کہاں چلنا اور کیا کھانا ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے، ذرا نشو کالج سے آ جائے تو پھر پروگرام بنا کر آپ کو فون کر دوں گی۔" نمرا نے

کہا۔

اس روز خالہ جاتے ہوئے سب کو بار بار نکاح والے روز جلدی گھر آنے کی تاکید کرتی رہیں۔

☆......☆......☆

عزمی عصر کی نماز پڑھ کر ابھی فارغ ہی ہوئی تھی کہ نشو مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اندر داخ ہوئی۔ اندرونی جوش اس کے چہرے پر مسرت بن کر چمک رہا تھا۔ ''آپ ذرا باہر آ کر تو دیکھیں، کی زبردست خبر آپ کی منتظر ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر لانے لگی۔ عزمی حیران تھی کہ آخر ایسی کیا با ہے۔ بالآخر نشو حیران پریشان عزمی کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ گھر کے دروازے سے باہر لے آئی

جہاں سامنے ہی نئی چمچماتی کرولا کھڑی تھی اور ساتھ ہی سادہ شلوار سوٹ میں تیمور کا ڈرائیور کھڑا مس رہا تھا۔ جب کہ کامران بھائی اور بھابی سمیت گھر کے دیگر افراد بھی وہیں موجود تھے۔

''سلام عزمی بی بی......!'' ڈرائیور بتیسی چمکا کر بولا۔

''تیمور صاحب کا حکم تھا کہ یہ گاڑی آپ تک پہنچا آؤں۔ گاڑی کے مکمل کاغذات میں نے بھ صاحب کو دے دیے ہیں۔'' اس نے کامران بھائی کی طرف اشارہ کیا اور کار کی چابی عزمی کی طر بڑھائی۔

''اب مجھے اجازت۔'' وہ مودب ہو کر ایسے عزمی سے پوچھ رہا تھا۔ جیسے اب بھی عزمی کا ذاتی ملا ہو اور عزمی ہی ابھی تک اس کی بیگم صاحبہ ہو۔

''اب واپس اسلام آباد کے لیے جاؤ گے؟'' عزمی نے یونہی پوچھا۔

''نہیں جی......! یہاں سے فلائنگ کوچ پکڑ کر سیدھا پہلے لاہور جاؤں گا۔ چونکہ صاحب نے ہوئے دس دن کی چھٹی بھی دی تھی کہ کچھ دن لاہور رک کر اپنے گھر گزارتے آنا۔'' وہ اس چھٹی کے تہہ دل سے تیمور کا مشکور نظر آ رہا تھا۔ عزمی چپ چاپ کھڑی تھی۔

''جاؤں جی......'' وہ براہ راست عزمی کے حکم کا منتظر تھا۔

عزمی نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔

تب وہ کامران بھائی سے ہاتھ ملاتا اور سب کو سلام کرتا واپس ہو لیا۔

عزمی نے یونہی بے خیالی میں گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ایک ریشمی سا احساس جیسے اس کے رگ وپے میں اتر گیا۔ مگر ساتھ ہی اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

سونا نہ چاندی، نہ کوئی محل جان من!
تجھ کو میں دے سکوں گا
پھر بھی یہ وعدہ ہے تجھ سے
تو جو کرے پیار مجھ سے
چھوٹا سا گھر تجھ کو دوں گا
دکھ سکھ کا ساتھی بنوں گا

ایک مانوس سی آواز گزرے وقتوں سے نکل کر عزمی کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ جانے کیوں بے کل سی ہو اٹھی۔

عزمی نے تو خود کو حریر و کمخواب کے جزدان میں لپیٹ کر سونے کی بیش قیمت تابوت میں دفن کر دیا تھا۔

ٹے سے گھر کی تمنا اسے تھی ہی کب؟؟

دولت اور روپے پیسے کی چکا چوند از خود بہت سارے مسائل حل کر دیتی ہے بلکہ چھوٹے موٹے سائل تو پیدا ہی نہیں ہونے دیتی۔ یہی اس کا مطمع نظر تھا۔

اور پھر......

وہ چار کنال کا گھر جسے عزمی نے اپنی ذاتی کوششوں سے ہنستی بستی جنت میں تبدیل کرنا چاہا تھا۔ وہ ی اس کے لیے محض ریت کا محل ثابت ہوا تھا۔

دکھ اور اذیت کے ایک دھوئیں نے جیسے عزمی کے سارے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا اور پھر ل کھڑے کھڑے یک دم اس کا دم سا گھٹنے لگا۔ آنکھیں جل اٹھیں اور وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اب عزمی ، لیے بیش قیمت کار کا تحفہ بھجوا کر تیمور بھلا کیا جتانا چاہ رہا تھا۔

رفاقت کے جتنے حسین پل عزمی نے اس کے ساتھ گزارے تھے کیا یہ ان کا معاوضہ تھا!!

بارہ تیرہ لاکھ کی یہ کار......

یہ قدروقیمت تھی عزمی کے خلوص ومحبت کی۔

بس اتنی ہی اوقات تھی اس کی۔

اور جو کچھ عزمی نے اس کی نذر کیا تھا۔

اپنی بے داغ ہیرا سی جوانی،

چاندی سا تن،

رفاقت کے کتنے ہی ناقابل فراموش حسین پل

محبت کی گرمی

خلوص کی نرمی

چاہت کی چاشنی

کیا وہ سب کچھ قابل واپسی تھا؟

وہ بھی سامنے کھڑی ہوئی اس کار کی شکل میں!! عزمی خود پر زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆......☆......☆

عینی کے نکاح والے روز خالہ کے گھر میں کافی رونق تھی ہر طرف رنگین آنچل سرسرا رہے تھے۔ ہر سو رنگ ونور کا ایک سیلاب امڈ پڑا تھا۔ عینی ابھی بیوٹی پارلر سے دلہن بن کر آئی تھی اور اسٹیج پر بیٹھی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسی اثناء لڑکے والے بھی آچکے تھے اور ہر طرف ایک گہما گہمی کا عالم تھا۔

نسرین بھابی اور شبو آپا نمرا اور نشو سمیت نہ جانے کون سی مصروفیات میں الجھی ادھر سے ادھر اڑی پھر رہی تھیں۔ عزمی البتہ ایک کونے میں پڑی کرسی پر تمام ہنگاموں سے دور سب سے الگ تھلگ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

نکاح کے بعد مبارک سلامت کا ایک شور مچ گیا۔

حاضرین میں چھوہارے تقسیم ہونے لگے۔

مگر.................

عزمی کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا۔

نکاح.................

بظاہر کتنا مضبوط بندھن

جو دو اجنبیوں کو ایک ہی ڈوری میں پرو دیتا ہے۔

اور..................

درپردہ کچے دھاگے سے بھی زیادہ نازک رشتہ

جو چٹخنے اور ٹوٹنے کے لیے ایک ہلکی سی ضرب کا منتظر ہوتا ہے۔

گر ایک بار یہ لڑی ٹوٹ جائے تو پھر......

اعتماد کے یہ موتی ہمیشہ کے لیے

دکھ اور بے یقینی کی مٹی میں مل جاتے ہیں۔

اور پھر کبھی دوبارہ یکجا نہیں ہو پاتے۔

نکاح کے بعد جب دلہا آکر اسٹیج پر دلہن کے برابر بیٹھ گیا تو پھر دیگر رسوم کا آغاز ہوا۔ نسرین بھابی اسٹیج پر دلہا دلہن کے پاس سجی ہوئی مٹھائی کی پلیٹ لے کر بیٹھ گئیں۔

باری باری خوش باش سہاگنیں آتیں اور ذرا ذرا سی مٹھائی دونوں دلہا، دلہن کو چکھاتیں اور ہنسی مذاق کرتیں، مسکراتیں، اٹھلاتیں ایک طرف ہٹ جاتیں ایسے میں جانے کس کو عزمی کا خیال آیا تھا کہ یکایک اس کے نام کی پکار پڑ گئی۔

”کہاں ہو عزمی......؟“

”ہاں ہاں......عزمی بھی تو سہاگن ہے۔“

”مگر وہ ہے کہاں؟“

”بلاؤ اسے بھی......“

”یہاں آکر سہاگنوں والا شگن پورا کرے۔“

''تم اس نیم تاریک کونے میں کہاں چھپی بیٹھی ہو عزمی!!''

''جلدی آؤ تم بھی دلہا دلہن کا منہ میٹھا کراؤ۔'' رشتے کی ایک کزن عزمی کا زبردستی ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ اٹھالے گئی۔ سہاگنیں دلہن کے کاموں میں نیک شگون کے طور پر بڑھ چڑھ کر اس لیے حصہ لیتی ہیں تاکہ دلہن انہی کی طرح خوش وخرم اور مرتے دم دائم وآباد سہاگن بنی رہے۔

لیکن عزمی......عزمی بھلا کہاں اب سہاگن رہی تھی۔ بلکہ اگر تمام شرکائے محفل کو اس کی طلاق کا علم ہو جاتا تو شاید کوئی بھی اس کا منحوس سایہ دلہن پر نہ پڑنے دیتا۔ اگرچہ وہ سب بے خبر تھے مگر عزمی کو تو پورا علم تھا تبھی ایک قدم آگے بڑھاتی تو دو پیچھے ہٹاتی۔

''آؤ نا......'' کزن نے عزمی کو اسٹیج کی طرف کھینچا۔

عزمی نے بے بسی سے بھابی کی سمت دیکھا جو اپنی جگہ دم بخود کھڑی تھیں اور عزمی کو مرے مرے قدموں سے دلہا دلہن کی طرف آتا دیکھ رہی تھیں۔

امی بھی چونک کر ادھر ہی متوجہ ہو گئیں اور تو اور عفی جو کسی کام سے اچانک اس طرف آنکلا تھا۔ سب کچھ بھول بھال کر عزمی کو مٹھائی کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ رہا تھا۔

ایک طلاق یافتہ کے ہاتھ سے نئے دولہا دلہن کی کوئی رسم یا شگن انجام پائے اس سے بڑھ کر بھلا اور بدشگونی ہو گی......

پلیٹ میں پڑی گلاب کی پتیوں کے درمیان رکھی ہوئی گلاب جامنوں میں سے ایک اٹھاتے ہوئے نہ جانے کیوں عزمی کے ہاتھ لرز رہے تھے......

کیا عزمی اس مبارک موقع پر یہ بدشگونی کر گزرے گی!!

عزمی جیسی سمجھ دار لڑکی سے ایسی حماقت کی امید تو نہیں۔ بھابی نے بے یقینی سے سوچا اور عزمی کی طرف دیکھا۔ جو اپنا گلاب جامن والا ہاتھ دھیرے دھیرے دلہن بنی ہوئی عینی کے منہ کی طرف بڑھا رہی تھی......کہ دفعتاً......!!

☆......☆......☆

ازراہ کرم! سگریٹس بجھا کر اپنی سیٹ بیلٹس باندھ لیجیے......'' ایئر ہوسٹس کی آواز لیزا کے تصور میں

تیمور کو خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

تیمور نے چونک کر سامنے دیکھا جہاں ایئر ہوسٹس مسافروں کو ایمرجنسی میں آکسیجن ماسک کے استعمال کا طریقہ سکھا رہی تھی۔

جہاز اس وقت برق رفتاری کے ساتھ رن وے پر دوڑ رہا تھا اور جہاز کا معاون پائلٹ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ سفر کی دعا پڑھ رہا تھا۔

رن وے کی پٹی کے آخری سرے سے آخرکار پین ایم کا دیوہیکل طیارہ فضا میں ایک جھٹکے سے بلند ہوا۔

تیمور بے حد خوش تھا۔ آج کتنی کوششوں کے بعد کمپنی کی طرف سے تیمور کو امریکہ جانے کے لیے چھٹی ملی تھی اور وہ یہ چھٹیاں لیزا کے ساتھ بڑے بھرپور انداز میں منانا چاہتا تھا۔

لیزا جو اس کی نس نس میں زندگی کی لہر بن کر دوڑ رہی تھی۔ اتنے عرصے بعد اسے اپنے سامنے پاکر وہ کتنی حیران ہو گی اس کی نیلی آنکھوں میں ہلکورے لیتی خوشی ہی کو دیکھنے کے لیے تو اس نے اتنا لمبا سفر طے کرنے کا یکدم ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

مگر ممی کو ابھی تک اس نے اپنی امریکہ آمد کے بارے میں اطلاع نہیں دی تھی، لیکن جب وہ اچانک جا کر ممی کے فلیٹ پر بیل دے گا تو وہ کتنی خوش ہوں گی اسے سامنے پا کر۔

ہاں عزمی کے بارے میں بھی ضرور پوچھیں گی۔ مگر اب وہ سب کچھ سچ بتا دے گا......کچھ نہیں چھپائے گا ممی سے۔

ٹرالی پر رکھے لوازمات سرو کرنے کے بعد ایئر ہوسٹس اپنے کیبن کی طرف چلی گئی تھی۔ رات کا وقت تھا، جہاز کے اندر تیز روشنیاں بجھا کر نائٹ بلب آن کر دیئے گئے۔ اکثر مسافر اپنی سیٹوں پر نیم دراز اونگھنے میں مصروف تھے۔ پرواز بڑی ہموار تھی۔

نیم تاریک اور پرسکون ماحول ایک بار پھر تیمور کو لیزا کے پاس آنکھیں بند کر کے پہنچ جانے پر مجبور کرنے لگا۔

ایک ایئر ہوسٹس مسافروں کو اوڑھنے کے لیے کمبل فراہم کر رہی تھی اور وہ تیمور کو بھی سوتا جان کر

دھیرے سے کمبل اوڑھا گئی۔
نرم گرم ماحول میں تیمور کو آنکھیں بند کیے لیزا ہی کے تصور میں گم ہوئے رہنا اچھا لگ رہا تھا اور پھر نہ جانے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوگئی۔
مگر یکدم ہی کسی وجہ سے اس کی نیند کا خمار ٹوٹا تھا۔ شاید کوئی جھٹکا لگا تھا...... یا کچھ اور وجہ تھی...... کہ پین ایم کی پرواز کسی وجہ سے شدید ناہمواری کا شکار ہو رہی تھی۔
جہاز ہوا کے زور پر کسی سوکھے پتے کی طرح ڈول رہا تھا۔ اچانک ایک زوردار جھٹکا لگا اور ساتھ ہی جہاز کی تمام روشنیاں گل ہوگئیں۔ مسافروں میں عجیب افراتفری بے یقینی اور سراسیمگی کی کیفیت پھیل ہوئی تھی۔
جہاز کے عملے کی ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ بوکھلاہٹ کے عالم میں بار بار اپنی سیٹوں سے اٹھ رہے تھے اور چلا چلا کر جہاز کو لگنے والے ان جھٹکوں کا سبب پوچھ رہے تھے۔ تبھی ایک کمزور اعصاب کا مالک، مسافر اپنی جگہ سے اٹھ کر ہذیانی انداز میں چیخا۔
''بھائیو! اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو بے شک عملے کے اراکین ہمیں صحیح صورتحال نہیں رہے مگر ہم سب ناگہانی موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔''
تب جہاز کے کیپٹن نے مسافروں سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے حواس پر قابو رکھیں اور جہ کے عملے کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے پرسکون رہنے کی کوشش کریں۔
جہاز دراصل ایک ایئر پاکٹ کی زد میں آ کر پھنس چکا ہے اور یہ جھٹکے اسی وجہ سے لگ رہے ہیں اگرچہ جہاز کو اس وقت موسم کی خرابی کے علاوہ شدید طوفانی ہواؤں کا بھی سامنا ہے۔ تاہم خداوند تعالیٰ بھروسہ رکھتے ہوئے امید کی جا سکتی ہے کہ جلد ہی اس مشکل پر قابو پا لیا جائے گا۔ مگر جیسے ہی پائلٹ اپنی بات ختم کی جہاز کو اچانک ایک اور شدید جھٹکا لگا۔ ایئر ہوسٹس کی ٹرالی پر رکھے لوازمات اور برتن جہ کے فرش پر گر کر بکھر گئے، مسافروں کا سامان بھی ادھر ادھر جا پڑا۔ کسی کو سنبھلنے کی مہلت نہیں مل رہی تھی پھر یکدم ہی محسوس ہوا کہ جہاز نیچے ہی نیچے کی طرف جیسے کسی گہری کھائی میں اتر رہا ہے۔
مسافروں کے چہرے دہشت سے سفید پڑ چکے تھے اور وہ سب اپنے اپنے پیاروں کے نام ۔۔

ایک دوسرے کو پکار رہے تھے۔ ایک قیامت صغریٰ کا سا منظر برپا تھا۔ لوگوں کی چیخ و پکار میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔
خود تیمور کا بھی دہشت اور صدمے سے برا حال تھا۔ بس اتنی ہی زندگی تھی اس کی!!
اس نے بے بسی کے عالم میں سوچا اب لیزا کو جا کر یہ کون بتا پائے گا کہ ایک ایشیائی اس سے ملنے کی تمنا دل میں بسائے ہزاروں میل کا سفر طے کرنے کو جہاز میں سوار ہوا مگر لیزا کی گداز بانہوں کی بجائے موت کے بھیانک پنجے نے اسے راستے ہی میں جھپٹ لیا تھا۔
پین ایم کا یہ دیوہیکل طیارہ مسافروں کے لیے کسی چوہے دان سے کم ثابت نہیں ہوا تھا۔ موت کی طرف بڑھتے اس پنجرے میں مسافر بے بسی سے پھڑپھڑا رہے تھے اور ان سب کی کیفیت سے بے خبر جہاز جیسے کسی اندھے کنویں میں اتر رہا تھا۔
نیچے......اور نیچے...... نیچے ہی نیچے......
اور پھر یکا یک جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا......

☆......☆......☆

جہاز ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور پھر دھیرے دھیرے خود بخود ہوا میں بلند ہونے لگا جیسے کسی غیبی ہاتھ نے اسے سنبھالا دیا ہو۔
''تھینکس گاڈ!'' مائیک پر معاون پائلٹ کی آواز ابھری۔ ''ہم سب موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچ گئے، ہمارا طیارہ طوفانی ہواؤں کی زد سے باہر نکل آیا۔ یقیناً دستِ قدرت ابھی ہم سب کو زندہ رکھنا چاہتی ہے۔'' اس اعلان کے ساتھ ہی جہاز کے مسافروں میں حقیقتاً زندگی کی لہر دوڑ گئی۔
''ہرا......ا......ہو......وو......و۔'' کچھ لوگ بے ساختہ حلق سے لایعنی آوازیں نکال کر کھلم کھلا اظہار مسرت کرنے لگے، جبکہ چند لوگ آنکھوں میں آئے تشکر کے آنسوؤں کو اپنی انگلی کی پوروں سے سمیٹ رہے تھے، جہاز کا عملہ مستعدی سے ایک بار پھر مسافروں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوگیا تھا، اسی اثناء میں مائیک پر دوبارہ پائلٹ کی آواز گونجی: ''لیڈیز اینڈ جنٹلمین! اس وقت ہمارے طیارے کا رخ جرمنی کے شہر فرینکفرٹ کی طرف ہے، چونکہ ہوا کے تیز دباؤ کے باعث جہاز کی باڈی، بالخصوص کچھ حصوں

کوشدید نقصان پہنچا ہے لہٰذا اسی طیارے پر اب مزید آگے سفر جاری رکھنا، ہمارے لیے ممکن نہیں رہا، چنانچہ فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر اتر کر ہی اب جہاز کی مرمت و دیکھ بھال کے بعد یہ فیصلہ کیا جاسکے گا کہ پین ایم کی یہی پرواز آپ کو امریکہ تک لے کر چلے گی یا پھر یہاں سے کوئی دوسری فلائیٹ آپ کی میزبانی کے فرائض انجام دے گی، اس ضمن میں آپ کو جو زحمت ہوگی، اس کے لیے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ آپ کا بقیہ سفر آرام دہ اور خوشگوار گزرے گا۔ شکریہ۔''

پرواز ہموار اور ماحول سازگار تھا۔ چنانچہ تیمور نے مشروب سے لبریز گلاس اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔

''میں تو کب کا تم پر فدا ہو چکا ہوں لیزا...... اب بھلا تمہارا دیوانہ، تمہاری بانہوں کے علاوہ کہیں اور مرسکتا ہے؟'' اس نے مطمئن انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی اور دھیرے دھیرے گھونٹ بھرنے لگا، لیزا کی ہوشربا قربت کے تصور نے مشروب کو مزید فرحت افزا بنا دیا تھا، مگر پھر بھی پیاس تھی کہ بجھنے کی بجائے اور بھڑکتی جارہی تھی۔

جرمنی پہنچ کر ایک بار پھر پائلٹ کو صورتحال کی نزاکت کا احساس ہوا جب ہزار کوششوں کے باوجود بھی جہاز کے پہیے کھل کر نہ دیئے، جہاز کا فرض شناس عملہ ایک مرتبہ پھر مسافروں کو بیلی (Belly) لینڈنگ کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔ مگر طیارے میں سوار لوگوں پر سخت سراسیمگی کی کیفیت طاری تھی۔

''دیکھ لینا......! یہ طیارہ ہم سب کا مدفن بن کر ہی رہے گا۔'' کمزور اعصاب والا بوڑھا خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

فرینکفرٹ ایئر پورٹ کی بتیاں نظر آنے لگی تھیں اور جہاز کے اندر سبھی کے دلوں کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ مسافروں کے چہروں پر متوقع موت کی زردی کھنڈی ہوئی تھی، اگرچہ عملے کے اراکین سب کو تسلیاں تو دے رہے تھے مگر انہیں اس کوشش میں بار بار اپنے خشک اور پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیرنا اور تھوک نگلنا پڑ رہا تھا۔

لمحوں کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا......

جہاز نے ایئر پورٹ کی فضا کے اوپر ایک لمبا چکر کاٹا اور کچھ نیچے اتر آیا، روشنیاں مزید قریب آ

تھیں، پائلٹ کا کنٹرول ٹاور سے مسلسل رابطہ تھا اور وہ ادھر سے ملنے والی ہدایات پر پوری طرح کاربند تھا۔ حتیٰ کہ رن وے کی پٹی نظر آنے لگی اور پھر جہاز زن سے ایئر پورٹ کی پٹی چھوتا ہوا دوبارہ تیزی سے اوپر اٹھ گیا۔ لوگوں کی چیخیں حلق کے اندر گھٹ کر رہ گئی تھیں، پائلٹ نے جہاز اتارنے کی کوشش کی مگر بے سود، بالآخر تیسری کوشش میں جہاز ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ رن وے پر گھسٹتا ہوا کچھ دور جا کر رک گیا۔

ہنگامی صورتحال کے پیش نظر ایمبولینس اور آگ بجھانے والی گاڑیاں وہاں پہلے سے موجود تھیں جنہوں نے فوراً ہی جہاز کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے کسی ایک مسافر کو بھی معمولی سی خراش تک نہیں پہنچی تھی اور جہاز لینڈ کر چکا تھا، ایک عمر رسیدہ خاتون اپنے ساتھی سے پرجوش لہجے میں مخاطب ہوئی۔

''دیکھ لوہنی! میں نہ کہتی تھی کہ معجزے بھی تو اسی دنیا میں رونما ہوتے ہیں، تاکہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور کرشمہ سازی پر لوگوں کا ایمان سلامت رہے، موت کی دسترس سے یوں آج ہمارا بچ نکلنا بھی ایک معجزہ ہی تو ہے۔'' اور اس کا ساتھی اس کی بات سے متفق ہو کر سر ہلانے لگا۔

ایک سرنگ نما گیلری جہاز کے ساتھ آ کر لگ گئی اور تب ایک ایک کر کے تمام مسافر اس گیلری کے راستے ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہو گئے۔ ضروری ابتدائی کارروائی کے بعد تمام مسافر لاؤنج میں چلے آئے، کچھ لوگوں نے وہاں پڑے صوفوں پر جگہ سنبھال لی، جبکہ کچھ لوگ منی ایکس چینجر کے پاس جا کر ڈالر کے بدلے جرمن مارک لے رہے تھے، تاکہ اگر کوئی چیز پسند آ جائے تو خرید سکیں، چند افراد آٹو میٹک مشین میں سکے ڈال کر اپنے لیے کولڈ ڈرنکس، اور چائے یا کافی کے کگ بھر رہے تھے، غرضیکہ ہر طرف ایک گہما گہمی کا عالم تھا، لوگ گزشتہ کئی گھنٹوں تک جہاز میں جس ذہنی اذیت کا شکار رہے تھے، اسے بھلا کر اور موت کے خونی پنجے سے چھٹکارے کے بعد نئی زندگی کی نوید کو انجوائے کر رہے تھے۔ تبھی کچھ منچلوں نے ڈیوٹی فری شاپس کا رخ کیا اور کچھ نے یونہی وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر چہل قدمی شروع کر دی، لیکن اکثریت کا رخ ٹیلی فون بوتھ کی جانب تھا، تاکہ اپنے گھروں میں تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کر سکیں۔

تیمور نے بھی کافی مشین میں سکہ ڈال کر اپنے لیے کافی کا مگ بھرا اور قریبی ٹیلی فون بوتھ کا رخ سکہ ڈال کر نمبر گھمایا اور لیزا کی رسیلی آواز کا منتظر ہو گیا، دوسری جانب گھنٹی بج رہی تھی بھلا کیا تاثرا ہوں گے لیزا کے؟ جب اسے معلوم ہو گا کہ تیمور دل میں اسی کی لگن جگائے، محض اسے ملنے کی خاطر ا دور کا سفر طے کر کے آ رہا ہے۔

وہ سب سے پہلے بھلا کیا کہے گی اس کی آواز سن کر...... خوشی کا اظہار تو کرے گی، مگر کس اند میں...... تیمور کے دل میں اشتیاق کروٹیں لے رہا تھا۔ نہیں شاید سب سے پہلے How R U? کہے گی، تم کیسے ہو؟ کیا حال چال ہے۔ جانے وہ تیمور کے ساتھ بھی اتنی پرتکلف اور مہذبانہ گفتگو کیوں کرتی تھی، کاش وہ اس بار فون اٹھاتے ہی بے ساختہ کوئی اور بات کرے!! مگر کیا......؟ آخر کیا سننا چا تھا تیمور اس کی زبان سے؟ شاید اسی بے قراری و بے چینی کا تمام حال، جس کا شکار ان دنوں خود تیمور تھا جاننا چاہتا تھا کہ وہ بھی دھیرے دھیرے اسی کی طرح پگھل رہی ہے کہ نہیں!! مگر گھنٹی بجتی رہی اور کسی بھی دوسری جانب سے فون نہیں اٹھایا۔

''اف......!! ایک تو یہ لیزا کی بچی...... ہر وقت اس کے پیروں میں بلیاں بندھی رہتی ہیں۔ کیا مجا جو کبھی گھر میں ٹک کر بیٹھ جائے۔ نکلی ہو گی کسی کلب میں، کوئی ڈانس پارٹی اٹینڈ کرنے۔'' تیمور نے جل سوچا اس وقت کتنا دل مچل رہا تھا اس کی آواز سننے کو، شدید کوفت کے عالم میں تیمور کے اعصاب تن گئے، مگر ظاہر ہے کہ وہ دل جلانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ناچار جھنجھلا کر ریسور واپس کریڈل دیا، تب اچانک ہی خیال آیا کہ کیوں نہ ممی کو اپنی آمد کی اطلاع دے ڈالے، تب اس کی انگلیاں سے اپنے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

''ہیلو......!'' فون فریدی انکل نے اٹھایا تھا۔

تیمور جواباً کچھ بول نہ پایا۔ پتہ نہیں کیوں تیمور انہیں ممی کا شوہر ہونے کے باوجود، آج تک باپ کا درجہ نہ دے سکا تھا۔ وہ اب بھی انہیں فریدی انکل ہی کہا کرتا تھا، حالانکہ کتنی مرتبہ ممی نے اسے بات پر آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ فریدی انکل کو ڈیڈی یا پاپا کہا کرے، مگر اس کا دل انہیں باپ تسلیم کر تیار ہی نہیں ہوتا تھا، اس کے نزدیک وہ صرف ممی کے شوہر تھے، البتہ سگی ماں ہونے کے ناطے، ممی

محبت تیمور کی گھٹی میں پڑی تھی سوانہی کی وجہ وہ ''انکل'' کو ''سوتیلے باپ'' کے طور پر برداشت کرتا تھا...... تبھی وہ یکدم ان کی آواز سنتے ہی چپ رہ گیا تھا۔

''ہیلو......!'' دوسری طرف سے فریدی انکل کی آواز دوبارہ ابھری۔

''ہیلو...... انکل...... میں تیمور علی......'' مجبوراً تیمور کو بات کرنا ہی پڑی۔

''اوہ میرو......! its you? (یہ تم ہو؟) انکل بے حد خوشی سے بولے۔ How are you? (کیسے ہو؟) Where are you now a days, why don,t you come? (کہاں ہوتے ہو آج کل، آتے کیوں نہیں؟)

Your mother miss you to much. (تمہاری ماں تمہیں بہت یاد کرتی ہے)

Ok, I am coming.'' (جی بس آ رہا ہوں......'' تیمور منمنایا)

Where is mom?'' (ممی کہاں ہیں......'' بالآخر تیمور پوچھے بغیر نہ رہ سکا)

''بھئی...... فی الحال تو مجھ سے ہی گزارہ کرو، تمہاری ماں تو اس وقت کلینک گئی ہوئی ہیں، البتہ کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دو، میں تمہاری ممی تک پہنچا دوں گا۔'' انکل انگریزی چھوڑ کر خلوص کے اظہار کے طور پر اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں شروع ہو گئے۔

''اچھا یہ بتاؤ، تم اس وقت کہاں ہو میرو؟'' انکل نے جب اچانک ہی پوچھ لیا تو پھر مجبوراً تیمور کو انہیں راستے میں پیش آنے والی صورتحال سے آگاہ کرنا پڑا۔'' فکر نہ کیجئے انکل، جیسے ہی فلائیٹ کی روانگی کا اعلان ہو گا میں دوبارہ آپ کو رنگ کر کے اطلاع دے دوں گا، مگر ممی تو آ چکی ہوں گی ناں اس وقت تک۔'' تیمور نے قدرے بچگانہ سا سوال کیا، انکل ہنس دیئے۔

''یہ تو تمہارے فون آنے کے ٹائم پر منحصر ہے مائی سن اور یہ بھی کہ تمہاری ماں کے کلینک میں کوئی ایمرجنسی کیس نہ آیا ہو، آج کی طرح، تب وہ یقیناً گھر پر ہی ملے گی، لیکن بے فکر رہو، ہم دونوں تمہیں لینے ایئرپورٹ ضرور پہنچ جائیں گے۔ آئی پرامس......''

''نہیں انکل پلیز...... آپ لوگ زحمت مت کیجئے گا۔ میں خود ہی گھر پہنچ جاؤں گا۔'' تیمور نے ان کی بات نظر انداز کر کے اصرار کیا۔

"اچھا یہ بتاؤ......عزمی کیسی ہے، آ تو رہی ہے ناں تمہارے ساتھ؟" انکل نے خوش دلی سے ہنس کر سوال کیا مگر تیمور پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ "جی انکل...... جی نہیں انکل...... آئی مین...... انکل وہ ٹھیک ہے مگر امریکہ نہیں آ رہی ہے۔" گھبراہٹ میں تیمور کے منہ سے بے ربط جملے نکل رہے تھے۔

"اوہ......اچھا اچھا......" کہہ کر انکل چپ رہ گئے اور پھر جب تیمور نے بائے کر کے فون بند کرنا چا تو یہ سن کر حیران رہ گیا کہ انکل فریدی نے اس کے بائے کے جواب میں خدا حافظ کہا ہے، یہ سب تیمور کے کانوں کو بھلا لگا تھا۔ ویسے تو انہیں اسلام قبول کیے کافی عرصہ گزر چکا تھا، اور انہوں نے شادی سے پہلے ہی نماز قرآن پڑھنا سیکھ لیا تھا مگر نکاح کے بعد انہیں راسخ العقیدہ مسلمان بنانے میں ممی کا بڑا ہاتھ تھا۔ قبول اسلام سے قبل ان کا نام فریڈرک تھا جسے بعد میں تبدیل کر کے فرید الدین کر دیا گیا تھا، اس سے پہلے ان کے دوست احباب انہیں فریڈی کہہ کر پکارتے تھے مگر بعد میں سب ممی کی دیکھا دیکھی فریدی کہنے لگے۔

☆......☆......☆

تیمور کی عمر آٹھ سال تھی جب اس کے والد کا انتقال ہوا اور وہ تیرہ برس کا تھا جب ممی نے انکل سے نکاح کیا تھا۔ اگرچہ انکل کا رویہ تیمور سے بے حد دوستانہ تھا مگر یہ بات اس کے لیے خاصی تکلیف دہ تھ کہ انہوں نے تیمور کے پاپا کی جگہ لے لی تھی، رفتہ رفتہ وہ بے حد چڑچڑا، ضدی اور اکھڑ مزاج ہو رہا ت اکثر اس کے سکول سے بھی اس کی شکایات آیا کرتی تھیں۔ ممی اس کی وجہ سے بے حد پریشان رہ تھیں، اس نکاح کے نتیجے میں ممی کی دو بیٹیاں اور ہوئی تھیں مگر ننھی منی، گڑیوں جیسی بہنیں پا کر بھی تی رویہ نہ بدلا تھا۔ بلکہ فریدی انکل سے بدلہ لینے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا تھا وہ جان بوجھ کر بچیوں کو کرتا، ان کے کھلونے توڑ دیتا اور انہیں رلا کر بے حد خوش ہوتا کہ شاید اس طرح "انکل" کو زیادہ تکا محسوس ہو گی، آخر کو ان کی نورِ نظر ہیں دونوں بچیاں، تب اسے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس کے ر سے اس کی ماں زیادہ دکھی ہوتی ہے۔

آخر او لیول کے بعد ممی نے اسے ہاسٹل بھجوا دیا۔ تب وہاں جا کر اسے گھر کی اہمیت کا احسا

اب وہ جب بھی ویک اینڈ پر گھر آتا تو سب کو اس کا رویہ بے حد مناسب معلوم ہوتا۔ گھر والے بھی اپنے طرز عمل سے اپنی اپنی بھرپور محبت اور تحفظ کا یقین دلاتے، ممی اس کی پسند کے کھانے تیار کرتیں، بہنیں اس کے آگے پیچھے پھرتیں اور فریدی انکل......اسے روزانہ اپنے ساتھ واک پر لے جاتے اور راستے میں اسے قصے کہانیوں کے علاوہ ایسے لطیفے سناتے کہ ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑ جاتے، انہی کی مدد سے اس نے گھڑ سواری اور تیراکی سیکھی تھی، رفتہ رفتہ تیمور کی سمجھ میں یہ بات تو آ گئی تھی کہ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ فریدی انکل کو اس کے باپ کی جگہ لینی تھی شاید قسمت میں یہی لکھا جا چکا تھا۔ مگر اصل دکھ تو اسے دراصل ممی کے رویے کا تھا۔ کتنی جلدی ممی نے اس کے باپ کو بھلا دیا تھا اور انکل سے شادی کے بعد ایسے مطمئن اور خوش و خرم تھیں جیسے کوئی ازلی تمنا بر آئی ہو، حالانکہ اسے یاد پڑتا تھا کہ وہ اس کے پاپا کے ساتھ بھی بے حد پیار کرتی تھیں، بلکہ ممی اور پاپا کی تو سو فیصد لو میرج تھی۔ خاندان بھر کی مخالفت مول لے کر دونوں نے کورٹ میرج کی اور پھر خاندان والوں کی طرف سے جان سے مارے دینے کی دھمکیوں کے بعد وہ دونوں مستقل امریکہ آن بسے تھے اور دونوں نے ایک ہی ہاسپٹل میں ملازمت کر لی تھی۔

تیمور کے پاپا بھی ڈاکٹر تھے۔ تیمور کی یادداشت میں یہ بات محفوظ تھی کہ اس کے پاپا اور مما کتنی مثالی اور پیار بھری زندگی گزار رہے تھے۔ مگر اب......اب بھی ممی کی زندگی محبت بھری ڈگر پر رواں دواں تھی البتہ تیمور کے باپ کی جگہ ایک دوسرے کردار نے لے لی تھی، تو کیا ممی فریبی تھیں......!! وہ آج تک کسے فریب دیتی چلی آئی تھیں؟ اس کے پاپا کو فریدی انکل کو یا پھر خود اپنے آپ کو......کیا ہر عورت اسی طرح ڈرامہ باز ہوتی ہے، حیلہ ساز اور فریبی؟ جو زندگی میں بہت سارے رول بیک وقت نبھاتی ہے، کئی محبتیں کرتی ہے اور محبت کے ہر امتحان میں پورے نمبر بھی حاصل کرتی ہے اور پھر بھی سدا پاکیزگی کا ڈھونگ رچائے رہتی ہے۔

اسے یاد تھا کہ جب وہ نیا نیا ہاسٹل گیا تھا تو کچھ عرصہ کتنا اداس رہا تھا۔ مگر پھر جب اس کے نئے فرینڈز بنے تو اسے وہاں مزہ آنے لگا تھا۔ اس کی بے شمار گرل فرینڈز بھی تھیں، مگر وفا کے مروجہ معیار پر کوئی ایک بھی پوری نہیں اترتی تھی، سب پھول پھول منڈلانے والی تتلیاں تھیں تب خود تیمور نے بھی

بھنورے کی صفت اپنالی تھی، مگر پھر جب سے لیزا اس کالج میں آئی تو وہ اسی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ گلابی رنگت اور شہد جیسے رنگ کے بالوں والی یہ لڑکی اس کے حواسوں پر چھا کر رہ گئی تھی، مگر وہ بھی عام امریکی لڑکیوں کی مانند تھی، تیمور کے علاوہ بھی اور کئی لڑکے اس کے بوائے فرینڈز تھے، جن سے وہ بڑی بے باقی سے ملا کرتی تھی، اور یہ بات تیمور کو دکھ میں مبتلا کر دیتی تھی اور وہ لیزا کو ہمیشہ کے لیے اپنانا چاہتا تھا......

مگر ممی نے اس کی شدید مخالفت کی تھی اور جب وہ ایم بی اے کی ڈگری لینے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو ایک بار پھر ممی کے آگے لیزا سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، مگر ممی ہمیشہ کی طرح آڑے آئی تھیں، بلکہ اس بار تو فریدی انکل نے بھی ممی کا ساتھ دیا اور انہی دنوں اس کا تبادلہ امریکی کمپنی کی پاکستانی برانچ میں کیا گیا تو سب سے زیادہ خوش ممی ہی تھیں، وہ اسے پاکستان میں سیٹل کرانے ساتھ آئی تھیں اور وہیں عزمی سے اس کی شادی بھی کرا ڈالی تھی اور پھر اپنے تئیں مطمئن ہو کر واپس امریکہ چلی گئی تھیں مگر جاتے جاتے تیمور سے کہنا نہ بھولیں کہ ''میرو اب تمہیں صحیح معنوں میں ایک پاکستانی اور امریکی لڑکی کا فرق پتا چلے گا اور مجھے یقین ہے کہ لیزا تمہیں کبھی یاد نہیں آئے گی......

مگر ہوا اس کے بالکل برعکس تھا...... چاہتا تو تیمور لیزا سے کورٹ میرج بھی کر سکتا تھا۔ مگر وہ ممی سے شدید محبت کرتا تھا اور انہیں اپنی ذات سے کوئی دکھ پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ شاید اس کے اس طرزِ عمل کے پیچھے بھی ممی کی کڑی تربیت کا ہاتھ تھا۔

تیمور اپنی لامتناہی سوچوں میں گم تھا، تبھی کسی نے انگلی کے ناخن سے ٹیلی فون بوتھ کے شیشے پر ٹک ٹک کر کے دستک دی، شاید کوئی اور بھی باہر فون کرنے کا منتظر کھڑا تھا۔ تیمور چونک کر باہر نکل آیا۔

''کیا تم سو رہے تھے؟'' Were you sleeping

باہر کب سے انتظار میں کھڑا شخص تیمور کو دیکھ کر بڑبڑایا۔

کافی مگ کے اندر کسی بے وفا محبوب کے رویے کی طرح سرد ہو چکی تھی تیمور نے جلدی سے ایک طویل گھونٹ بھر کے ڈسپوزیبل مگ قریبی ڈسٹ بن میں ڈال دیا، اور لمبے ڈگ بھرتا مسافر لاؤنج کی طرف چلا آیا۔ جہاں مسافروں کی زبانی نئی اطلاع یہ تھی کہ پین ایم کی فلائٹ کے تمام مسافر ہوائی کمپنی

کے خرچ پر رات ایک ہوٹل میں گزاریں گے جس میں ان کا رات کا کھانا اور صبح کا ناشتہ بھی بذمہ کمپنی ہو گا، البتہ ناشتے کے بعد کوسٹر انہیں ہوٹل سے پک کر کے ایئر پورٹ لے آئے گی جہاں سے وہ لفتھانزا ایئر (جرمن ایئر لائنز) کے ذریعے امریکہ روانہ ہوں گے۔ اس وقت کوسٹر مسافروں کو ہوٹل پہنچانے کے لیے ایئر پورٹ سے باہر منتظر تھی۔

ہوٹل پہنچ کر کھانا کھانے کے بعد وہ یونہی چہل قدمی کے لیے باہر فٹ پاتھ پر نکل آیا یہ ہوٹل ایک بہت بڑی مارکیٹ کے عین درمیان میں واقع تھا۔ مارکیٹ تو اس وقت بند ہو چکی تھی البتہ جگمگاتے ہوئے نیون سائن اور دودھیا اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں وہ یونہی بند دکانوں کے باہر کھڑے ہو کر شوکیس میں آویزاں چیزوں کا جائزہ لینے لگا، اگرچہ دکانیں بند تھیں مگر ان شوکیسوں میں نصب بلب روشنی بکھیر کر اپنے اندر سجی ہوئی اشیاء کو پوری طرح نمایاں کر رہے تھے، شاید مارکیٹ کی خوبصورتی بڑھانے کا یہ بھی ایک گر تھا، تاکہ رات کو بھی یہاں کا حسن ماند نہ پڑے، چلتے چلتے تیمور ایک دکان کے باہر بنے شوکیس کے آگے ٹھہر گیا، شاید یہ کوئی آرٹی فیشل جیولری کی دکان تھی، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے چمکدار رنگینوں سے مزین زیورات ڈبوں میں سجے تھے، ایک گلوبند سیٹ پر آ کر تیمور کی نظر جیسے جم سی گئیں۔

اس بے حد خوبصورت سیٹ میں جڑے سچے موتیوں سے جیسے روشنی اور نگینوں سے قرمزی شعاعیں سی پھوٹ رہی تھیں۔ اگر یہ سیٹ لیزا نے اپنی صراحی دار گردن میں پہنا ہوتا تو اس سیٹ کی خوبصورتی میں چار چاند لگ جاتے، تیمور نے سوچا، اس کے نگینے لیزا کی آنکھوں کے رنگ سے میچ کر جاتے اور جب بھی لیزا پیار سے تیمور کی سمت دیکھا کرتی تھی تو تب بھی اس کی آنکھوں سے ایسی ہی محبت کی شعاعیں پھوٹا کرتی تھیں، چہرے پر عجیب روشنی سی پھیل جاتی اور تیمور اک عالم بے خودی میں اسے تکتا رہ جاتا، اور وہ اسے یوں محویت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر بے ساختہ ہنس دیتی اور...... اس کے خوبصورت دانت......

تیمور کی نظر سیٹ میں جڑے سچے موتیوں پر جا کر ٹھہر گئی، تصور میں چھم سے لیزا اتر آئی، جو آنکھوں میں شرارت لیے اپنے ہاتھوں سے تیمور کے سارے بال بگاڑ ڈالتی، یونانی بوائے...... اور پھر تیمور اسے اٹھ کر وہاں سے بھاگنے کا موقع بھی نہ دیتا......

”ہیلو......!“ مسکراہٹ خود بخود تیمور کے لبوں پر کھلنے لگی۔

”ہیلو......“ کسی نے اسے پکارا تھا مگر تیمور نے اس طرف توجہ نہیں کی، اس نے جھک کر سیٹ کے ساتھ نصب پرائس ٹیگ پڑھا، چودہ سو ڈالرز...... کاش دوکان اس وقت کھلی ہوتی تو وہ ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر فوراً یہ سیٹ لیزا کے لیے خرید لیتا۔

”ہیلو......“ یہ آواز یقیناً تیمور کے تصور کا کرشمہ نہیں تھی، کسی نے سچ مچ اسے مخاطب کر ڈالا تھا۔ تیمور نے آواز کی سمت سر گھما کر دیکھا، بلیک سکرٹ بلاؤز کے ساتھ چمڑے کی کالی جیکٹ میں وہ کوئی لڑکی تھی، سرخ بال اس کے شانوں پر بے ترتیبی سے پڑے تھے، خنکی کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں کے اندر تھے، تیمور نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا تم مجھے کچھ رقم فراہم کر سکتے ہو؟“ لڑکی بلاوجہ مسکرائی۔ ”اچھا تو بھکارن ہے یہ......“ تیمور نے سوچا۔

”مجھے سخت بھوک لگی ہے کھانا بھی کھلا دو۔“ لڑکی کے انداز میں التجا سے زیادہ پیار بھرا حکم پنہاں تھا۔ ”مگر دیکھو تم مجھے کوئی مانگنے والی مت سمجھ لینا۔“ لڑکی نے اپنی شوخ براؤن آنکھوں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے انگلی اٹھا کر گویا تنبیہہ کی۔

”ایں......“ تیمور حیران رہ گیا۔ ”شب بسری کے لیے تمہیں مجھ سے اچھا ساتھی اور کوئی نہیں مل سکتا۔“ وہ اعتماد سے مسکرائی۔

”مگر مجھے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں۔“ تیمور کی تیوری پر بل آ گیا۔

اچھا بھلا وہ لیزا کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اس لمحے لڑکی کی مداخلت بے جا سے سخت ناگوار گزری تھی، مگر لڑکی اس کے گریز کی وجہ کچھ اور سمجھی۔ ”ایڈز نہیں ہے مجھے یہ دیکھو ہیلتھ سرٹیفکیٹ......“ اس نے کسی کاغذ کی تلاش میں جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

”کہاناں......نہیں ہے اس کی ضرورت......“ تیمور سخت لہجے میں بولا۔

”پلیز...... آج ایک بھی گاہک نہیں ملا، مایوس لوٹنا پڑے گا اور مجھے تو بھوک بھی بڑے زور کی لگی ہے۔“

”تم ویسے ہی کچھ رقم رکھ لو۔“ تیمور نے والٹ نکال کر چند ڈالرز اس کی طرف بڑھائے تاکہ جان چھوٹ جائے۔

”یہ......“ لڑکی نے نوٹ گنے۔ ”یہ تو بہت کم ہیں، لڑکی نے ایسے کہا جیسے تیمور کی جیب پر اس کا خصوصی حق ہو۔“ باقی کسی اور سے جا کر لو۔

تیمور یہ مشورہ دیتے ہی وہاں رکا نہیں بلکہ ہوٹل کی جانب تیزی سے قدم بڑھا دیئے، لڑکی جھپٹ کر لپکی...... ”سنو تو......“ مگر تیمور رکا نہیں...... اپنے پیچھے اسے لڑکی کا مترنم قہقہہ سنائی دیا۔

”ڈرپوک...... بزدل کہیں کا...... بیوی سے ڈرتا ہے۔“

رات کا آخری پہر جا رہا تھا...... ہوٹل پہنچ کر تیمور نے کاؤنٹر سے چابی لی اور اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے مڑا......

”سنو مسٹر تیمور......“ کاؤنٹر پر موجود ریسپشنٹ نے تیمور کو پکارا۔

”ہوٹل کی جانب سے ہال میں زبردست رنگا رنگ پروگرام پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ وہ دیکھنا پسند کریں گے...... بیک وقت سات مسالہ دار بجلیاں کڑک رہی ہیں۔ اندر، ایسے ہیجان خیز رقص کا مظاہرہ آپ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ تو دے دوں ٹکٹ ہال میں داخلے کا......؟“ ہوٹل کلرک نے پرامید نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

”جی نہیں شکریہ...... میں صرف اب سونا پسند کروں گا۔“ جواب دے کر تیمور رکا نہیں اور سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆......☆......☆

فون کی گھنٹی مسلسل بجے گئی تو نادیہ بیگم نے آگے بڑھ کر چونگا اٹھا لیا۔ اس کا بھڑکدار لباس، تیز میک اپ اور اٹھنے بیٹھنے کا بازاری انداز اس بات کی چغلی کھا رہا ہے کہ اس کا تعلق شرفاء کے کسی طبقے سے نہیں ہے۔

"ہیلو......!" وہ ایک شانِ دلبرانہ کے سے انداز میں مخاطب ہوتی ہے۔

"ہاں کہو نادیہ بی، خوش تو ہونا اب، کوٹھے کے مقابلے میں یہ کوٹھی کیسی لگی تمہیں......؟" دوسری طرف شوکت خان کی آواز سنتے ہی نادیہ کی باچھیں کھل اٹھتی ہیں اور چہرے پر پیشہ وارنہ مسکراہٹ دوڑ جاتی ہے۔

"اوہ......خاں صاحب جی......یقین نہیں آرہا ہے کہ اتنے عرصے کے بعد آپ کی آواز سن رہی ہوں......آپ کب چھوٹے......میرا مطلب ہے کب واپسی ہوئی آپ کی آپ تو اندر......مطلب باہر گئے ہوئے تھے ناں!" جواباً شوکت خان ڈھٹائی سے کھل کر ہنستا ہے۔

"ارے نادیہ بی......بس کیا بتائیں......سیاستدانوں کے ساتھ یہ اندر، باہر آنے جانے کا کھیل لگا رہتا ہے، اسی طرح تو عوام کی ہمدردیاں حاصل ہوتی ہیں کئی بار تو ہمیں خود جان بوجھ کر اندر جانا پڑتا ہے خیر یہ سب تو عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے اور سیاسی حریف پر برتری جتانے کے طریقے ہیں پر تجھے یہ باتیں کہاں سمجھ آئیں گی۔"

نادیہ بی احمقوں کی طرح سر ہلا کر دانت نکالتی ہے اور بلاوجہ "جی جی" کا راگ الاپتی ہے۔ "خیر یہ بتاؤ میرے آدمی نئے ڈیزائن کا فرنیچر تو پہنچا گئے ہیں ناں کہ نہیں......" شوکت خان۔ اچانک سوال کرتا ہے۔

"جی ...... نہ صرف پہنچا گئے ہیں، بلکہ سارا سامان سیٹ بھی کر گئے ہیں بھئی مان گئے خان صاحب......" نادیہ بی کی کھوئی ہوئی تیزی طراری اور مزاج کی بازاری شوخی واپس پلٹ آتی ہے۔

"اتنی خوبصورت جگہ پر خان جی گھر خرید کر دیا ہے۔ آپ نے فرنیچر، قالین اور میچنگ پردے بھی ہو گئے بس اب اگر نئے ماڈل کی کار بھی آجائے تو......" نادیہ بی کی آنکھیں انجانے لالچ کے تحت چمک رہی تھیں۔

"آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ کاروبار کو وسعت دینے کے لیے یہ سب چیزیں کتنی ضروری ہوا کرتی ہیں، دراصل جال جتنا خوبصورت، پائیدار اور دانہ جتنا زیادہ قیمتی ہو، پنچھی بھی اتنے ہی زیادہ اور جلدی پھنسیں

گے۔" اس نے وضاحت کی۔

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شوکت خان نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "آجائے گی......آجائے گی......نئے ماڈل کی کار بھی آجائے گی۔" شوکت خان نے اسے بڑے سکون سے تسلی دی۔

"مگر دیکھ لو نادیہ بیگم......ہم نے تو تمہاری ہر خواہش منہ سے نکلنے سے پہلے پوری کر دی ہے، مگر تم نے ہمارا ایک چھوٹا سا کام بھی نہیں کیا ابھی تک۔ تمہیں بھی تو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ہم پرانی چیزوں سے کتنی جلدی اکتا جاتے ہیں۔ بھئی کچھ نیا آئٹم پیش کرو کتنی بار کہہ چکے مگر تم نے ہماری فرمائش ہی پوری نہیں کی۔" خان نے شکوہ کیا۔

"بس سمجھ لیں کہ آپ کی شکایت دور ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔" نادیہ بی مسکرائی۔ "آج شب بارہ سے ایک بجے کے درمیان تشریف لے آیئے گا نا صرف آپ کی شکایت دور کر دی جائے گی بلکہ ہمارا تحفہ پا کر طبیعت خوش ہو جائے گی جناب کی۔" نادیہ بیگم نے آنکھیں مٹکا کر دعویٰ کیا۔

"چلو...... یہ بھی دیکھ لیں گے......" شوکت خان گھنی مونچھوں تلے مسکرایا۔ "اچھا لاؤ ذرا زرینہ جی سے تو بات کراؤ ہماری۔ بہت دن ہو گئے ان کی سریلی آواز سنے۔"

"جی وہ......زرینہ جی تو ذرا......باقی سب لوگوں کے ساتھ "مال" لینے کے لیے گئی ہیں۔" نادیہ نے بامعنی لہجے میں اطلاع فراہم کی۔

"اوہ......اچھا اچھا......اس مال میں ہمارے بھی کام کی کوئی چیز آئے گی کہ نہیں......" خان خباثت سے مسکرایا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں خان جی......!! سبھی کچھ آپ کے لیے ہے۔" نادیہ بھی مکاری سے مسکرائی۔

"ہاں......یاد آیا......یہ تو بتاؤ کہ وہ نیا پٹھا کیسا کام کر رہا ہے؟"

"کون......ابرار محسن......؟" نادیہ بیگم نے ابرو چڑھا کر بڑی ادا سے ایسے پوچھا جیسے ٹیلی فون سے ے کے ذریعے دوسری طرف تصویر دکھائی دے رہی ہو۔

''ہاں وہی......اچھا خوبرو اور پڑھا لکھا جوان لڑکا تھا۔ مگر عرصے سے بے روزگاری کی چکی میں پس رہا تھا۔ سو میں نے زرینہ کے پاس بھجوا دیا تھا کہ اسے کام میں لائیں۔'' شوکت خان بولا۔

''ہاں جی......اس بار اسی کا ہنر آزمایا ہے۔ لڑکے نے جلدی ہی سارا کام سیکھ لیا ہے۔ اتنی تنخواہ اسے کوئی گورنمنٹ کا محکمہ نہ دیتا جتنے پیسے اسے ادھر مل رہے ہیں۔'' نادیہ بیگم نخرے سے بولی۔

''چلو اچھا ہے کہ لڑکے نے مچھلیاں پکڑنا سیکھ لی ہیں۔ اب زرینہ جی کے وارے نیارے ہی سمجھو۔'' دونوں مل کر قہقہہ لگاتے ہیں۔

''اچھا اب بند کرتا ہوں۔ تو پھر سوا بارہ بجے تک آ جاؤں......'' شوکت خان پوچھتا ہے۔

''ہاں جی......سر آنکھوں پر......آپ چاہیں تو ابھی آ جائیں۔ آ کر اپنے ہاتھ سے ''مال'' وُ کریں۔'' نادیہ نے بازاری لہجے میں خوشامد سے کہا تو۔ جواباً شوکت خان ہنس دیا۔

''نہیں رات کو ہی ملاقات ہوگی۔'' کہہ کر فون بند کر دیتا ہے۔

''توبہ کتنا ٹھرکی اور چھچھورا شخص ہے یہ شوکت خان......'' نادیہ بیگم ریسیور کریڈل پر ڈال کر بڑ ہے۔

☆......☆......☆

منجھلی چچی جو سامنے ہی نیم تاریکی میں آخری قطار کی پہلی کرسی پر بیٹھی تھیں، نیچے جھک کر ز گرنے والی چابی اٹھا رہی تھیں کہ نجانے کیوں اچانک ہی وحشت زدہ ہو کر بھاگنے کے لیے کر اٹھیں تو خود ہی اپنی ساڑھی کے دامن میں الجھ کر گر گئی تھیں اور بے ساختہ چیخ بھی انہی کے حلق سے ہوئی تھی۔ عزمی نے آواز کی سمت پلٹ کر دیکھا تو سب لوگ زمین پر گری منجھلی چچی کے گرد جمع بھابی بھی مٹھائی والی پلیٹ میز پر رکھ کر دریافت حال کے لیے اسٹیج سے اتر کر چچی کی سمت لپکی۔

موقع غنیمت جان کر عزمی نے ہاتھ میں پکڑی گلاب جامن واپس پلیٹ میں رکھی اور بھا میں اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔ بمشکل تمام سب نے کھینچ تان کر بھاری بھرکم چچی کو سیدھا کھڑا کی کے حواس اپنے قابو میں نہیں تھے۔ دہشت سے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ وہ کپکپاتی انگ

اٹھائے ایک سمت اشارہ کر رہی تھیں۔ وہ اشارہ اس کرسی کے نیچے کی سمت میں تھا۔ جس پر کچھ دیر پہلے وہی چچی تشریف فرما تھیں۔

''آئے ہائے......سانپ دیکھ لیا شاید۔'' کسی کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی جا کر جانے کس نے کھٹ سے مردانے میں یہ خبر سنا ڈالی اور یہاں سے وہاں تک ایک ہاہا کار مچ گئی۔ خاندان بھر کے سورما ڈنڈے سوٹیاں اٹھائے سانپ کی تلاش میں چلے آئے۔

ایک سورما نے ہمت کر کے ڈنڈے کی مدد سے کرسی الٹ دی۔ تاکہ نیچے چھپا ہوا یا کرسی کے پائے سے لپٹا سانپ برآمد ہو سکے۔ کرسی کے عین نیچے واقعی سیاہ ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

بڑی پھوپھو کے بیٹے ندیم میاں نے ڈنڈا لہرا کر دھپ سے سانپ کے پھن پر دے مارا۔

مگر یہ کیا......؟

سانپ تو اپنی جگہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس پر ندیم میاں نے خواتین کی ''ہائے ہائے اور نہ کرو'' کے باوجود آگے بڑھ کر سانپ کو لکڑی کے ڈنڈے پر لٹکا لیا۔

''دھت تیرے کی......'' ملگجی روشنی میں سب نے دیکھا کہ منی بی کی گہری جامنی رنگی ہوئی چنری، جسے وہ کچھ دیر پہلے ہی اپنی سہیلیوں کے ہمراہ کوڑا اشاہ مدار کھیلتے ہوئے بل دے کر یہاں پھینک گئی تھی۔ ڈنڈے پر جھول رہی ہے۔ دوپٹے کے چنے ہوئے بل ہوا کے زور پر ناگ کے پھن کی طرح حرکت کر رہے تھے۔ سرسرا اور جھوم رہے تھے۔

''حد ہی کر دی ممانی آپ نے بھی......'' ندیم میاں نے بے زاری سے چنری قریبی کرسی کی طرف اچھال دی۔

''چچی ابھی تک بے یقینی کے عالم میں کرسی پر پڑے دوپٹے کو اس طرح شک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے اچانک وہ کسی بڑے سے اژدھے کا روپ دھار کر سب کو نگل لے گا۔

''ارے چچی......! اب تو حوصلہ کیجیے منی بی کی چنری سے ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔'' بڑی ممانی کی بیٹی حرا نے آگے بڑھ کر ممانی کا کندھا ہلایا تو وہ چونکیں۔'' ہے کہاں ہے یہ منی کی بچی......توبہ

دل ہی دہلا کر رکھ دیا میرا۔ حد ہی کر دی سلمٰی تم نے، بچے تو ایسے ہی کھیلتے ہیں۔'' عزمی کی امی نے دیورا
کو پیار سے گھورا۔ تو وہ جھینپ کر ہنسنے لگیں۔

''بھئی یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ ان کی تو پرانی عادت ٹھہری رسی کا سانپ بنانے کی۔'' چچا جا
جانے کب سے آ کر چپ چاپ عین چچی کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔ اب شرارت سے انہیں چھ
رہے تھے۔ ''چلو تمہاری کسر باقی رہ گئی تھی جو ''آ بیل مجھے مار'' کرنے یہاں پہنچ گئے۔'' پھوپھو نے خفگی
سے بھائی کو گھورا۔

''اور ان کے گھر کی تو رسیاں بھی ایسی کہ جن کے بارے میں سیانے پہلے ہی کہہ گزرے کہ ''رسی جل
گئی پر بل نہ گئے۔'' سانپ کا خوف زائل ہوتے ہی چچی کی فطری بذلہ سنجی لوٹ آئی تھی۔

پھوپھو جو ہر بات گھما پھرا کر خود پر لینے کی عادی تھیں، منہ بنا کر وہاں سے ہٹ گئیں اور پھر اس
دلچسپ اور اچانک پیش آنے والے واقعے پر سب اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے واپس اپنی
اپنی کرسیوں کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں باراتی بیٹھے کولڈ ڈرنکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جبکہ دولہا
کی بہنیں اور کزنز میدان خالی پا کر اسٹیج پر چڑھی دولہا دلہن کے ہمراہ فوٹوز اور مووی بنوا رہی تھیں۔

خالہ کا اشارہ پا کر عفی باقی لڑکوں کے ساتھ کھانے کے ''پیک شدہ'' ریڈی میڈ ڈبے اٹھا لایا اور باری
باری حاضرین کو تھماتا چلا گیا۔ جب سے شادی بیاہ میں کھانے پر پابندی لگی تھی، ضرورت نے ایجاد کے
مختلف راستے ڈھونڈ لیے تھے۔ لوگوں نے باراتیوں کو کھانا کھلانے کی مختلف صورتیں اپنا لی تھیں۔ شاید
معاشرے سے رسومات ختم ہو سکتی ہیں مگر مجبوریاں نہیں۔

عفی مہمانوں میں بے حد مصروف تھا۔ جب نشو اپنا آف وائٹ غرارہ سنبھالتی اس کے پاس چلی
آئی۔

''عفی بھائی ذرا ایک منٹ کو ادھر آئیے۔''

عفی چونکا..... ''کیا بات ہے؟''

''اوں ہوں..... ایسے نہیں پہلے ادھر آئیے۔'' نشو نے لاڈ سے بلایا۔

بہت ضروری بات ہے کیا؟'' عفی مسکرایا۔

''جی ہاں..... بہت ضروری۔''

''نشو! میری پیاری سی بہنا! پلیز میں ذرا یہاں سے فارغ ہو لوں تو ابھی آتا ہوں، ٹھیک ہے.....''
وہ بات مکمل کرتے ہی فوراً بارات کے ہمراہ آئے ہوئے ایک صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا جو شاید پینے
کے لیے سادہ پانی منگوانا چاہ رہے تھے۔

''اف..... نشو پاؤں پٹختی، سخت کوفت کے عالم میں ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی اور عفی کا انتظار
کرنے لگی۔ جانے کب انہیں فراغت ملے گی تو ادھر آئیں گے اور پھر جانے یاد بھی رہے کہ نہیں، وہ بے
بسی سے کھڑی سوچ رہی تھی، جبکہ باقی کزنز آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ کتنی ہی دیر گزر
گئی..... اور پھر اتفاقاً عفی کولڈ ڈرنکس کے مزید کریٹس ادھر رکھوا کر واپس مڑا اور نشو کو ابھی تک ایک کونے
میں اپنا منتظر دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''ایسی کون سی ضروری بات کرنی ہے نشو کو مجھ سے..... ! خیر دیکھتا ہوں۔'' وہ باقی تمام کام چھوڑ کر
اس کی طرف چلا آیا۔

''ہاں گڑیا..... بولو..... جلدی سے بتاؤ کیا بات ہے؟'' وہ نشو کو پیار سے اکثر گڑیا ہی کہتا تھا۔

نشو چند لمحے تذبذب کے عالم میں کھڑی اپنے ہاتھ مسلتی رہی اور پھر اپنا پرس کھول کر ایک تہہ شدہ
پرچہ عفی کی جانب بڑھا دیا۔

''یہ کیا ہے گڑیا.....؟'' عفی نے قدرے حیرانی سے نشو کو دیکھتے ہوئے پرچہ تھام لیا نشو چند لمحے
سوچتی رہی پھر بولی۔

''اسے بغور پڑھیے گا عفی بھائی..... یہ سوال ہے کسی کی زندگی کا، پلیز اس کا جواب ضرور دیجئے گا۔ مگر
پلیز آپ کسی کو ہرگز یہ مت بتائیے گا کہ یہ پرچہ آپ کو میں نے دیا تھا۔'' نشو عفی کو حیران پریشان چھوڑ کر
تیزی سے اپنا غرارہ دوپٹہ سنبھالتی ایک طرف بڑھ گئی، عفی چند لمحے کھڑا سوچتا رہا اور پھر تجسس کے ہاتھوں
مجبور ہو کر تہہ شدہ پرچہ کھولنے لگا تبھی امی نے اسے پکار لیا۔

"عفی بیٹا ذرا ادھر تو آنا۔" اور امی کے پکارنے پر وہ مجبوراً کاغذ جیب میں ڈال کر اس سمت بڑھ گیا جہاں امی اس کی منتظر تھیں۔

عزمی اور بھابی دلہن بنی عینی کو اسٹیج سے اتار کر اندر لے جا چکی تھیں اور باراتی واپس جانے کو پر تول رہے تھے۔ اگرچہ یہ صرف نکاح کی تقریب تھی اور رخصتی چھ ماہ بعد ہونا قرار پائی تھی مگر دولہا اور اس کی ماں کافی دیر تک آپس میں جانے کیا صلاح مشورہ کرتے رہے تھے کہ دولہا کی والدہ بارات کی واپسی کے لیے خالہ سے اجازت لینے آئیں تو ایک عجیب وغریب فرمائش کر دی۔

دلہن کو بارات کے ساتھ گھر لے جانے کی، اور خالہ جو اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھیں حیران رہ گئیں۔

"یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ ہماری تو اس لحاظ سے کوئی تیاری ہی نہیں، اور پھر ہم لوگوں نے آپ کے صلاح مشورے کے بعد ہی چھ ماہ بعد رخصتی کا پروگرام رکھا تھا۔"

وہ تو سب ٹھیک ہی ہے بہن، مگر دیکھو بنیادی چیز نکاح ہی ہے۔ جب نکاح ہو چکا تو میرا خیال ہے کہ اب دلہن کی رخصتی روک لینے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ خود میرا بیٹا اور تمہارا داماد اس بات کے لیے بضد ہے کہ اس کی منکوحہ ابھی اس کے ساتھ گھر جائے گی اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ ایسا سوچنے میں حق بجانب بھی ہے۔ جب نکاح ہو چکا تو اب دلہن کے بغیر خالی بارات واپس جاتی بھلا کیا جچے گی؟ سو عینی بیٹی کو ابھی ہمارے ساتھ ہی رخصت کر دو۔" "مگر...... خالہ" ہکلا کر رہ گئیں۔

"اگر مگر کچھ نہیں...... بیٹیاں تو پیر پیغمبروں نے بھی رخصت کر دیں۔ تم عینی کو زیادہ سے زیادہ چھ ما مزید اپنے پاس رکھ لو گی مگر آخر کو تو اسے ایک دن تم سے جدا ہو کر اپنے گھر جانا ہی ہے ناں؟ سو ابھی سہی۔"

"یہ بات نہیں ہے...... وہ دراصل۔" خالہ کچھ کہنے کی کوشش میں محض تھوک نگل کر رہ گئیں، انہیں کچ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔

"بھئی سوچ لو...... ابھی تو دولہا بڑی محبت اور شوق سے اپنی منکوحہ کا طلب گار بن کر ساتھ لے جا

چاہ رہا ہے مگر تم لوگوں کے انکار پر اگر آج اس کے دل میں بال آ گیا تو پھر بعد کو تمہاری بیٹی ساری زندگی سر پکڑ کر روئے گی۔" دولہا کی والدہ نے اپنے تئیں بڑے اہم نکتے کی جانب توجہ مبذول کرائی۔

"تو آپ اس کی والدہ ہیں، اسے سمجھائیں ناں کہ بڑوں کے درمیان جو فیصلے ہو چکے ہیں ان کی لاج رکھے۔" خالہ نے بے اختیار کہا تو دولہا کی والدہ ہنس دیں۔

"آج کل کی اولاد ایسی بات بھلا کہاں سمجھتی ہے اور پھر اس کا مطالبہ کچھ ایسا غلط بھی تو نہیں ہے وہ آپ سے نئے ماڈل کی کار نہیں مانگ رہا، کوٹھی اپنے نام نہیں لگوا رہا، بینک بیلنس نہیں پوچھ رہا، وہ تو صرف اپنی بیوی عینی کی رخصتی کروا کے ساتھ لے جانا چاہ رہا ہے۔ بلکہ یہ تو آپ کے حق میں زیادہ بہتر ہے کہ کچھ ماہ بعد بیٹی کو گھر سے لمبا چوڑا جہیز دے کر رخصت کرنا پڑتا مگر اب اس کی چنداں ضرورت نہیں بس ہمیں تو تین کپڑوں میں صرف ہماری بہو درکار ہے۔ باقی ہمارے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے۔" دولہا کی والدہ نے خالہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے دھیان سے سمجھایا۔

"اچھا...... میں ذرا گھر والوں سے تو مشورہ کر لوں۔" خالہ نے گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

تب ہال نما کمرے میں خاندان کے تمام بزرگوں کی "مشاورت کمیٹی" کا ہنگامی اجلاس منعقد کیا گیا۔ دولہا کی چرب زبان ماں بہنوں نے بالآخر یہ مقدمہ جیت کر ہی چھوڑا تھا۔

اور یوں یکدم ہی عینی کی رخصتی کی تیاری ہونے لگی، عزمی نے چابکدستی سے عینی کا میک اپ درست کیا اور پھر ایک چھوٹے سوٹ کیس میں اس کی ضرورت کی چیزیں مثلاً نائیٹ سوٹ، ٹاول گاؤن، اس کا نیا تولیہ، اور اسی طرح کی دوسری چھوٹی موٹی اشیاء رکھ دیں اور پھر کچھ دیر بعد ہی اس نے باہر جا کر عینی کی تیاری مکمل ہونے کی او کے رپورٹ دی تبھی خالہ بوکھلائی ہوئی عزمی کی امی کے پاس چلی آئیں؟

"سوچ رہی ہوں دلہن کے ساتھ کون جائے؟"

"لو...... یہ بھی کوئی مسئلہ ہے کیا؟ جسے تم کہو گی وہی ساتھ ولی بن کر چلی جائے گی۔" عزمی کی امی نے ہنس کر جواب دیا۔

"تو بس اب تم نسرین کو عینی کے ساتھ بھجوا دو۔" خالہ نے فوراً کہا "لیکن نسرین کا تو بچہ چھوٹا ہے اور

پھران دنوں اس کی طبیعت بھی کچھ کچی پکی سی ہے، تم اگر چاہو تو شبو عینی کے ساتھ چلی جائے گی۔''

''ہاں...... یہ بھی ٹھیک ہے۔'' خالہ اس اچانک رخصتی والی افتاد سے کافی بوکھلا کر رہ گئی تھیں۔ عزمی کی امی نے انہیں ساتھ لگا کر حوصلہ دیا۔

''خاطر جمع رکھو، دیکھنے میں تو اپنی عینی کے سسرال والے کافی معقول لوگ نظر آ رہے ہیں اللہ نے چاہا تو عینی خوش رہے گی وہاں۔'' مگر خالہ نجانے کیوں امی کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگیں اور امی کی آنکھوں میں رکے آنسو بھی پلکوں کی باندھ توڑ کر بہہ نکلے۔

سچ ہے کہ والدین بیٹیوں کے جنم کے ساتھی ہوتے ہیں مگر کرم (نصیب مقدر) کے نہیں۔ بیٹیاں بری نہیں لگتیں مگر برے نصیبوں سے خوف آتا ہے۔

ادھر عینی بھی اپنی اچانک رخصتی کا سن کر خوب زور و شور سے رو رہی تھی۔ کاجل مسکارا اور سرخی پاؤڈر سب ملیامیٹ ہو رہا تھا۔ تب نسرین بھابی نے آگے بڑھ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''اے عینی......! زیادہ ڈرامہ بازی کی ضرورت نہیں ہے ہمیں سب معلوم ہو گیا ہے کہ جب ادھر سارے منجھلی چچی کے ''سانپ ڈرامے'' کی شوٹنگ دیکھنے میں مصروف تھے تو نے اسٹیج پر ساتھ بیٹھے دولہا سے اپنی رخصتی کی ساز باز کر لی، مگر اب رو دھو کے خواہ مخواہ ہمارا دل دہلا رہی ہے۔''

بھابی کی بات سن کر عینی گھونگھٹ تلے مسکرا دی۔ ''تو اور کیا ہماری عینی کے حسن کا تیر، دولہا میاں کے عین دل میں جا کر ترازو ہوا ہے، اب بے چارے عمر بھر ''ہائے ہائے'' کرتے رہیں گے۔'' عزمی مسکرا دی۔

''عینی گربہ کشتن روز اول والی مثال مت بھولنا، پہلے دن جو اس پر عمل کر لے، ساری زندگی راز پاٹ اس کے ہاتھ رہتا ہے۔'' ایک اور تجربہ کار کزن نے آگے بڑھ کر کہا۔ جس کا شوہر...... گھنٹوں سے بچے سنبھال رہا تھا اور وہ ساری تقریب میں تتلی بنی ادھر ادھر اڑی پھر رہی تھی۔

''ہاں بھئی...... جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے......'' فریال پھوپھو کی ثمرا بھی ادھر چلی آئی اور جاتے جاتے عزمی سے اپنے سر پر ضرور ہاتھ پھروا لینا، کوئی اور بولی چونکہ اس نے تیمور بھائی کو جس طرح قابو

رکھا ہے وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں، ہاں واقعی...... محترمہ اتنے دنوں سے میکے میں ویلیاں (فراغت کے دن گزارنا) کھا رہی ہے اور وہ بے چارے وہاں اس کے انتظار میں سوکھ رہے ہوں گے۔ سچ میں تو ایک رات بھی میکے رک جاؤں تو میرے ''حضرت'' کا منہ سوج جاتا ہے، میرے میاں بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی ضرورت نہیں میکے میں رکنے کی، بس میرے ساتھ جاؤ ساتھ گھر آ جاؤ ورنہ میرا تمہارے بغیر دل نہیں لگتا۔''

کسی نے مان سے کہا۔ ''بھئی یہ سب مرد حضرات کی ''میکہ روک'' پالیسی ہوتی ہے اور تم بے چاریاں اسے اس کی محبت سمجھتی ہو، میکے میں بیوی کو رات بھر کے لیے نہ چھوڑنے کے پیچھے بھی اس کی اپنی غرض پوشیدہ ہوتی ہے، جسے وہ محبت کا نام دیتا ہے، جہاں اس کی غرض کوئی اور راستہ دیکھ لے تو وہ بیوی کو ہمیشہ کے لیے بھی میکے بھجوانے سے دریغ نہیں کرتا، تب اس کی محبت کہاں چلی جاتی ہے۔'' یہ سہیلی ماموں کی بیٹی ندا باجی تھیں۔ جن کے میاں نے دوسری شادی کر لی تھی۔

''سچ بتاؤ عزمی تیمور بھائی سے تمہاری ناراضگی چل رہی ہے کیا۔'' ارشد ماموں کی بیٹی نے اپنی عقابی نظریں عزمی کے چہرے پر گاڑتے ہوئے اچانک ہی وہ سوال داغ دیا تھا جس کی بازگشت کے خوف سے عزمی اب تک اپنے ہی خول میں سمٹی پھر رہی تھی وہ...... نہیں...... ہاں...... پتا نہیں۔ عزمی نے سر جھکا لیا۔

''دیکھا ناں مجھے پہلے ہی شک تھا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ ''نام عبدل ہے مگر سب کی خبر رکھتا ہوں۔'' اس کی کزن اپنے درست اندازے پر فخریہ انداز میں مسکرائی۔

''لو...... وہ میاں بیوی ہی کیا جن میں کبھی لڑائی نہ ہو، بقول کسی شاعر کے کہ ''بڑا مزہ اس ملاقات میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر'' ایک اور کزن نے مزے سے آنکھیں مٹکائیں۔

''مجھے اس شعر کے وزن کی درستگی پر شبہ ہے۔'' کسی نے اعتراض اٹھایا۔

''بات تو سمجھ میں آ گئی ناں تمہاری...... بس یہی کافی ہے۔''

''اور کیا! تم اپنے وزن اور صحت کی درستگی پر اپنی توجہ مبذول رکھو......'' جانے کس نے مشورہ پیش کیا

تھا کہ محفل کشت زعفران بن گئی، عینی بھی رونا دھونا بھول کر مسکرا رہی تھی۔

''ارے بھئی لڑکیوں......! اتنی دیر ہوگئی، کون سی کھچڑی پکا رہی ہو، جلدی سے عینی کو لے کر باہر پہنچو باراتی کھڑے دلہن کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔'' تب قرآن پاک کے سائے تلے عینی کو اس کے جیون ساتھی کے سنگ رخصت کر دیا گیا۔ شبو آپا بھی اپنی ضروری چیزوں پر مشتمل بیگ تیار کر کے عینی کے ساتھ ہی گاڑی میں جا بیٹھی تھیں۔ سجی سجائی کار رینگی اور یوں عینی اپنے شریک سفر کے ہمراہ نئے سفر گامزن ہوگئی۔

☆......☆......☆

اگر چہ تیمور نے ممی اور انکل کو ایئر پورٹ آنے سے منع کر دیا تھا تاہم کسی موہوم سی آس پر اس نے باہر نکلتے ہی ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے لوگوں کے ہجوم میں وہ چہرہ نظر آ گیا جسے دیکھتے ہی اس کے دل کی کلی کھل اٹھی......وہ گویا تپتے صحرا سے یکدم ہی ہرے بھرے نخلستان میں آ گیا تھا۔ تیمور اک خواب کی کیفیت میں آگے بڑھا اور سامنے کھڑی لیزا کو بے اختیار اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ کافی دیر تک دونوں کچھ نہیں بول سکے، تب کئی لمحوں بعد میرو ہی ہوش و خرد کی دنیا میں واپس پلٹا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں آ رہا ہوں؟'' اس نے بے ساختہ سوال کیا چونکہ لیزا سے تو اس کا را نہیں ہو سکا تھا جو اسے اپنی آمد کی اطلاع دے پاتا۔

''دیکھ لو......میں نے بس جادو سیکھ لیا ہے......'' لیزا مسکرائی اور اپنی سرخ اسپورٹس کار کی ڈگی دی تا کہ تیمور اپنا سامان رکھ سکے۔

''مگر پھر بھی......'' تیمور کو تجسس ہو رہا تھا۔

''سو سمپل......میں نے پاکستان تمہارے گھر فون کیا تو وہاں تمہارے ملازم رحیم بخش نے مجھ کہ تم امریکہ کے لیے فلائی کر چکے ہو، تب میں نے تمہارے گھر فون کیا تو تمہارے فادر......''

''انکل......'' تیمور نے تصحیح کی۔

''ہاں فریدی انکل نے مجھے تمہارے تفصیلی پروگرام سے آگاہ کیا۔'' لیزا نے تفصیل بتائی اور

گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ''شکر ہے تمہاری مام (امی) سے بات نہیں ہوئی ورنہ وہ تو میرے فون پر بہت موڈ آف کرتی ہیں، البتہ تمہاری بہنیں بہت خوش مزاج ہیں، وہ تمہاری مام پر نہیں گئیں بلکہ فریدی انکل کی کاپی ہیں۔'' لیزا نے بے لاگ تبصرہ کیا مگر تیمور اس تبصرے سے خوش نہیں ہوا۔

''ہاں فریدی انکل واقعی بہت خوش اخلاق ہیں، اسی ہنس مکھ مزاجی کے جال میں تو میری ماں پھنس گئی تھیں۔'' بظاہر تیمور ہنس کر بولا تھا مگر لہجے میں ہلکی سی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

''کم آن میرو......'' لیزا نے بے تکلفی سے تیمور کے کندھے پر دھپ رسید کیا۔ ''اتنے عرصے بعد ملے ہو، اچھی باتیں کرو ناں۔ یا پھر تفصیلی بات چیت میرے فلیٹ پر چل کر ہی کرو گے......''

لیزا نے شرارت سے ایک آنکھ میچ کر اسے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آں......؟ نہیں لیزا......'' یکدم ہی تیمور کو کچھ یاد آ گیا۔

''وہ دراصل میں گھر میں ممی کو اپنی آمد کی پیشگی اطلاع دے چکا ہوں، لہٰذا وہ میری منتظر ہوں گی اور اگر میں بروقت گھر نہ پہنچا تو بے حد فکر مند ہوں گی۔''

''تو کیا ہوا......میرے فلیٹ سے فون کر کے اطلاع دے دینا کہ تم اپنے ایک دوست کے ساتھ ہو، لہٰذا ذرا دیر بعد گھر پہنچو گے۔'' لیزا نے حل پیش کیا۔

''ممی کو چکمہ دینا اتنا آسان کام نہیں ہے، اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہاں تمہارے علاوہ کوئی ایسا دوست نہیں جس کو امریکہ آتے ہی میں درشن دینے پہنچ جاؤں......'' لیزا خاموش ہوگئی۔ تب تیمور نے اسے گدگدایا۔

''چلو موڈ بحال کرو۔ وعدہ شام تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ دیکھنا آج ڈانسنگ فلور بھی دو محبت کے متوالوں کے عمدہ رقص سے تھرک اٹھے گا۔'' لیزا تب بھی چپ رہی۔

''اچھا چلو......پہلے تمہارے فلیٹ پر ہی چلتے ہیں۔ مگر زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔'' تیمور نے بالآخر ہتھیار ڈالے، لیزا کی خفگی اسے کب منظور تھی۔

''ہاں چلو ٹھیک ہے، بس آدھا گھنٹہ بھی ہمارے لیے کافی ہوگا۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ کی بنی کافی

پلاؤں گی۔'' لیزا نے گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑ لی، وہ خوشی سے دوبارہ چہک رہی تھی۔

تیمور نے دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

کھلے گریبان کی سرخ اور نیلی ٹی شرٹ میں شولڈر کٹ سنہری بالوں کی پونی ٹیل بنائے، سن گلاسز کے ساتھ وہ کافی اچھی لگ رہی تھی، بلیک شارٹ کے نیچے اس کی صحت مند ٹانگیں کھلے عام دعوت نظارہ دے رہی تھیں، سفید پیروں میں سیاہ سینڈل کافی جچ رہے تھے، اور وہ عام امریکی لڑکیوں کی طرح مسلسل منہ چلا رہی تھی، منہ میں شاید چیونگم تھی یا چاکلیٹ! تیمور کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

لیزا کا چھوٹا سا فلیٹ بے حد صاف ستھرا اور سجا سنورا تھا۔ ٹیرس پر سرسبز پودے جھوم رہے تھے۔ اس کے پاس ان ڈور پلانٹس کی بھی کافی کولیکشن تھی۔

وہ اسے سٹنگ روم میں بٹھا کر شیشے کی الماری سے وہسکی اور جام نکال لائی۔ ''اتنی دیر یہ پیو...... میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔''

''لیزا......! میں صرف کھانے پینے کے لیے ہی اتنی دور کا سفر طے کر کے آیا ہوں؟'' تیمور نے اس کا ہاتھ تھام کر شکایت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پھر......؟'' لیزا مسکرا دی۔

اور اس پھر کا جو جواب اسے تیمور نے دیا تھا وہ کافی طویل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ تیمور چونک کر کھڑا ہو گیا۔

''اوہ...... دو گھنٹے گزر گئے، تمہارے سنگ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا، اچھا میں اب چلوں ورنہ ممی تو چٹنی بنا ڈالیں گی میری۔'' تیمور نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی رسٹ واچ اٹھا کر کلائی میں ڈالی او صوفے پر بیٹھ کر پیروں میں اپنی جرابیں اور بوٹ پہننے لگا۔

''بہت ڈرتے ہو اپنی مما سے؟'' لیزا نے آئینے کے سامنے اپنے لبوں پر لپ اسٹک کی گہری تہ جماتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

''کسی کا خوف بذات خود کچھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس ہستی کا احترام، اس سے محبت کی دلیل اور حقیقت اس کی توجہ کے چھن جانے سے بچنے کا ایک عمل ہوا کرتا ہے۔ دراصل ہم جن لوگوں سے بہ

محبت کرتے ہیں، انہیں ناراض کرنے سے ڈرتے ہیں تا کہ ہمیں ہمہ وقت ان کا پیار اور قربت دستیاب رہے۔'' تیمور نے جواب میں پورا فلسفہ بیان کر ڈالا۔

''چلو...... اچھی بات ہے۔ ایسا ہی خوف کچھ میرا بھی رکھنا۔'' لیزا بالوں میں برش پھیرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''اگر یہ سب نہ ہوتا تو تیمور اس وقت یہاں ہوتا......؟ تمہارے پاس...... تمہاری اہمیت میری زندگی میں باقی سب لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کیا یہ بات تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوئی لیزا......؟'' تیمور نے اس کے قریب آ کر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر ٹکا کر اس کی گہری نیلی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہاں...... مجھے پتا ہے۔'' وہ فخر سے مسکرائی۔ ''اچھا اب چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے۔'' لیزا نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لیے تیمور کے مضبوط ہاتھوں کی حرارت...... رفتہ رفتہ لیزا کی ہتھیلیاں اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔

''کاش یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کی گرفت میں رہتے۔ تو زندگی کے کتنے ہی کٹھن مراحل دیکھتے ہی دیکھتے طے ہو جاتے۔'' تیمور نے سوچا۔

''آؤ چلیں......'' لیزا نے دونوں کے درمیان چھایا سکوت توڑا۔

''چلو......'' تیمور نے اس کی کمر میں بازو ڈال کر اسے ساتھ لگا لیا۔

''ٹھہرو...... میں دراز میں سے اپنا پرس نکال لاؤں......'' لیزا جلدی سے اس سمت لپکی اور پرس لے کر فوراً آ بھی گئی۔

''تم آج کل بہت زیادہ تمباکو نوشی کی عادی نہیں ہو گئیں؟''

شیشے کی سینٹر ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر رکھی ایش ٹرے میں بے شمار بجھے ہوئے اور کچھ ادھ جلے سگریٹس کے ٹوٹے (ٹکڑے) اور ان کی راکھ دیکھ کر تیمور کہے بغیر نہ رہ سکا۔

''نہیں...... میں تو اتنی سگریٹ نہیں پیتی یہ تو......'' وہ جانے روانی میں کیا کہنے جا رہی تھی کہ کسی احساس کے تحت اچانک خود بخود چپ ہو گئی اور تیمور نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا تھا۔ مگر لیزا نے

نظر چرالی۔

''اچھا......تم رات کو کلب جاتے ہوئے بھلا کون سا ڈریس پہنو گی؟'' تیمور آگے بڑھا اور سامنے موجود وارڈ روب کے دونوں پٹ کھول ڈالے تا کہ لیزا کو شام کے لیے ڈریس منتخب کرنے میں مدد دے سکے۔مگر پھر فوراً ہی چونک کر ایسے پیچھے ہٹا کہ جیسے بچھو نے ڈنگ مار لیا ہو۔الماری میں ترتیب سے رکھے تہہ شدہ اور ہینگرز میں لٹکے تمام سوٹ مردانہ تھے۔تیمور نے فوراً الماری بند کر دی اور لیزا کی طرف مڑا......؟

''وہ دراصل میرے کپڑوں کی الماری دوسری طرف ہے۔'' لیزا نے مسکرا کر وضاحت کی۔

''چلو بس بعد میں خود ہی دیکھ لینا۔مجھے تو ویسے بھی دیر ہو رہی ہے۔'' وہ باہر جانے کے لیے آگے بڑھا اور دروازے کی چابی اٹھا کر لیزا بھی اس کے پیچھے ہی نکل آئی۔

''تم مجھے کسی ٹیکسی اسٹینڈ پر ڈراپ کر دو۔'' تیمور نے گاڑی میں بیٹھ کر کہا اور جواباً لیزا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

چونکہ نکاح میں شامل تمام عزیز و اقارب کا تعلق اسی شہر سے تھا چنانچہ عینی کے رخصت ہوتے ہی سب لوگوں نے خالہ سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کی طرف واپسی کا قصد کیا۔

حمیرا چچی اور نبیلہ تائی جب اپنی اپنی چادر و برقعے اٹھانے کمرے میں آئیں تو وہاں پہلے سے موجود سعیدہ ممانی نے راز دارانہ انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

''اے یہ عزمی بھلا کیوں اتنے عرصے سے میکے میں دھونی رمائے بیٹھی ہے؟''

''پتہ نہیں ویسے عزمی کے گھر والے تو ہر ایک سے یہی کہہ رہے ہیں کہ چونکہ تیمور کو کمپنی کی طرف تین، چار ماہ کے لیے امریکہ و یورپ کے دورے پر جانا تھا اور عزمی کو ان دنوں ڈاکٹر نے سفر منع کر ہے سو وہ تو ساتھ جا نہیں سکتی اور تیمور کے بغیر پیچھے گھر میں بھی تنہا نہیں رہ سکتی تھی، سو تیمور نے اجازت دی کہ اس کی غیر موجودگی کے دوران اپنے میکے جا کر رہ لے تا کہ اسے بھی وہاں اطمینان

کہ عزمی محفوظ ہے، البتہ اگر اس کا سسرال یہاں ہوتا تب ظاہر ہے وہ سسرال والوں کے ساتھ ہی ہوتی۔'' حمیرا چچی نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اے بی بی......سنا تو ہم نے بھی یہی ہے۔مگر آثار کچھ اور دکھائی دے رہے ہیں۔'' نبیلہ تائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''ارے نہیں بھابی......ابھی پچھلے ہی دنوں تو تیمور نے اپنے ڈرائیور کے ہاتھ عزمی کے استعمال کے لیے کار بھجوائی ہے۔چونکہ کامران میاں تو اپنی کار دفتر لے جاتے تھے اور پیچھے عزمی کو ڈاکٹر وغیرہ کے پاس جانے میں پرابلم ہوتی تھی، سو تیمور نے کار بھجوا دی تا کہ اسے رکشے ٹیکسیوں میں دھکے نہ کھانے پڑیں۔'' حمیرا چچی نے عزمی کے حق میں اپنی جانب سے مضبوط دلیل پیش کی تھی مگر سعیدہ چچی نفی میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

''بھئی ہمارے پاس تو کچھ اور قسم کی خبریں ہیں، مگر خود عزمی کے گھر والے منہ سے کچھ پھوٹ کر نہیں دے رہے تو ہم کیوں کسی سے کہیں، تمہیں تو معلوم ہے کہ مجھے تو ویسے بھی کسی کی بات ادھر ادھر کرنے کا شوق نہیں، اگر کوئی مجھ سے اپنا راز کہہ دے تو بس سمجھ لو کہ بات کنویں میں پڑ گئی۔'' اتنا کہہ کر سعیدہ تائی نے دونوں خواتین کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیا اور اپنی بات میں سسپنس پیدا کرنے کو خاموش ہو گئیں جبکہ نبیلہ تائی کو بات جاننے کی کھد بد لگ گئی۔

''اے اب بتا بھی ڈالو'' حمیرا چچی بھی متجسس نظروں سے سعیدہ بی کی طرف دیکھنے لگیں، تب وہ راز داری سے دونوں کی طرف جھک کر کہنے لگیں۔

''بھئی یہ عزمی کی بھاوج ہے ناں؟ ارے نسرین کی بات کر رہی ہوں......''

''ہاں ہاں: پتا ہے اب بول بھی چکو......'' نبیلہ تائی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔

''ہاں تم سنو بھی تو سہی۔'' سعیدہ بی نے انہیں چپ کرایا اور وہ خاموش ہو کر ان کی بات سننے لگیں۔

''تو بھئی......نسرین کی امی میری دور کی رشتہ دار بھی لگتی ہیں وہ مجھے ایک تقریب میں ملیں تو انہوں نے ہی یہ بتایا کہ عزمی اپنے شوہر سے ناراض ہو کر میکے آئی ہوئی ہے......اور آج کل ادھر ادھر نوکری کی

تلاش میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، انہوں نے اپنے تئیں انکشاف کر کے داد طلب نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"مگر نسرین کی اماں کو یہ بات کیونکر پتا چلی؟" حمیرا چچی نے سوال کیا۔

"لو اور سنو..... تمہارا بھی وہ حساب کہ ساری رات ہوگئی کہانی سنتے اور..... ارے بھئی (وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولیں) سمجھا کرو..... نسرین سے بھلا گھر کا کوئی معاملہ چھپا رہ سکتا ہے بھلا؟ اسی نے جا کر اپنی ماں کو بتایا ہوگا ناں..... وہ کیا کہتے ہیں کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔"

"ہاں بھئی..... ہم کچھ بولے تو خواہ مخواہ بات پکڑی جائے گی اور پھر دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" سعیدہ بی نے ادھر ادھر محتاط انداز میں دیکھا۔

"لو یاد رکھنا..... میں نے تو تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں۔ ارے بھلا میری کہاں عادت ہے کسی کی کوئی بات بتانے کی۔"

"تو اور کیا..... بس بے فکر ہو جاؤ..... تم نے مجھ سے بات کی ہے اور میں تو خود تمہاری طرح ہوں جب کوئی دل کی بات مجھ سے کرتا ہے تو کیا مجال جو آگے کہیں کر جاؤں۔" نبیلہ چچی نے انہیں تسلی دی اور حمیرا چچی مسکرا دیں۔ تبھی شجاعت چچا کے پکارنے پر "ابھی آئی" کہتے ہوئے انہوں نے دونوں خواتین سے اجازت چاہی۔

"اچھا اب چلو..... کل شام انشاء اللہ عینی کے ولیمے پر ملاقات ہوگی۔"

"ارے ہاں سنا ہے کہ اس کے سسرال والوں نے عینی کے میکے سے تمام رشتے داروں کو ولیمے کی دعوت دی ہے۔" تائی نے آنکھیں گھمائیں۔

"ہاں بھئی اچھے کھاتے پیتے لوگ لگتے ہیں۔" سعیدہ بی نے حمایت کی۔

"مجھے تو بھابی..... وہ لوگ کافی نو دولتیے ہی لگے..... لڑکے کی ماں نے خواہ مخواہ اتنا بھاری زیور لاد رکھا تھا اور میک اپ بھی چلچلاتا ہوا کر رکھا تھا۔" حمیرا چچی نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"بھئی جسے خدا دے وہ کیوں نہ سونے میں پیلا ہو۔" تائی نبیلہ نے رشک سے کہا۔

"اس حد تک تو ٹھیک ہے مگر مجھے تو اپنے ناز و انداز سے وہ کافی شوقین مزاج عورت لگی، دولہا کی والدہ تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔"

حمیرا چچی بولیں۔ "بھئی جب خدا کھلا پیسہ دے اور ساتھ صورت شکل بھی ڈھنگ کی ہو تو ناز و ادا خود بخود آ جاتے ہیں وہ مثل نہیں سنی تم نے کہ۔"

"غریب کی جورو سب کی دادی، اور امیر کی جورو سب کی بھابی۔" تائی نبیلہ موقع و محل کی مناسبت سے ضرب المثال برتنے میں اپنی مثال آپ تھیں، حمیرا چچی مسکرا دیں اور شجاعت چچا کے دوبارہ پکارنے پر خدا حافظ کہہ کر باہر کو لپکیں اور ان کے پیچھے نبیلہ تائی اور سعیدہ ممانی بھی باہر کی سمت چل دیں۔

☆......☆......☆

باقی تو تمام مہمان جا چکے تھے مگر عزمی وغیرہ کے گھرانے کو خالہ نے بضد اصرار روک لیا تھا کہ اب عینی کی چوتھی چالوں کی رسمیں وغیرہ کر کے ہی گھر جانا، کامران بھائی نے آفس کا بہانہ کر کے گھر جانا چاہا تو خالہ نے انہیں بھی نہ جانے دیا، کہ یہاں سے تمہارا آفس زیادہ نزدیک پڑتا ہے۔ ناشتے کے بعد یہیں سے چلے جایا کرنا اور دوپہر کو آ جایا کرنا، ان کے علاوہ خالہ کی ایک نند جو نکاح میں شمولیت کے لیے سکھر سے آئی ہوئی تھیں وہ بھی خالہ کے اصرار پر ٹھہر گئی تھیں، سب کو ہونے والی چائے کی طلب نسرین بھابی اور عزمی کو کچن میں لے گئی تھی، گھر میں عجب ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی، میز کرسیاں ادھر ادھر پڑی تھیں، قالین اور فرش پر گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں اور نمرا کمر کے گرد دوپٹہ کس کے صفائی میں مشغول تھی اور اس کے سگھڑ ہاتھوں کی بدولت جلد ہی ہر چیز اپنے ٹھکانے پر آتی جا رہی تھی، خالہ اور خالو اور خالہ کی نند وغیرہ خوش گپیوں میں مشغول تھے جانے کون کون سے پرانے قصے دہرا کر قہقہے فضا میں رس گھول رہے تھے۔ جبکہ نشو اور خالہ کی بیٹی اسماء سب کے لیے بستر ٹھیک کر رہی تھیں۔

عفی کو دو روز بعد اپنی ڈیوٹی جوائن کرنے بلوچستان جانا تھا۔ سو وہ اپنے کمرے میں آ کر اپنی ڈائری میں ان ضرور چیزوں کا اندراج کرنے لگا جو اسے اپنے ہمراہ لے جانی تھیں تاکہ کوئی ضروری چیز رہ نہ

جائے۔اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنی ڈائری بند کر کے سٹڈی ٹیبل کی دراز میں ڈالی اور اپنے بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔

فراغت کے لمحات میسر آتے ہی اچانک اسے اپنی جیب میں پڑے اس پرچے کا خیال آیا جو اسے نشو نے دیا تھا۔اس نے جھٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر تہہ شدہ کاغذ باہر نکالا اور اسے کھول کر بغور پڑھنے لگا۔

جیسے جیسے اس کی نظریں تحریر سے پھسلتی جا رہی تھیں اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

عفی نے پرچہ چرمر کر کے اتنی زور سے اپنی مٹھی میں دبایا کہ ہتھیلی کی پشت پر نیلی رگیں ابھر آئیں، ساتھ ہی دوسرے ہاتھ کا مکہ بنا کر اس نے زور سے میز پر مارا اور پھر وہ مڑا تڑا کاغذ ٹیبل پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی کنپٹیاں دبالیں اور آنکھیں بند کر کے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس پرچے پر لکھی تحریر نے اسے سچ مچ اندر تک سے ہلا ڈالا تھا۔وہ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ......نشو......کہ......اف......ف......ف......''

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا، کیا کرے وہ؟؟؟

شدید بے چینی کے عالم میں کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔وہ عجب تذبذب کا شکار تھا۔

کیا اس تحریر کو ایک معصوم سی خطا سمجھ کر نظر انداز کر دے؟ یا پھر سرکش اور منہ زور جذبوں کی سرکوبی ضروری ہے۔جذبات کی ہلکی پھلکی لہریں بالآخر کبھی نہ کبھی کسی بڑے طوفان کا روپ بھی دھار سکتی ہیں اور پھر......پھر......یہ طوفان کچھ نہیں دیکھتا، سب کچھ اپنے ساتھ خس و خاشاک کی مانند بہا کر لے جاتا ہے آن واحد میں سب کچھ ملیا میٹ ہو کر رہ جاتا ہے اور پیچھے......تباہی کے نشانات کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا، تب دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور خاموشی سے باہر چلا آیا۔سامنے ہی مہمانوں کے لیے بستر بچھاتی اسے نشو نظر آ گئی چہرے پر قدرے سختی کے آثار اور آنکھوں میں ناراضگی کا تاثر لیے وہ نشو کے سر پر جا پہنچا۔

''نشو......'' آواز پر نشو نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تو عفی بھائی کے بھنچے بھنچے لب، پتھریلا چہرہ ا

سرد لہجہ اسے اندر تک سہا گیا۔

''نشو......تمہارا کام ختم ہو جائے تو ذرا میرے کمرے میں آنا۔''

''جی......؟ جی......'' نشو محض ہکلا کر رہ گئی تھی۔وہ حکم حاضری دے کر پلٹ بھی گئے تھے اور نشو گم صم انہیں ان کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی۔

''آج تو خدا خیر ہی کرے'' نشو نے بستر کی شکن آلود چادر درست کرتے ہوئے سوچا۔آج اس نے پہلی بار عفی بھائی کا یہ روپ دیکھا تھا، دوسرے کی رگوں میں خون سرد کر دینے والا ان کا لہجہ سنا تھا ورنہ اس سے پہلے تو انہیں ہمیشہ ہنستے کھلکھلاتے ہی پایا تھا۔

وہ تو خاندان بھر میں انتہائی ٹھنڈے مزاج کے، بلا کے شیریں گفتار اور بے حد خوش خلق مشہور تھے۔ بزرگوں کے پسندیدہ، نوجوان لڑکیوں کے آئیڈیل اور بچوں کے من پسند ''ہیرو'' تھے۔

اور پھر نشو......نشو کے لیے تو وہ......جانے کیا سے کیا ہو گئے تھے۔اس سے بے حد پیار بھی تو کرتے تھے وہ......بے حد لاڈلی بہن تھی وہ ان کی......خالہ زاد ہونے کے باوجود......وہ اپنی سگی بہنوں سے بڑھ کر عزیز بھی انہیں۔بچپن میں کتنی ہی بار اپنی گود میں کھلایا تھا اسے۔اسی کی زبان میں تتلا کر باتیں کی تھیں اس سے، اپنے کاندھوں پر بٹھا کر سیر کرائی تھی، گھوڑا بن کے اپنی پیٹھ پر لادے پھرے تھے۔اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر کہانیاں سنائی تھیں۔اس کی ہر فرمائش لپک جھپک کر پوری کیا کرتے اور ابھی تک بھی بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے تھے اسے۔

مگر......نہ جانے کیوں......؟

بالکل اچانک ہی......اب آ کر ان کے اس انداز نے نشو کو سلگا کر رکھ دیا تھا۔وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی نام دینے سے قاصر تھے......اب جب کہ وہ......عنفوان شباب کی حدود کو چھو رہی تھی، سوچ کے زاویے بدل رہے تھے۔نگاہوں کے مناظر تبدیل ہو رہے تھے۔ہوائیں اس کے بالوں کو چھو کر اٹھکیلیاں کرنے لگی تھیں، پھول جھوم جھوم کر اسے انجانے سندیسے سنا رہے تھے، تو دل کی مدھر تان پر اس کی دھڑکنیں جو گیت گنگنا اٹھی تھیں......اس کی بازگشت کا گلا گھونٹنا اب اس کے بس کی بات نہیں رہی

تھی۔

کیسے سنائے وہ یہ گیت......!!

ہوائیں جو پیغام اسے سناتی ہیں
وہ راز کی بات کسے بتائے جا کر

عفی بھائی......عفی بھائی......دل ان سے شیئر کرنے کو مچل اٹھا۔ سب سے زیادہ انہیں کے تو قریب تھی وہ......

وہ ضرور اس کی یہ فرمائش بھی پوری کر دیں گے۔ ہاں بالکل......وہ اگر بوتل میں ہاتھی بند کرنے کی ضد بھی کرتی تو وہ یقیناً کسی نہ کسی طرح یہ بھی کر گزرتے اور یہ معاملہ تو خود ان کے اپنے ہاتھ میں تھا...... تبھی تو اس نے کاسہ سوال دراز کر دیا تھا، مگر......مگر آج یہ کیسی تپش تھی عفی بھائی کے لہجے میں......؟

"خیر میں کوئی نہیں ڈرتی ورتی عفی بھائی سے۔" اس نے حوصلے کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما۔

"کون سا گناہ کر دیا ہے میں نے؟؟ صرف اپنی زندگی کی ایک حقیقت سے ہی تو آگاہ کیا ہے انہیں اور سچائی سے منہ موڑنا بھلا کہاں کی دانشمندی ہے......!! اور اگر اتنی سی بات پر عفی بھائی خفا ہوا کرتے ہیں تو میری بلا سے۔" اس نے لاپروائی سے سر جھٹکا اور انہوں نے کامران بھائی سے شکایت کر دی تو......؟

دل میں ایک اندیشے نے سر ابھارا۔

"خیر دیکھا جائے گا تب......" سوچوں کے تانے بانے بنتی نشو بستر لگانے کے بعد بوجھل ذہن مرے مرے قدموں سے چلتی عفی بھائی کے کمرے کی جانب بڑھی، آگے ٹی وی لاؤنج میں خالہ کی نند دونوں بیٹیاں بیٹھی نہایت انہماک سے ٹی وی پر کوئی ایکشن مووی دیکھنے میں مصروف تھیں جبکہ ان قریب ہی بیٹھی نمرا اپنا جیولری باکس کھولے کل شام ولیمے کی تقریب میں پہننے کے لیے کپڑوں کے سا کی میچنگ جیولری تلاش کر رہی تھی، نشو دبے قدموں آگے بڑھ گئی مبادا وہ اسے مشورے کے لیے بیٹھے۔

احمر بھائی اور کامران بھائی شاید کسی کام سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ جبکہ امی، خالہ اور ان کے

اور نند وئی خالہ ہی کے کمرے میں محفل جمائے ہوئے تھے، پان چھالیہ کا دور چل رہا تھا اور نہ جانے کون کون سے قصے چھڑے ہوئے تھے۔

"نشو......! ذرا یہ چائے تو عفی کو پکڑا آنا۔" بھابی نے کچن سے نکل کر گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے کی پیالی اسے تھما دی اور نشو نے دوبارہ قدم آگے بڑھا دیے اور سامنے ہی عفی بھائی کا کمرہ آ گیا تھا۔

نشو نے دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر پھیلایا اور اک گہرا سانس لے کر اپنا زائل ہوتا ہوا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دروازے پر دستک کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ عفی بھائی کی گھمبیر آواز سنائی دی۔

"اندر آ جاؤ......" شاید انہوں نے دروازے پر اس کے قدموں کی آہٹ پالی تھی، دھڑکتے دل کے ساتھ نشو اندر داخل ہوئی اور سٹڈی ٹیبل کے سامنے کرسی پر بیٹھے عفی بھائی کی سمت چائے کی پیالی آگے بڑھائی۔ "آپ کی چائے عفی بھائی......"

"میز پر رکھ دو......" انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہی روکھے لہجے میں جواب دیا اور اس کا رہا سہا اعتماد بھی ساتھ چھوڑنے لگا۔ چند لمحات یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

عفی بھائی کسی فائل پر جھکے اپنے آپ کو بے حد مصروف ظاہر کرتے رہے اور وہ یونہی کھڑی ان دیکھے اندیشوں میں گھری لرزتی رہی تب اس نے ہمت کر کے ساکن جھیل میں کنکر پھینکا۔

"آپ نے بلایا تھا عفی بھائی......؟" اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

تب عفی نے کاغذ پر چلتا قلم روک کر جن نظروں سے اسے دیکھا تھا، وہ انداز نشو کے ہوش گم کر دینے کو کافی تھا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہیں کیوں بلایا گیا ہے؟ واقعی اتنی کمسن اور بھولی ہو تم؟؟؟" ان کی نگاہوں میں یہی سوال تو پنہاں تھا جسے پا کر جواباً نشو نے سر جھکا لیا تھا۔ تب عفی بھائی نے کاغذ کا وہ شکن آلود پرچہ اس کی سمت بڑھایا۔

"یہ کیا ہے نشو؟" انہوں نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ مگر اس بار انداز بہت

پرسکون تھا۔ جواباً نشو چپ چاپ کھڑی اپنی کلائی میں پڑی چوڑیوں سے کھیلتی رہی۔

''میں پوچھ رہا ہوں...... یہ کیا گھٹیا پن ہے؟؟'' انہوں نے کاغذ کا پرچہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

''کیا تم سن رہی ہو؟ بولتی کیوں نہیں اب!! بہری ہو گئی ہو کیا؟'' انہوں نے قدرے چلا کر کہا مگر اس احتیاط سے کہ آواز کمرے سے باہر نہ جائے۔

''جی سن رہی ہوں......'' نشو نے سر اٹھا کر نہایت پرسکون انداز میں جواب دیا۔

عفی بھائی اس کا یہ انداز دیکھ کر سٹپٹا سے گئے، اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی خوف یا ندامت کوئی آثار نہ تھے، بلکہ اس کا رویہ اس کے حد درجہ پراعتماد ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

''پھر بتاتی کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟'' عفی بھائی غرائے۔

''محض جذبات کا اظہار......'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔

''اور جذبات کوئی مجرم نہیں ہوتے عفی بھائی کہ انہیں بیڑیاں پہنا کر، بندشوں میں جکڑ کر، سلاسل کر دیا جائے۔ یہ تو خوشبو کی طرح ایک من کے آنگن سے نکل کر دوسرے من کے آنگن میں جایا کرتے ہیں، محبت کے بخارات بادلوں کا روپ دھار کر جب کسی کے دل کی بنجر زمین پر پھوار کی چپکے سے برس جاتے ہیں تو دوسرے کو اس وقت پتا چلتا ہے جب خشک و بنجر زمین سے چاہت کی بھری کونپلیں پھوٹ پڑتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے گہری جڑ پکڑ لیتی ہیں۔''

''جسٹ شٹ اپ......'' عفی بھائی کا چہرہ غصے کی حدت سے دہک اٹھا تھا اور وہ کرسی چھ کھڑے ہو گئے۔

''یہ صلہ دیا ہے نشو تم نے میرے لاڈ پیار کا۔ مجھے بے حد افسوس ہوا۔ لگتا ہے ان دنوں پڑوسی ملک فلمیں بہت دیکھنے لگی ہو، یا پھر کسی گھٹیا ترین مصنف کا کوئی ناول تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے...... یا نیچ شاعر کا مجموعہ کلام ان دنوں تمہارے زیر مطالعہ ہے، ورنہ تم ایسی بچی تو نہیں تھیں۔''

''بچی......؟؟'' نشو استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

''میں بچی نہیں رہی عفی بھائی، دسویں جماعت کی سولہ سالہ وہ طالبہ ہوں جسے اب امی چادر اوڑھ کر سکول جانے کی تاکید کیا کرتی ہیں، اور جو کورس کی کتابیں پڑھنے کے علاوہ نصاب عشق کے اسرار و رموز سے بھی واقف ہو چکی ہے۔ آپ اسے ابھی تک بچی سمجھتے ہیں...... حیرت ہے۔''

''مگر یاد رکھو نشو...... جو تم چاہتی ہو وہ کبھی نہیں ہو سکتا، سنا تم نے؟''

عفی بھائی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس حد درجہ ڈھٹائی، بے شرمی اور اس بد زبانی پر اسے کچا ہی چبا جاتے۔

''کسی بھی بلند و سرکش پہاڑ کی چوٹی کو سر کرنے کے لیے پہلا قدم اٹھانا ہی اولین شرط ہوا کرتی ہے عفان احمد عثمانی صاحب......! ورنہ تو حوصلوں کو سلامی دینے کے لیے کبھی کبھی خود بلندیاں ہی قدم چومنے کو جھک جایا کرتی ہیں۔'' وہ اس کے مد مقابل آ کر مسکرائی۔

''امپاسیبل......'' عفی نے اپنے جبڑے بھینچے اور وہ پرچہ پرزہ پرزہ کر کے اس کے سامنے ہوا میں اچھال دیا۔ ''گیٹ لاسٹ۔''

''نو پرابلم......'' وہ بڑے ضبط سے مسکرا دی۔

''آپ بے شک اپنے دل کے آنگن کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیجیے اور اس پر جتنے مرضی پہرے دار بٹھا لیجیے۔ مگر یاد رکھیں۔ میں بھی پکی چورنی ہوں...... نقب لگا کر اندر گھس آؤں گی۔'' اس کی کاجل لگی آنکھوں میں کھلا چیلنج تھا۔ اب عفی کا ضبط جواب دے بیٹھا تھا۔

''نشو اس سے پہلے کہ میں تمہیں مار بیٹھوں...... چلی جاؤ یہاں سے...... ورنہ مار مار کر دماغ سے عشق کا بھوت اتار دوں گا۔ سمجھی؟؟'' عفی نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی، غصے کی شدت سے ان کی ناک کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔

''ہونہہ......'' نشو نے ایک نظر عفی پر ڈالی اور پلٹ کر دروازے کی سمت بڑھ گئی اور تلملاتا ہوا عفی اس کی پشت پر پڑی سیاہ چوٹی کو بل کھاتے دیکھتا رہ گیا اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''نشو......!'' نمرا نے اسے تیز قدموں سے کمرے کی سمت جاتے دیکھا تو پکار لیا۔

"تم کل کیا پہنو گی؟"

"کپڑے......" جواب دینے کے دوران بھی نشو وہاں رکی نہیں اور سیدھی آ کر واش روم میں بند ہو گئی۔ آخر آنسوؤں کی صورت دل کا غبار بھی تو نکالنا تھا کہیں۔

"کبھی کسی بات کا ڈھنگ سے جواب نہیں دیتی یہ لڑکی۔" نمرا نے سوچا۔

☆☆☆

بیگم سلمٰی شوکت کی بے قراری بام عروج پر ہے اور شدید بے چینی کے عالم میں ہاتھ مسلتی ہوئی کمرے میں ٹہل رہی ہے، کبھی سائیڈ ٹیبل پر پڑا موبائل فون اٹھا کر بار بار کوئی نمبر ڈائل کرتی اور پھر جواب نہ ملنے پر مایوسی سے سر ہلا کر رہ جاتی ہے۔

صبح سے ضمیر خان گھر نہیں آیا اور موبائل بھی اٹینڈ نہیں کر رہا۔

"پتا نہیں کہاں ہے وہ......؟ خدا میرے بچے کی حفاظت کرے......" دل ہی دل میں دعا مانگ کر وہ گالوں پر آنے والے آنسو انگلی کی پور سے صاف کرتی اور بیڈ کے کونے پر ٹک جاتی ہے۔

گھڑی کی سوئیاں رات کے بارہ بجنے کا اعلان کر رہی ہیں۔ سلمٰی شوکت کسی گہری سوچ میں غلطاں ہے۔

چہرے سے الجھن ہے۔ آخر کسی نتیجے پر پہنچ کر پاس پڑے ٹیلی فون سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتی۔ پھر کچھ سوچ کر سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اس میں سے ڈائری باہر نکالتی ہے اور اس چھوٹی سی ڈائری سے چند فون نمبرز پر نشان لگا کر ایک نمبر ڈائل کرتی ہے۔ دوسری طرف سے کسی نے فون اٹھا کر کہا۔

"ہیلو......"

"جی میں بیگم شوکت خان بول رہی ہوں، سوری اس وقت آپ کو زحمت دی، دراصل پتہ کرنا تھا زین...... میرا مطلب ہے ضمیر خان تو ادھر نہیں آیا؟"

"نہیں جی...... اس وقت نعیم بھی موجود نہیں ہے۔" دوسری طرف سے نفی میں جواب پا کر بیگم شوکت کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

"جی...... اچھا جی...... میں تو سمجھی تھی کہ زین، نعیم کی طرف گیا ہوا ہے۔ کمبائینڈ اسٹڈی کے لیے...... مگر آپ نے بتایا کہ نعیم بھی گھر پر نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ دونوں مل کر کسی تیسرے دوست کے ہاں بیٹھے پڑھائی کر رہے ہوں۔"

"آپ کسی اور دوست کے ہاں پتہ کر لیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"چلیے میں پتا کر لیتی ہوں...... او کے اللہ حافظ۔"

لائن ڈسکنکٹ کرنے کے بعد وہ دوسرا نمبر ڈائل کرتی ہے اور پھر تیسرا...... اس کے بعد چوتھا۔ مگر ہر جگہ سے ضمیر خان عرف زین کے بارے میں لاعلمی کا اظہار اسے تشویش میں مبتلا کر جاتا ہے۔

"اف......! اور تو مجھے اس کے کسی دوست کا علم نہیں۔ کہاں پتا کروں؟" وہ اضطراری کیفیت میں ہاتھ مسلتی ہے، روز بروز قابو سے باہر ہوتا جا رہا ہے یہ لڑکا...... اور یہ شوکت خان...... وہ بھی اتنی رات گئے نہ جانے کون سی بزنس میٹنگ میں مصروف ہے۔ جانے کس سے فون پر بات کر رہا تھا کہ آج رات اسے مال اٹھانا ہے، سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر ایسا کون سا مال ہے، جو اتنی پردہ نشینی کے سبب صرف رات کے اندھیرے میں ہی ڈیرے پر اترتا ہے۔" بکھر سے کہہ کر ایک روز اس "مال" کا سراغ نہ لگوایا تو میرا نام بھی سلمٰی خاکوانی نہیں تو بھی کیا یاد کرے گا شوکت خان۔" سلمٰی کے چہرے پر حسد کے جذبات نمایاں ہو کر فوراً ہی تشویش کے سانچے میں ڈھل گئے۔

"آخر زین کہاں رہ گیا؟ گھر فون تک بھی نہیں کیا اس نے نہ خود موبائل اٹینڈ کر رہا ہے۔ سچ کہا کسی نے جیسا باپ ویسا بیٹا۔ میری زندگی تو ان دونوں نے ہی عذاب کر رکھی ہے۔" تب وہ ٹھنڈی آہ بھر کے دوبارہ موبائل اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرتی ہے۔

"خان جی...... کہاں ہیں آپ؟ کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" دوسری طرف سے فون اٹینڈ ہوتے ہی شکوہ آپ ہی آپ اس کی زبان پر پھسل گیا۔

"کیوں...... کیوں ایمرجنسی نافذ ہو گئی ہے کیا؟" شوکت خان کی تیوری پر بل آ گیا۔

"وہ...... دراصل آج ضمیر خان ابھی تک گھر نہیں آیا......" سلمٰی بیگم نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ

بتایا۔

''اوہو......اچھا......ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ شاید آگ وغیرہ لگ گئی گھر میں۔'' شوکت خان طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر یکدم غرایا۔

''بھئی تمہیں تو پریشان ہونے کا بہانہ چاہیے۔ ہر سہولت دی ہے تجھے گھر میں، مگر تجھے پھر بھی چین نہیں۔ نہ کسی اور کو چین لینے دیتی ہے جاہل عورت۔ ہر وقت میری تفتیش میں لگی رہتی ہے۔ اگر زین ابھی تک گھر نہیں پہنچا تو اس میں اتنا گھبرانے والی کیا بات ہے۔ لڑکا بالا ہے، جوان خون ہے، کہیں یا دوستوں کی محفل میں گھرا مستیاں کر رہا ہوگا۔ اب وہ کوئی لڑکی تو ہے نہیں کہ ہر وقت تیرے گوڈے چمٹی گھر میں بیٹھی رہے۔ صبح تک خود ہی آجائے گا فکر نہ کر اور لمبی تان کے سوجا۔'' شوکت خان نے بے نیازی سے کہا۔

''مگر خان جی......سو سجن سو دشمن ہوتے ہیں خدانخواستہ......''

''او......کبھی اچھی بات نہ نکالنا اپنے منہ سے، ہمیشہ اپنی میچنگ بات ہی کرنا۔

ہونہہ......نہ منہ اچھا نہ بات سوہنی۔'' شوکت خان کا پارہ ہائی ہو گیا۔ ''کچھ نہیں ہوتا اسے......تو فکر رہ......اور ہاں آج رات میرا انتظار مت کرنا۔ مجھے خاصی دیر ہو جائے گی۔ بلکہ شاید اب، میں ہی گھر آؤں۔'' شوکت خان نے اطلاع کا پتھر مار کر کال اینڈ کر دی اور سلمیٰ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

''جانتی ہوں شوکت خان تیری مصروفیت کو بھی اور اب ضمیر خان بھی تیرے ہی نقش قدم پر بے بیل کی طرح دوسروں کی کھیتیاں اجاڑتا پھر رہا ہے۔ تیرے ہی ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار اور ڈھیل نے زین کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ مگر یاد رکھنا شوکت خان ضمیر کو میں بے ضمیر شوکت خان نہیں بننے دوں گی۔ درندے کو سدھار کر اپنے اشاروں پر نچانے کے لیے اب مجھے بجلی کا ہنٹر اٹھانا ہی پڑے۔'' اس نے سوچا۔ مگر فوراً ہی اس کی سوچ کا رخ بدل کر تشویش کے پیرائے میں ڈھل گیا۔

''ضمیر خان......کاش تو لڑکی ہی پیدا ہو جاتا۔ کم از کم میری نظروں کے سامنے میرے زیر تر رہتا، مگر کوئی فائدہ نہیں، باپ بھائی کا کیا تیرے آگے آتا تو......؟''

گھڑی کی سوئیاں رات کے ساڑھے بارہ بجے کا پتا دے رہی تھیں اور شدید بے بسی کے عالم میں سلمیٰ بیگم دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگیں۔

☆☆☆

لیزا نے تیمور کو ایک ٹیکسی اسٹینڈ پر ڈراپ کر دیا۔ اگرچہ لیزا سے جدا ہونے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ آخر کو اسے گھر بھی تو جانا تھا، سو دل پر صبر کی سل رکھ کر لیزا کا گلے لگایا اور رات کو کلب آنے کا وعدہ کر کے اس کی پیشانی چومی اور ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور جو کہ ایک خوبرو لڑکی تھی اور پینٹ کوٹ کے اوپر پی کیپ لگائے مستعدی سے آگے بڑھی اور تیمور کے ہاتھ سے سوٹ کیس تھام کر کار کی ڈگی میں رکھا اور جلدی سے آ کر ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور تیمور کے سیٹ سنبھالتے ہی چابکدستی سے دروازہ بند کر کے فوراً دوسری جانب سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''کہاں جائیں گے سر؟'' بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا۔ تیمور جو دل ہی دل میں اس کی بے پناہ چستی کا قائل ہو گیا تھا اسے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھانے لگا۔

مختلف کشادہ سڑکوں سے ہوتی ہوئی ٹیکسی بالآخر ایک گیٹ کے سامنے جا رکی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا اور سامنے لان کا مختصر سا منظر نمایاں تھا۔ ڈگی سے سوٹ کیس پکڑ کر تیمور نے اسے کرایہ ادا کیا اور سوٹ کیس تھام کر گیٹ کی سمت بڑھا۔

سرخ اینٹوں کی روش پر چلتے ہوئے مختصر سا لان عبور کر کے جب وہ گھر کے داخلی دروازے تک پہنچا تو اس سے پہلے کہ وہ دستک دیتا، یا اطلاعی گھنٹی بجاتا، یکدم ہی دروازہ کھلا اور تیمور حیران رہ گیا سامنے ہی پھولدار ساری میں بالوں کا سادہ جوڑا لپیٹے ممی کھڑی تھیں۔ اس کے دیکھتے ہی ان کے لبوں پر دلآویز تبسم پھیل گیا اور انہوں نے اپنے بازو اس کے لیے وا کر دیے تیمور بھی سوٹ کیس زمین پر رکھ کر ان سے جا لپٹا۔

''ممی آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ دروازے پر میں موجود ہوں؟'' تیمور پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ جواباً ممی مسکرائیں۔

''بھئی یہ بات تو ایک عورت خصوصاً ماں ہی بہتر جان سکتی ہے کہ شاید قدرت نے اس کے اندر کوئی ایسا مخصوص نظام نصب کر رکھا ہے کہ جو اسے اس کی اولاد کے بارے میں مکمل آگاہی دیتا ہے، مگر تم یہاں کھڑے کھڑے ہی سوال و جواب کرتے رہو گے یا اندر بھی چلو گے۔ تب وہ ممی کی تقلید میں آگے بڑھ گیا۔

''ینگ مین...... السلام علیکم......'' دونوں ماں بیٹا کی آواز سن کر فریدی انکل بھی اندر سے نکل آئے اور آگے بڑھ کر بڑے خلوص سے تیمور کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ سلام کا جواب دینے کے بعد مجبوراً میرو کو ان سے بھی بغلگیر ہونا پڑا۔ انکل فریدی نے ایپرن باندھا ہوا تھا، اور ان کے وجود سے مختلف مسالوں کی ملی جلی خوشبو آ رہی تھی۔

''لگتا ہے آپ سیدھا کچن سے آ رہے ہیں۔'' تیمور نے مسکرا کر ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھا وہ بے دھیانی میں کفگیر ہاتھ میں تھامے یونہی چلے آئے تھے۔

''اوہ...... آج میں تمہیں اپنے ہاتھ کی بیکڈ ٹراؤٹ کھلاؤں گا اور ساتھ ہی مزیدار رس بھری پڈنگ انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے برخوردار۔'' انگریزی لب لہجہ میں انکل کو اتنی گاڑھی اردو بولتے سن کر تیمور مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ ممی کی طویل رفاقت نے بالآخر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔

''یہ مومو اور تارو نظر نہیں آ رہیں۔'' دفعتاً تیمور کو اپنی دونوں بہنوں کا خیال آیا۔

''موموکی تو آج کل ایکسٹرا کلاسز ہو رہی ہیں جب کہ تارو نے ان دنوں جوڈو کراٹے سکھانے وا ایک کلب جوائن کر لیا ہے۔ بس اب تو اسے بلیک بیلٹ ملنے میں کچھ ہی عرصہ باقی رہ گیا ہے۔'' ممی نے خوش دلی سے اسے تفصیل بتائی۔

''تم پہلے یوں کرو کہ اپنا سامان اس کمرے میں رکھ کر منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ تب گپ لگائی گے۔'' اور تیمور سوٹ کیس کا سٹرپ کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

جب تک تیمور نہا دھو کر کھانے کی ٹیبل پر آیا تو مومو اور تارو بھی واپس آ چکی تھیں۔ دونوں تیمور سے مل کر بے حد خوش ہوئی تھیں مگر انہیں عزمی سے ملنے کا بے حد شوق تھا اور وہ تیمور کے ہمراہ اپنی بھابی کو نہ پا

کچھ مایوس اور افسردہ سی تھیں، انہوں نے اپنے فرینڈز میں یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ عنقریب ان کی پاکستانی بھابی ان سے ملنے امریکہ آ رہی ہیں تب وہ اسے اپنی سب دوستوں سے ملوائیں گی۔ مگر پھر ممی نے انہیں یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ ان کی عزمی بھابی بہت جلد ایک ننھے منے سے بے بی مہمان کے ہمراہ ان سے ملنے امریکہ آئے گی، ہے ناں تیمور؟؟ ممی نے تصدیق طلب نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا جو دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ گم صم بیٹھا خلاؤں میں دیکھ رہا تھا۔

''میرو......'' ممی نے پلیٹ کے کنارے پر کانٹا بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''آ...... آں......'' وہ چونک اٹھا۔

''جی......؟''

''کچھ نہیں مائی سن، تم کھانا شروع کرو۔'' فریدی انکل نے اس کا شانہ تھپتھپا کر سلاد کی ڈش اس کی طرف بڑھائی۔ ''بھئی ابھی سے تو اسے عزمی کی یاد مت دلاؤ، ورنہ اتنے دن امریکہ میں کیسے گزار پائے گا۔'' انہوں نے مسکرا کر ممی کو تنبیہ کی۔

''انکل فش واقعی بے حد لذیذ ہے۔'' تیمور تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''واقعی......'' انکل نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا۔

''Sure'' تیمور نے یقین دلایا۔

''ابھی تو تم نے ان کے ہاتھ کا آلمنڈ سوفلے اور مینگو پڈنگ نہیں چکھی، ورنہ باقی تمام ذائقے بھول جاتے۔'' ممی نے پیار بھری نظروں سے انکل کی طرف دیکھا۔

''مگر انکل آپ کھانا وغیرہ بنانے میں اتنے ماہر ہوئے کیسے؟'' تیمور سوال کیے بن نہ رہ سکا۔

''بھئی ویسے تو تمہاری ماں ہی گھر داری سنبھالتی ہے مگر جب اس کی ڈیوٹی روٹین کافی ٹف ہو تو پھر میں بھی کچن دیکھ لیتا ہوں۔ ویسے مجھے کھانے میں کافی کچھ بنانا آتا ہے، چونکہ جب میں شادی سے پہلے گھر میں تنہا رہتا تھا۔ تب بھی اپنے لیے خود ہی کھانا پکاتا تھا۔''

''کیوں آپ کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی کیا؟'' بے ساختہ تیمور کہہ بیٹھا اور پھر دل ہی دل میں خود کو

ملامت کرنے لگا کہ کیا ضرورت پڑی تھی اسے بھلا انکل سے اتنی بے تکلفی جھاڑنے کی، مگر انکل اس کے اس جملے میں بڑے محظوظ ہوئے۔ ''کوئی ایک گرل فرینڈ؟؟؟''

''بے شمار لڑکیاں میری دوست رہ چکی ہیں مگر اتفاق سے ان سب کے لیے بھی کھانا مجھ غریب کو ہی پکانا پڑتا تھا'' انکل نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔

''تو کوئی سلیقہ شعار دوست بنائی تھی ناں۔'' ممی نے مسکرا کر شرارت سے انکل کو چھیڑا۔

''کیا کرتا؟ کوئی تم جیسی ملی ہی نہ تھی اور جب ملی تو کھٹ سے میں نے شادی کی آفر کر ڈالی۔''

''اور اب ان کے لیے بھی کھانا آپ کو ہی پکانا پڑتا ہے۔'' مومو جو اب تک خاموش بیٹھی تھی بے ساختہ بول اٹھی اور اس پر سب کا مشترکہ قہقہہ پڑا۔

''بھئی کیا کریں اسے کہتے ہیں قسمت۔'' انکل نے فش سے کانٹا الگ کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''جی نہیں پاپا بلکہ بدقسمت......'' اس بار تارا نے ٹکڑا لگایا۔

اور فضا میں دوبارہ قہقہے کی پھلجھڑی سی چھوٹ پڑی۔ دفعتاً ممی کو کچھ خیال آیا۔

''تیمور...... تمہاری فلائٹ تو اب سے چار گھنٹے پہلے آئی تھی ناں، پھر تم اتنا لیٹ......؟''

''وہ دراصل ممی......'' لقمہ تیمور کے حلق میں ہی پھنس کر رہ گیا۔ جسے بمشکل تمام پانی کے گھونٹ سے اپنے اندر اتارنے کی کوشش میں اسے اچھو لگ گیا۔

''ریلیکس...... مائی سن ریلیکس......'' فریدی انکل نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

''وہ دراصل ایئرپورٹ پر ایک پرانا دوست مل گیا تھا کالج کے زمانے کا۔ وہ مجھے کافی پلانے ا۔ ساتھ لے گیا تھا۔'' تیمور کو فوراً ہی بہانہ سوجھ گیا۔

''اور تم اس کے ساتھ مسلسل تین گھنٹے تک کافی ہی پیتے رہے تھے۔'' ممی معنی خیز انداز سے مسکرائیں۔

''آخر ایسا کون سا دوست ہے تمہارا جسے میں نہیں جانتی، نام بتانا پسند کرو گے اس کا۔'' ممی کی

نگاہیں تیمور کو اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئیں۔ ماحول یکدم بوجھل سا ہو گیا۔

''کہیں اس دوست کا نام لیزا تو نہیں تھا؟'' ممی طنزیہ طور پر مسکرائیں تیمور گومگوں کی کیفیت میں تھا، ممی کے سامنے لیزا کا نام لینا ایسا ہی تھا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا اور اگر اس کا نام نہ لے تو پھر کس کا نام لے؟

''افوہ بھی یہ تم کس تفتیش میں پڑ گئیں؟'' انکل فریدی نے ممی کو ایک بار پھر ٹوک دیا۔ بچہ تھکا ہارا گھر آیا ہے اسے ذرا سکون کا سانس تو لینے دو، ہو گا کوئی ہاسٹل کے زمانے کا دوست...... آخر تمہیں سب کا نام و پتا تو معلوم نہیں ہو سکتا ناں۔''

تب تیمور نے ممنون نظروں سے انکل کی طرف دیکھا تو وہ اس کی طرف قدرے جھک کر رازداری سے بولے۔ ''ویسے یہ مائیں کچھ زیادہ ہی وہمی اور شکی مزاج نہیں ہوتیں۔ برخوردار! میری ماں بھی بالکل ایسی ہی تھی، آخر یہ دنیا کی سب مائیں ایک جیسی کیوں ہوا کرتی ہیں۔'' جواباً تیمور محض شانے اچکا کر رہ گیا۔

کھانے کے بعد مومو فریج سے کٹا ہوا تربوز نکال لائی اور پھر سب نے مل کر ٹھنڈا ٹھار تربوز کھایا۔ اس کے بعد مومو اور تارو تو کچن میں کھانے کے برتن دھونے چلی گئیں، برتن بھی کیا دھونے تھے، برتن دھونے والی مشین موجود تھی مومو اور تارو نے جلدی سے تمام برتن سانچے میں فٹ کیے اور مشین کے لوازمات پورے کرنے کے بعد بٹن آن کر دیا اور اطمینان سے آ کر بیٹھ گئیں، وہ جانتی تھیں کہ کچھ ہی دیر بعد دھلے ہوئے خشک برتن ان کے منتظر ہوں گے۔

تیمور اچانک معذرت کرتا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور جب کچھ دیر بعد لوٹا تو اس نے ہاتھ میں چند پیکٹس تھامے ہوئے تھے۔

''ممی...... یہ آپ کے لیے......'' تیمور نے ایک پیکٹ کھول کر ممی کی طرف بڑھایا۔

''واؤ اتنی خوبصورت اور نفیس ساری...... سچ بتانا میرو یہ کس کی پسند ہے؟''

''میری اور کس کی......؟'' تیمور نے خوش ہو کر کہا اس نے اور بھی ڈبے کھول ڈالے اور قالین پر

مختلف رنگوں کی اشیاء بکھر گئیں۔

کانچ کی ست رنگی چوڑیاں......سندھی و بلوچی کڑھائی والے گلے، چاندی کی پازیبیں، کشمیری اور سواتی شالیں اور چترالی مخصوص لباس جو وہاں کی لڑکیاں رقص کے دوران زیب تن کرتی ہیں۔ موموا ور تارو تو ایسی خوبصورت اور نادر اشیا کو دیکھ کر پاگل ہو اٹھیں، کبھی وہ جھپٹ کر چوڑیاں اپنی کلائیوں میں ڈالتیں تو کبھی قمیصوں پر لگانے کے لیے کشیدہ گلے اٹھا کر اپنے ساتھ لگائے بھاگ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوتیں اور پھر بار بار ممی سے ایک ہی سوال کرتیں کہ آخر یہ کڑھائی والے گلے کس طرح ان کے بلاؤز پر ٹکیں لگیں گے۔'' تم فکر مت کرو۔ میں ٹیلر کو سمجھا دوں گی اور وہ لگا دے گا۔ ممی نے دونوں کو تسلی دی اور پھر جب دونوں لڑکیوں نے اپنے پیروں میں پازیب پہنی اور پاؤں ہلایا تو چھن چھن کی آواز پر بالکل ہی دیوانی ہو اٹھیں۔

''امیزنگ......'' دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

سب کو یہ تحائف پسند آئے تھے تیمور کو یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی کتنے ہی دنوں تک مسلسل بازاروں کے کئی چکر کاٹنے کے بعد وہ بمشکل تمام ان سب کے لیے یہ چیزیں منتخب کر پایا تھا اور پازیب کی جوڑی اور چوڑیاں تو وہ لیزا کے لیے بھی لایا تھا۔ وہ بھی یہ تحائف پا کر یقیناً بے حد خوش ہوگی۔

تیمور یہ سوچ کر خود بخود مسکرایا۔

''اچھا یہ بتاؤ......ان میں سے کون کون سی چیزیں میری بہو نے پسند کی تھیں ہمارے لیے۔'' ممی پھر عزمی کا ذکر درمیان میں لے آئی تھیں۔

''بس سب کچھ مشترکہ ہی تھا۔'' تیمور نے گول مول جواب دے کر جان چھڑائی۔ مگر دل میں فیصلہ لیا تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر ممی کو عزمی کی طلاق والی بات فوراً بتا ڈالے تا کہ زیادہ دیر تک وہ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔

''تم اپنے پاپا کے لیے کچھ نہیں لائے میرو؟'' ممی نے دبے دبے لہجے میں تیمور سے سوال کیا۔

''اوہ ہاں......'' وہ فوراً اٹھ کر اندر گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سواتی سندھی اور بلو

ٹوپیوں کا لفافہ اور شیشوں والی واسکٹ تھی۔

''یہ انکل کے لیے......'' اس نے چیزیں ممی کی طرف بڑھائیں۔ ''سوری پہلے نکال کر لانا بھول گیا تھا۔

''ابھی تمہارے پاپا واش روم سے آتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھ سے سب دینا۔'' ممی نے اسے تاکید کی۔

شکر ہے جو چیزیں اس نے اپنے لیے خریدی تھیں۔ ابھی کھولنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اور یوں نئی نکور انکل کو تحفے میں جا رہی تھی، ورنہ تو سچ مچ فریدی انکل کے لیے پاکستان سے کچھ نہیں لایا تھا۔ مگر اب شکر ہے کہ ممی کے سامنے عزت رہ گئی تھی۔ اس نے سوچا۔

☆☆☆

ویسے تو امریکہ میں اس وقت شام کے پانچ بجنے والے تھے اور آرام بے سود تھا، مگر ممی کی ہدایت پر وہ کچھ دیر ریسٹ کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا، مگر لیٹنے یا سونے کا موڈ بالکل نہیں بنا تب وہ سوٹ کیس کھول کر اپنے کپڑے باہر نکالنے لگا۔ تمام کپڑے ہینگرز پر لگا کر الماری میں لٹکانے کے بعد وہ سوچ میں پڑ گیا۔

آج شام کو لیزا کے ساتھ کلب جانے کے لیے وہ کون سا سوٹ منتخب کرے؟

بالآخر کافی غور و خوض کے بعد آف وہائٹ پتلون کے ساتھ دھاری دار شرٹ اور سی گرین کوٹ منتخب کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔ کمرے سے باہر نکلا تو موموا سی کو بلانے کے لیے آ رہی تھی تا کہ وہ گرم گرم کافی پی سکے۔

کافی پینے کے دوران تیمور کو معلوم ہوا کہ انکل اس وقت نائٹ ڈیوٹی پر جا چکے ہیں۔ البتہ ممی کی نائٹ شفٹ آج ختم ہو چکی تھی لہٰذا وہ نا صرف گھر پر موجود تھیں۔ بلکہ رات کے کھانے کی تیاری کے سلسلے میں بے حد مصروف بھی تھیں، کافی پی کر تیمور اپنے کمرے میں آ گیا اور کلب جانے کی تیاری کرنے لگا۔

جونہی وہ خود پر پرفیوم سپرے کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکلا، سامنے ہی کچن کے فریج سے کچھ

نکالتی ممی کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کی تیاری واہتمام دیکھ کر چونک اٹھیں۔

''تم کہیں باہر جارہے ہو میرو؟''

''جی......؟ جی ہاں...... جی نہیں......وہ دراصل میرا مطلب ہے کہ ہاں جی جانا تو مجھے تھا، آئی مین ہے۔'' وہ یکدم ہی بوکھلا گیا تھا۔

''تمہیں یہاں آئے دیر ہوئی نہیں اور گھومنے پھرنے کی پہلے پڑ گئی۔ حالانکہ تم تو یہیں کے پلے بڑھے ہو، یہاں سے ہی پاکستان گئے تھے، پھر بھلا یہاں گھومنا پھرنا تمہارے لیے کیا اٹریکشن رکھتا ہے۔''

''جی ممی مگر...... پرانی یادیں تازہ ہوتی ہیں، پھر میں امریکہ کو بہت مس کرتا ہوں...... بھلا کوئی انسان اپنے جائے پیدائش اور بودوباش بھی کبھی بھلا سکتا ہے بطور خاص......''

''بطور خاص امریکن گرلز کو......'' ممی شرارت سے مسکرائیں۔

''ممی آپ بہت شریر ہوتی جارہی ہیں۔'' ممی جھاڑن سے ہاتھ پونچھتیں اس کے قریب چ آئیں۔

''مگر کیوں......؟'' تیمور سراپا استفسار بن گیا، جب کہ لیزا تو پل پل اس کی راہ دیکھ رہی ہوگی، تیم نے سوچا، مگر ممی میں نے اس وقت اپنے دوست سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

''بے شک اپنے دوست کو فون کر کے بتادو کہ آج تم اسے ٹائم نہیں دے سکتے، چوں کہ آج تمہاری شام، تمہاری ماں کے نام ہے۔''

''مگر ممی ابھی تو میں یہاں خاصے دن ہوں۔'' اوکے پرامس کل شام کہیں نہیں جاؤں گا۔ بس آ کے ساتھ رہوں گا۔ مگر آج تو جانے دیں پلیز، میں اپنے دوستوں کو ٹائم دے چکا ہوں۔'' تیمور کی۔

''مگر میں تو تمہارے لیے تمہاری پسند کا کھانا پکا رہی تھی۔''

''تو میں واپس آکر کھالوں گا نا کھانا۔ پلیز ممی...... جاؤں اب؟''

''اوکے بیٹا...... مگر جلدی گھر آجانا۔'' تیمور لجاجت سے بولا تو ممی کا دل پسیج گیا، تیمور کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ فوراً مڑا اور بیرونی دروازے کی سمت لپکا۔

''سنو میرو...... عزمی کو اپنے خیریت سے امریکہ پہنچنے کی اطلاع کردی تھی۔'' جانے ممی کو اچانک کیا خیال آیا تھا جو پیچھے سے اسے پکار بیٹھی تھیں تیمور بھی جاتے جاتے ٹھٹک کر رک گیا۔

''لیکن ممی عزمی...... تو گھر پر نہیں ہے۔ بتایا تو تھا آپ کو کہ وہ کافی عرصہ سے اپنے میکے میں ہی قیام پذیر ہے۔'' بے ساختہ وہ کہہ بیٹھا۔

''اس کے میکے میں ہی سہی کم از کم فون کر کے اپنی خیروعافیت کی اطلاع تو دو۔ کتنی پریشان ہو رہی ہوگی عزمی تمہارے لیے اور تم ہو کہ پرواہ تک نہیں...... کیا کہوں تمہیں اب......'' ممی جھنجھلا گئیں۔ ''چلو اسی وقت میرے سامنے فون کر کے اس سے بات کرو ورنہ بعد میں بھول جاؤ گے بلکہ آج تو عزمی سے میری بھی بات کرونا۔''

''جی......؟'' تیمور پریشان سا ہو گیا۔ ''مگر ممی اپنی خیریت کی اطلاع تو میں نے ایئرپورٹ پہنچتے ہی دے دی تھی۔'' اچانک اس نے جھوٹ کا سہارا لیا۔

''واقعی......؟'' ممی نے پوچھا۔

''جی بالکل......'' تیمور نے یقین دلایا۔

''اوکے تم مجھے نمبر ملا کے دو...... کم از کم میں تو عزمی کی طبیعت معلوم کروں۔ کیا سوچے گی وہ بھلا کہ ساس مجھے بیاہ کرلائی اور اس کے بعد کبھی حال تک نہیں پوچھا۔''

''تیمور دوبارہ پریشان ہو گیا۔ اگر وہ ابھی ممی کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے تو ممی کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں۔ لہٰذا بات بہت لمبی ہو جائے گی اور کیا اتنی دیر تک لیزا کلب میں اس کا انتظار کرے گی۔ یا پھر مایوس ہو کر واپس پلٹ جائے گی، ممی کے سامنے طلاق کی اتنی لمبی چوڑی تفصیل بتانے کے لیے یہ موقع تو ہرگز بھی مناسب نہیں تھا پھر کیا کرے وہ؟'' ممی نا صرف اس کے سر پر کھڑی تھیں۔ بلکہ اس کی تیزی سے بدلتی ہوئی کیفیت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

"کس سوچ میں پڑ گئے میرو؟ اب ملا بھی دو نمبر ممی نے اسے پکارا۔ مرتے کیا نہ کرتے کہ مصداق تیمور کی کپکپاتی انگلیاں ٹیلی فون سیٹ پر پاکستان کا کوڈ نمبر ڈائل کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

عزمی کے ذہن پر رشتہ دار خواتین کی باتیں ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ وہ تو بھابی کے کہنے پر اتفاقاً معاذ کے دودھ کا فیڈر اٹھانے کے لیے کمرے میں جا رہی تھیں کہ تائی، ممانی اور حمیرا چچی کے مابین ہونے والی گفتگو میں اپنا نام سن کر وہیں ٹھٹک گئی اور تب سے اب تک اس کا ذہن کافی بوجھل سا تھا۔ حالانکہ عزمی تو اپنے آپ کو بہت مضبوط اعصاب کی عورت سمجھتی تھی، تو کیا اس کے اعصاب حالات کی تپش میں دھیرے دھیرے پگھلنے لگے تھے......!

"عزمی ذرا چینی دان تو پکڑنا۔" کچن میں ساتھ کھڑی بھابی کی آواز سن کر عزمی نے جلدی سے شوگر پوٹ آگے بڑھایا بھابی نے بغور عزمی کی طرف دیکھا۔

"عزمی یہ چینی دان نہیں بلکہ نمک کا ڈبہ تھمایا ہے تم نے مجھے۔"

"اوہ...... سوری بھابی...... دراصل نمک کافی موٹا پسا ہوا ہے جب کہ چینی نہایت باریک ہے تو اس لیے شاید مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔" عزمی خفت سے مسکرا دی۔

"یہ لیجیے......" اس نے چینی دان بھابی کی سمت بڑھایا۔

"عزمی......! بھابی نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تم کچھ ڈسٹرب سی لگ رہی ہو"

"آں...... نہیں بھابی...... ایسی تو کوئی بات نہیں......" وہ جبراً مسکرا دی۔

"نہیں عزمی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

بھابی نے اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر نظر ڈالی، تب بہت ضبط کے باوجود آنسوؤں قطرے اس کے گالوں پر بہہ نکلے، بھابی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "سب ٹھیک ہو جا- عزمی۔ تم فکر مت کرو۔" تب عزمی نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

اب ٹھیک ہونے کے لیے کچھ بچا ہی کب تھا؟ مگر عزمی کسی کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی

بہادر تو تھی مگر کاش کہ ہارے ہوئے لشکر کا حصہ نہ ہوتی تبھی خالہ کچن میں چلی آئیں۔

"ارے لڑکیو......! صبح عینی کے لیے ناشتے میں کیا لے جانا ہے کچھ سوچا تم نے؟"

"خالہ بازاری ناشتہ ٹھیک رہے گا۔ کیوں عزمی......؟" بھابی نے عزمی کی طرف دیکھا اور اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا...... مثلاً کیا چیز ہو......؟" خالہ نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے نان، سری پائے اور حلوہ پوری ٹھیک رہے گی۔" بھابی نے تجویز پیش کی۔

"ہاں...... تھوڑی سی کھیر بھی لے جائیں گے۔" عزمی نے آئیڈیا دیا۔

"چلو ٹھیک ہے، میں جا کر لڑکوں کو بتا دوں کہ صبح ساڑھے سات بجے تک ضرور ناشتہ لینے چلے جائیں تا کہ نو بجے تک "ناشتہ پارٹی" لڑکے والوں کے ہاں پہنچ جائے کیوں ٹھیک ہے ناں؟" خالہ نے ان کی رائے لی۔

"جی بالکل......" دونوں نے یک زبان ہو کر کہا، تب خالہ مطمئن ہو کر باہر چل دیں۔

☆☆☆

"آؤ بیٹی...... بسم اللہ کر کے اپنے گھر میں قدم رکھو۔ عینی کی ساس نے گاڑی سے اتر کر اسے سہارا دیا۔ شبو آپا نے بھی دوسری جانب سے آ کر عینی کو تھام لیا۔ اس کا دولہا (ابرار) بھی دھیرے دھیرے عینی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ عینی کی نندوں نے گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے اپنی بھابی کا استقبال کیا۔

گھر میں ہمارے آئی دلہن
سکھی پھول برساؤ
افشاں لاؤ، سہرا لاؤ
دلہن کے سب سنگ سنگ آؤ
گھر میں ہمارے......

بے شمار لڑکیاں سر سے سر ملا کر تان اٹھا رہی تھیں۔اسی طرح جوش وخروش سے عینی کو اندر لایا گیا۔ ہال نما کمرے میں پڑے۔تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے عینی کو بٹھا دیا گیا۔شاید کوئی رشتے کی نند تھی جو آ کر چابکدستی سے اس کا میک اپ درست کر گئی تھیں، جو رخصتی کے وقت رونے دھونے کے باعث مدھم پڑ گیا تھا، پھر پروفیشنل فوٹو گرافرز اور مووی کیمرے والا اندر چلا آیا، اور دولہا دلہن کی مووی بننے لگی۔شبو آپا شولڈر بیگ اتار کر ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئیں۔دلہن کے اردگرد سے ذرا رش چھٹا تو ہیجڑا پارٹی زرق برق لباس میں چلچلاتا ہوا میک اپ کیے اور مصنوعی وگیں لگائے آن پہنچی۔ان کے سازندوں نے اپنے ساز درست کیے اور ایک فربہ اندام ہیجڑے نے بھاری آواز میں سر اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی ایک چھریرے بدن والا ہیجڑا حرکت میں آ گیا اور ہال کے عین درمیان میں آ کر مہمانوں کے سامنے کمر لچکا کر ناچنے لگا۔

آندا تیرے لئی ریشمی رومال
آندا تیرے لئی ریشمی رومال
اتوں تیراناں کڈیا
وے میں بڑیاں ای چاواں نال
آندا تیرے لئی ہائے ریشمی رومال

عینی کی ساس عینی کے سر پر نوٹ وار وار کر اسے ویلیں دیتی رہیں اور دیگر حاضرین محفل بھی ان اس فراخدلی کی تقلید کرتے رہے، کچھ وقت اسی کھیل تماشے میں گزر گیا جب کہ ماحول کی اس رنگینی پر آپا کچھ حیران سی تھیں، ورنہ ان لوگوں کے ہاں تو ایسی باتوں کو خاصا برا محسوس کیا جاتا تھا۔کیا مجال تھی کوئی ہیجڑا، یا مراثی گھر کے اندر پھٹک جاتا، بلکہ ابا کی گھرکی آواز کے ساتھ ہی گھر کی خواتین کے سر پر فوراً دوپٹے آ جاتے ،شادی بیاہ کے دوران بھی اس بات کا پورا خیال رکھا جاتا کہ لباس ڈھنگ پہنے جائیں اور خوشی کو سلیقے اور ادب واحترام سے منایا جائے نہ کہ بے قابو ہو کر عقل وتمیز سے ہاتھ دھو جائیں اور یہاں تو خواتین کے لباس دیکھ کر ہی شبو آپا کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔بطور خاص دو

ادھیڑ عمر خالہ بغیر آستین کی فرنٹ اوپن شرٹ کے ساتھ ریشمی اسٹائلش ٹراؤزر پہنے گہرے میک اپ میں بڑی عجیب وغریب لگ رہی تھیں، پھر جب اس نے پرس میں سے بیش قیمتی سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگائی اور اک سرور کے عالم میں کش لگانے شروع کیے تو شبو آپا اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکیں اور ساتھ بیٹھی ہوئی ماڈرن سی لڑکی سے پوچھ ہی لیا۔

''ابرار کی خالہ اسموکنگ کرتی ہیں؟''لڑکی نے چونک کر شبو آپا کی طرف ناگواری سے دیکھا اور بولی۔

''انہیں عرصے سے گیس ٹربل ہے اور ڈاکٹرز نے اسموکنگ ایڈوائس کی ہے۔'' شبو آپا حیران رہ گئیں، وہ آج پہلی مرتبہ کسی سے سن رہی تھیں کہ کسی ڈاکٹر نے خود مریض کو سگریٹ نوشی کا عادی بنایا ہو۔ مگر خاموش ہو گئیں۔

ہیجڑا پارٹی کو بھاری رقم دے کر رخصت کرنے کے بعد دولہا کی والدہ نے اعلان کیا۔

''خواتین وحضرات......!اب میری خوبرو بیٹی رخشی آپ سب حاضرین کے سامنے عمدہ رقص کا مظاہرہ کرے گی۔''اور پھر حاضرین کی بے پناہ تالیوں کے شور میں رخشی صاحبہ اپنی میکسی سنبھالتی ہوئی ناز وادا کے ساتھ اٹھلاتی ہوئی ہال کے وسط میں پہنچ کر رک گئی۔

''جی فرمائیے......!کس گانے پر رقص دیکھنا پسند کریں گے؟''اس نے چیونگ چباتے ہوئے بڑی ادا سے پوچھا اور پھر وہ مہمانوں کے بے پناہ اصرار پر یکے بعد دیگرے مختلف گانوں پر رقص کرتی رہی اور اس دوران مہمانوں کو تکے کباب اور مشروبات سرو کیے جاتے رہے۔گھونگٹ کی آڑ میں نہ جانے عینی کے کیا تاثرات تھے مگر شبو آپی کو اک عجیب سے احساس نے آن گھیرا تھا۔کہیں ان لوگوں کے انتخاب میں خالہ وغیرہ سے کوئی بھول چوک تو نہیں ہو گئی۔انہوں نے فکر مندی سے سوچا، چوں کہ ان کے ہاں تو دلہن کے گھر میں آتے ہی دہلیز رکوائی اور کھیر چٹائی جیسی رسومات ہوا کرتی تھیں۔مگر یہاں ان گھریلو رسومات کو جیسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا اور اس کی جگہ ناچ گانے کی محفل سجی تھی، حالانکہ بظاہر تو ان لوگوں کا شمار شہر کے شرفاء میں کیا جاتا تھا۔مگر جانے پھر یہ کون سا انداز شریفانہ تھا، شبو آپا الجھن آمیز سوچوں میں

گھری تھیں کہ دولہا کی ماں کی آواز پر چونک پڑیں۔

''چلو بھئی رخصتی بیٹی اب بس کرو۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ بیٹھے بیٹھے دلہن بے چاری کی کمر اکڑ گئی ہو گی، اسے اب اس کے کمرے میں لے چلو۔'' تب شبو آپی اٹھ کر عینی کے پاس چلی آئیں اور اسے سہارا دے کر اٹھانے لگیں۔

دلہن کا کمرہ گلاب کی خوشبو سے مہک رہا تھا، کمرے کے وسط میں گلاب اور موتیا کی ادھ کھلی کلیوں کی سیج وسیع وعریض بیڈ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

''دیکھو دلہن کتنی خوبصورت سیج بنوائی ہے ہم نے تمہارے لیے۔'' ابرار کی خالہ نے عینی کو مخاطب کیا۔ ''اور یہ صرف دو گھنٹے کے آرڈر پر تیار ہوئی ہے یعنی جیسے ہی تمہارے گھر والوں نے تمہاری رخصتی کے لیے رضامندی کا اظہار کیا تو تمہاری ساس یعنی میری بہن نے مجھے یہاں فون کر کے سیج تیار کروانے کا حکم دیا اور میں نے فوراً بے حد خوب صورت سیج کا آرڈر دے دیا۔ اچھی ہے ناں......؟'' انہوں نے پوچھا تو عینی محض سر جھکا کر رہ گئی۔

''میں نے سائیڈ ٹیبل پر دودھ اور پانی کے جگ کے علاوہ پھل اور مٹھائی وغیرہ بھی رکھوا دی ہے مزید کسی شے کی ضرورت ہو تو بلا جھجک بتا دینا، اور ہاں...... تمہارا شب خوابی کا لباس، اس الماری کے اند ہینگر میں لگا ہوا ہے اور وہ رہا واش روم کا دروازہ......'' انہوں نے ساری تفصیل بتا کر ایک طرف اشارہً اور بلاوجہ ہی مسکرا دیں۔

''اچھا تو اب میں چلوں......'' انہوں نے کہا۔ دلہن کا جائزہ لیا اور آگے بڑھ کر خواہ مخواہ اس کی درست کرنے لگیں۔

''ٹھیک طرح بیٹھو، تکیے سے ٹیک لگا کر۔'' انہوں نے عینی کو پچکارا اور لڑکیوں کو عینی کی کمر کے گاؤ تکیہ لگانے کی ہدایت کرتے ہوئے بلامقصد ادھر ادھر دیکھا اور پھر بادل نخواستہ شب بخیر کہہ کر باہ گئیں، لڑکیاں بھی اپنا کام مکمل کر کے کمرے سے باہر چلی گئیں تو شبو آپی نے بھی جھک کر عینی کی پی چومی اور اس کا شانہ تھپتھپا کر کمرے سے باہر جانے کے لیے مڑیں تو تب یکدم ہی عینی نے ان کا ہاتھ

لیا۔

''شبو آپی......!'' وہ تھوک نگل کر بولی۔ ''پلیز آپ یہاں سے مت جائیے ناں...... پتہ نہیں کیوں میرا دل بے حد گھبرا رہا ہے۔''

''ہشت پگلی......'' شبو آپی نے اسے پیار سے گھورا۔ ''بھئی دل تو گھبرائے گا ہی، نئی جگہ اور نیا ماحول جو ہوا، لیکن اب اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں یہاں تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ رہوں اور ابرار کمرے کے باہر کھڑا انتظار میں سوکھتا رہے۔'' وہ مسکرائیں۔

''پلیز عینی ریلیکس رہو۔''

''آپی...... آپی یہ لوگ کچھ عجیب سے نہیں لگے آپ کو۔'' بالآخر عینی کہہ ہی بیٹھی۔

''ششش...... ش......'' شبو آپا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔

''بے وقوف لڑکی......! آہستہ بولو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں کسی نے سن لیا تو کیا کہے گا کہ چند گھنٹے قبل بیاہ کر اس گھر میں آنے والی نئی دلہن کے اپنی سسرال کے بارے میں کیسے نیک خیالات ہیں۔'' چند لمحے چپ رہنے کے بعد شبو آپی دھیرے سے بولیں۔

''عجیب نہیں ہیں یہ لوگ مگر بس شاید ماڈرن کہلانے کے شوقین ہیں، نو دولیتے۔ خواہ مخواہ شو آف کرنے والے یا پھر شہدے کہہ لو، مگر لوگ برے نہیں ہیں اور پھر ابرار تو بہت ہی اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا لگتا ہے، تمہیں بھی یقیناً پسند آئے گا، اچھا اب میں چلوں...... تمہارا دولہا تو مجھے کوس رہا ہوگا کہ کمرے سے باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔'' وہ ہنس کر اس کے پاس سے اٹھ گئیں اور نظروں ہی نظروں میں اسے حوصلے سے کام لینے کی تلقین کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد کمرے کے دروازے پر قدموں کی آہٹ ہوئی اور عینی کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں، شاید ابرار اندر آ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔

☆☆☆

''ممی مجھے لگتا ہے کہ عزمی کے گھر کا نمبر خراب ہے چونکہ فون اٹینڈ نہیں ہو رہا......'' تیمور نے ریسیور

کریڈل پر پٹخ دیا۔

"تمہیں یقین ہے ناں تیمور کہ تم نے درست نمبر ملایا تھا۔"

"آف کورس مما......" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"اچھا......" ممی مایوس ہوگئیں۔ "ہاں ظاہر ہے تمہارے تو دل پر لکھا ہوگا عزمی کا نمبر، بھول تو ہو نہیں سکتی...... خیر......" وہ خودکلامی کے سے انداز میں بڑبڑائیں۔

"میں اب جاؤں ممی...... واپس آ کر آپ سے بہت ساری باتیں کروں گا۔"

"اوکے...... گاڑی کی چابی لیتے جاؤ، کی بورڈ پر لٹک رہی ہوگی۔" سر کے اشارے سے جانے کی اجازت دیتے ہوئے ممی نے اسے تاکید کی۔ تیمور کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ فوراً بیرونی دروازے کی سمت لپکا۔

☆☆☆

کلب کی دھیمی روشنیوں میں ڈانسنگ فلور پر کئی جوڑے سلو میوزک پر بچ بٹنوں کی جوڑی بنے رقص میں مصروف تھے، تیمور کی بے تاب نگاہیں ہر طرف لیزا کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وقت گزاری کے خیال سے تیمور ایک طرف کونے میں پڑی کرسیوں کی طرف بڑھ گیا اور وہاں بیٹھ انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔ ویٹریس آئی تو تیمور نے اپنے پسندیدہ مشروب کا آرڈر دیا اور دروازے سمت پرامید نظروں سے تکنے لگا کہ شاید لیزا آ جائے۔ پھر اس نے لیزا سے موبائل پر بات کرنا چاہی جانے کیوں وہ موبائل اٹینڈ ہی نہیں کر رہی تھی۔ تیمور بے بسی سے بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ رقص کا دور ختم ہوا تو بہت سارے جوڑے اسی طرح پڑی میز کرسیوں کی طرف لپکے جدھر تیمور بیٹھا تھا۔ ذرا سی دیر میں تمام خالی کرسیوں پر لوگوں نے قبضہ کرلیا اور اس کے بعد ہر طرف وہسکی اور بیئر کا دور چل پڑا۔

"ایکسکیوز می......" کہہ کر نوجوان لڑکی تیمور کے سامنے پڑی کرسی پر آ بیٹھی، تیمور نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

"ہیلو......!" اس نے مسکرا کر تیمور کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

اخلاقاً تیمور کو بھی مسکرانا پڑا مگر اس نے لبوں سے کوئی جواب نہ دیا وہ خاموش ہی رہا۔

اگلی بار رقص کے لیے قدرے تیز میوزک کا انتخاب کیا گیا۔ جنہیں رقص کرنا تھا وہ اپنے اپنے ساتھیوں کو منتخب کر کے ایک بار پھر ڈانسنگ فلور کی سمت بڑھ گئے۔ وہ لڑکی بھی تیزی کے ساتھ اٹھی اور آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ تیمور کے سامنے پھیلا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ رقص کے دوران تیمور کا سنگ چاہتی ہے۔

"سوری...... میں اپنی گرل فرینڈ کا انتظار کر رہا ہوں۔" تیمور نے جان چھڑانا چاہی۔

"پلیز......" لڑکی نے جہان بھر کے التجا لہجے میں سمو کر تیمور کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھی اپنے بوائے فرینڈ کا انتظار تھا مگر...... ٹائم پاس کے لیے ہی سہی...... آ جاؤ۔" اس نے ملتجی نظروں سے تیمور کو رام کرنا چاہا۔ ناچار تیمور کو اٹھنا پڑا، لڑکی بے اختیار مسکرا دی۔

"میرے نئے بوائے فرینڈ کے طور پر ہینڈسم لڑکا بہت بہتر رہے گا۔" اس نے سوچا۔

نیم تاریک گوشے میں تیز میوزک کی تال پر وہ لڑکی تقریباً تیمور سے لگی رقص کرتی رہی لیکن اس کی ہیجان خیز حرکتیں تیمور کو خفقان میں مبتلا کر رہی تھیں، اگر میرو کو لیزا کا پاس وفا نہ ہوتا تو وہ اس اوور کانفیڈنٹ لڑکی کو وہ مزہ چکھاتا جو اسے ایک اناڑی ایشیائی سمجھ کر رقص کے دوران اس کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش میں لطف اندوز ہو رہی تھی۔

وہ رقص کرتے کرتے جان بوجھ کر ایسے زاویے بناتی کہ تیمور کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگتیں، تب وہ تیمور کو ایسی نظروں سے دیکھتی گویا کوئی فاتح تیر نظر سے گھائل اپنے مفتوح کو دیکھتا ہے، اس کی آنکھوں میں تیمور کے لیے جو کھلا چیلنج تھا وہ بعد میں اس کے لبوں پر پھیل جانے والے طنزیہ تبسم میں ڈھل جاتا، مگر وہ تیمور کے اندر چھپے ہوئے مرد کو للکار رہی تھی، اسے اکسا رہی تھی، شہ دے رہی تھی...... شاید بعد میں مات دینے کے لیے، تبھی کچھ سوچ کر لڑکی کے ہاتھ پر میراب کی گرفت سخت پڑ گئی، اس کے انداز میں عجب والہانہ پن اور رقص میں بھی بے خودی اور شدت آ گئی مگر اگلے ہی لمحے لیزا کا خیال آیا تو اس کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کے گرد خود بخود ڈھیلی پڑ گئی اور پھر وہ بس تھکے تھکے انداز میں لڑکی کا ساتھ

دیتا ہالڑکی بھی اس کا رویہ دیکھ کر مایوس ہوگئی، ورنہ اسے اپنے حسن پر بڑا ناز تھا، خدا خدا کر کے رقص کا یہ مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا تو تیمور لڑکی سے معذرت کرتا...... اسے پرے دھکیل کر بھاگتا ہوا کلب سے باہر آ گیا۔

تیمور نے پارکنگ ایریا سے اپنی گاڑی نکالی اور آندھی طوفان کی طرح لیزا کے گھر پہنچ گیا، لفٹ کے ذریعے جب وہ پانچویں منزل پر پہنچا تو ارادہ یہی تھا کہ لیزا سے خوب خفگی کا اظہار کرے گا، جو اسے انتظار کی بھٹی میں جھونک کر خود جانے کہاں رہ گئی تھی۔

آج تو وہ خوب منتیں کروا کے ہی مانے گا۔ اپنی سوچوں میں گم وہ جیسے ہی لیزا کے فلیٹ کے دروازے تک پہنچا، گھر کے اندر سے آنے والی نامانوس سی آوازیں سن کر چونک اٹھا۔ یقیناً کسی مرد کی آواز تھی اور ساتھ لیزا کے بولنے کی بھی مدھم سی آوازیں باہر آ رہی تھیں۔ مگر دونوں آپس میں کیا باتیں کر رہے تھے۔ یہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ شاید دونوں کے درمیان کسی بات پر زور و شور سے بحث ہو رہی تھی اور پھر اچانک ہی ایک چھناکے کی سی آواز سنائی دی جیسے شیشے کی کوئی چیز ٹوٹی ہوئی تیمور تذبذب میں پڑ گیا، اسے کیا کرنا چاہیے، آیا کہ دروازے پر دستک دے ڈالے یا پھر باہر سے ہی واپس چلا جائے۔

''مگر اندر ہو کیا رہا ہے آخر......؟ اس نے تجسس سے مجبور ہو کر کی ہول (چابی والے سوراخ) سے آنکھ لگا دی اور اندر جو منظر نظر آیا اسے دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا۔

☆☆☆

رات کے اندھیرے میں سائلنسر نکلی چھ موٹر سائیکلوں کا گروپ مصروف شاہراہ پر زگ زیگ بنا ہوا رواں دواں تھا۔ ایک تو پہلے ہی ان موٹر سائیکلوں کی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی آواز سے لوگ نالاں ہیں اوپر سے یہ لڑکے خود بھی ہا، ہو، شور بر پا کر کے سیٹیاں بجا رہے ہیں۔ اگر چہ ان دنوں ڈبل سواری پر پابندی ہے مگر پھر بھی ہر موٹر سائیکل پر دو لڑکے سوار ہیں ان میں ہر موٹر سائیکل کے پچھلے سوا کے ہاتھوں میں پچکاری نما کوئی شے ہے جسے وہ لوگوں کی طرف کر کے ان کے چہرے پر جھاگ نما گ گاڑھی سی سیال شے کا اسپرے کر کے بھاگ جاتے ہیں، کاروں کے سوار لوگوں نے اس شر سے محفو

رہنے کے لیے اپنے شیشے چڑھا لیے ہیں مگر موٹر سائیکل سوار اس ہڑبونگ اور غنڈہ گردی سے کافی خوفزدہ ہیں چوں کہ اپنی صورتوں سے ہی لڑکے چھٹے ہوئے بدمعاش دکھائی دیتے ہیں اور ان سے پنگا لینے کا مطلب اپنی جان سے کھیلنے کے مترادف ہے۔

سڑک پر عجیب وغریب بے ہودہ حرکتوں اور ہلڑ بازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں یہ لڑکے الٹے سیدھے کرتب دکھا کر جانے کس سے داد وصول کرنا چاہتے ہیں، کبھی موٹر سائیکل ایک سمت میں ٹیڑھی کر کے اسے زمین پر لٹانے والے انداز میں چلاتے اور کبھی اگلہ پہیہ آسمان کی طرف اٹھا کر پچھلے ایک پہیے پر اسے دوڑاتے ہیں اور تبھی اچانک ان میں ایک موٹر سائیکل پھسل کر زمین پر گرتی ہے اور اپنے سواروں سمیت دور تک گھسٹتی چلی جاتی ہے یکدم فضا میں ایک دلخراش چیخ گونجتی ہے اور یہاں سے وہاں تک خون ہی خون بکھر کر رہ جاتا ہے۔

☆☆☆

''بسم اللہ...... بسم اللہ...... میرے شوکت جی تشریف لائے ہیں۔'' نادیہ بی نے آگے بڑھ کر ان کی بلائیں لیں۔

''دیکھو نادیہ بی...... ہمارے پاس وقت بہت محدود ہے۔ اگر مال آ چکا ہے تو فوراً دکھاؤ۔'' شوکت خان نے بے تابی سے کہا۔

''ہاں جی...... کیوں نہیں...... اس بار تو اپنی زرینہ جی ایسی چیز لائی ہیں کہ دل خوش ہو جائے گا جناب کا اور میں تو بخشش میں ہیروں کا سیٹ لوں گی۔ آپ سے۔'' نادیہ نے لاڈ سے کہا۔

''ارے میں کوئی پرانے زمانے کا بادشاہ تھوڑا ہی ہوں، جو تجھے بخشش دوں گا مگر خیر پہلے چیز دیکھنے تو دے کہ جس کی تو اس قدر تعریف کیے جا رہی ہے کہ زمین اور آسمان ایک کر دیے ہیں۔'' شوکت خان ہنس دیا۔

''پرانے زمانے کے بادشاہ نہ سہی مگر اس دور میں حکومت کے وزیر باتدبیر تو ہیں...... آپ کے خیال میں ایم این اے ہونا کیا کم اہمیت رکھتا ہے...... بہر حال میں آپ کا زیادہ صبر نہیں آزماؤں گی۔'' وہ

مسکرائی۔

''آیئے میرے ساتھ.....'' نادیہ بی شوکت خان کو ایک طرف لے کر چلی گئی۔

''وہ رہا آپ کا مطلوبہ کمرہ، مال اندر آپ کا منتظر ہے۔'' نادیہ نے انگلی سے ایک جانب اشارہ کیا اور شوکت خان گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا، زیرلب مسکراتا ہوا بے قراری سے آگے بڑھا۔

''خان جی.....!'' نادیہ نے انہیں دھیرے سے پکارا شوکت خان نے الجھن آمیز نظروں سے اُ کی طرف دیکھا۔

''بس ایک گزارش ہے..... ذرا احتیاط سے کام لیجیے گا۔ چونکہ نئی نئی بات ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ لے کے دینے پڑ جائیں..... یاد رکھیے گا.....'' وہ مکاری سے مسکرائی..... ''آج آپ صرف مال دیکھنے آ ہیں۔ برتنے نہیں۔'' شوکت خان خواب کے سے عالم میں چونکا۔

''ہاں..... ہاں..... فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں پڑنے دوں گا کیوں گھبراتی ہو۔'' شوکت خان نے کہا اور احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆

عینی کی سسرال میں شبو آپی کو سونے کے لیے علیحدہ کمرہ دیا گیا۔ مگر جانے کیوں انہیں ابھی تک نہیں آ رہی تھی حالانکہ رات کا ایک بجنے والا تھا۔

''کاش وہ ساتھ کوئی ڈائجسٹ یا کتاب ہی رکھ لاتیں تو کم از کم اسے پڑھنے میں وقت گزر جاتا مگر عینی کی تو رخصتی ہی اتنی اچانک ہوئی کہ..... ویسے مجھے اب سونے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے تا بروقت بیدار ہو سکوں اور صبح تو خالہ کے گھر سے دلہن والوں کا ناشتہ لے کر بھی کوئی نہ کوئی تو ضرور گا۔''

''دیکھو..... ساتھ کون کون آتا ہے ناشتہ لے کر۔'' شبو آپی اپنی سوچوں میں گم تھیں کہ نسوانی آواز پر اپنی جگہ پر اچھل کر رہ گئیں۔

''کون ہے..... کیا ہوا..... ارے یہ تو عینی کی آواز ہے۔'' وہ دھک سے رہ گئیں اور لپک کر

کے دروازے تک آئیں تو یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں کہ اپنے لہنگے میں الجھتی، گرتی پڑتی عینی چلاتے ہوئے بیرونی دروازے کی سمت بھاگ رہی ہے جب کہ ابرار اور اس کی ماں عینی کو پکارتے ہوئے اس کے پیچھے ہیں تاکہ اسے پکڑ کر اندر لا سکیں۔

''عینی..... عینی.....'' شبو آپی نے اسے پکارا، مگر عینی سن ہی کب رہی تھی وہ تو شدید خوف کے عالم میں چلاتی ہوئی باہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ تب وقت ضائع کیے بغیر شبو آپی سامنے پڑے ٹیلی فون کی طرف لپکیں اور خالہ کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

''ہیلو..... کون..... احمر..... میں شبو۔ فوراً عینی کے سسرال پہنچو..... عینی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور سنو ضائع کرنے کے لیے وقت تمہارے پاس بالکل نہیں ہے۔'' فون رکھ کر وہ عینی کے پیچھے لپکیں..... مگر عینی اس وقت اپنے حواسوں میں کب تھی وہ تو دیوانہ وار آگے ہی آگے بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

''رک جاؤ عینی..... آگے لان میں السیشن کتے کھلے ہوئے ہیں۔'' ابرار نے پیچھے سے اسے تنبیہہ کی۔ مگر اس وقت تک عینی دروازہ کھول کر باہر نکل چکی تھی۔

باہر نکلتے ہی عینی نے مین گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی مگر ابھی وہ لان کے وسط بھی نہیں پہنچی تھی کہ نجانے کس طرح سے دو السیشن کتے بھونکتے ہوئے نکلے اور تیزی سے سیدھے تیر کی طرح عینی کی طرف لپکے۔ رات کے سناٹے میں عینی کے حلق سے ابھرنے والی یہ چیخ بڑی بھیانک تھی چونکہ دونوں کتے یکدم ہی اس پر جھپٹ پڑے تھے مگر بھلا ہو عینی کے بھاری بھرکم کامدار لہنگے کا کہ جیسے ہی ایک کتے نے عینی کی ٹانگ دبوچنے کو اپنا منہ کھولا، اس نے غیر ارادی طور پر اپنے لہنگے کا گھیر کتے کے منہ پر دے مارا، جسے فوراً ہی کتے نے اپنے منہ میں دبا لیا مگر پھر اگلے ہی لمحے خپ خپ کرنے لگا چوں کہ لہنگے کے گھیر پر لگے بے شمار ستارے اور نفیس کام کی سنہری تاریں ٹوٹ کر اس کے حلق میں چپک گئی تھیں، جب کہ دوسرے کتے کے منہ میں عینی کے کامدار دوپٹے کا پلو آ گیا تھا جسے وہ دانتوں میں پھنسا کر زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا اور نادیدہ دشمن سمجھ کر بھنبھوڑ رہا تھا۔ نتیجتاً جو دوپٹہ بڑی جدوجہد کے بعد عینی کے سر پر پنوں کی مدد سے

جوڑے کے ساتھ اٹکایا گیا تھا، اپنی گرفت کھو بیٹھا۔ پنیں ڈھیلی ہو کر گر گئیں، بالوں کا جوڑا کھل گیا تو زلفیں شانوں پر بکھر گئیں، ماتھے کی بندیاں مانگ سے الگ ہو کر کہیں گھاس میں لڑھک گئی اور عینی ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

یہ تو اچھا ہی تھا کہ اس نئی آبادی میں گھر کافی فاصلے پر تھے اور ان میں سے اکثر تو ابھی زیر تعمیر تھے ورنہ شاید عینی کی چیخوں پر لوگ گھروں سے باہر نکل آتے۔

ابرار دیوانہ وار عینی کے پیچھے لپکا مگر اس کی ماں نے اسے واپس پیچھے کھینچ لیا۔

''ٹھہر جاؤ...... ذرا سا مزہ تو چکھ لینے دو اسے۔ تمہیں بڑا جورو کا درد ستا رہا ہے۔''

''مگر اتنی دیر میں کتے اس کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔'' ابرار نے بے بسی سے کہا۔

''بوٹی ان کے ہاتھ آئے گی تب ناں...... اتنا کچھ تو پہنا ہوا ہے اس نے۔'' ابرار کی خالہ اور بہنیں بھی شور سن کر وہیں آ گئی تھیں اور خالہ نے بڑے بے ہودہ انداز سے مسکرا کر کہا تو ابرار اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا۔ تبھی شبو آپی خالہ کے گھر فون کر کے باہر نکلیں تو عینی کو یوں لان میں کتوں کے ساتھ نبرد آزما دیکھ کر بے ساختہ چلا اٹھیں۔

''ہائے...... کوئی بچاؤ میری عینی کو......!'' اور پھر ابرار نہ رہ سکا اور دو چھلانگوں میں عینی تک پہنچ گیا جھپٹ کر کتوں کے گلے میں پڑے پٹوں پر ہاتھ ڈال کر انہیں ایک طرف دھکیلا اور عینی کو بازوؤں میں بھر لیا۔ عینی بے دم ہو کر شاید اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی جب کہ چند لمحے پہلے والی کتوں کی خونخوار رخصت ہو چکی تھی اور اس وقت وہ مالک کو سامنے پا کر اپنی دم ہلا رہے تھے۔

ابرار نے انہیں ڈانٹا تو وہیں اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے پیروں سے اپنی تھوتھنی رگڑنے لگے اور حلق سے چیاؤں چیاؤں کی آوازیں نکالنے لگے جیسے اپنی غلطی پر نادم ہوں۔

''اوئے کون ہے یہاں......؟''

''گیٹ کا چوکیدار اپنے کیبن کے اندر سے شاید کچی نیند سے بیدار ہو کر آیا تھا اور چور ڈاکو کے بھیڑ ہونے کے خیال سے ہاتھ میں بندوق تھامے ہوئے تھا مگر پھر ٹارچ کی مدھم روشنی میں اپنے سا

ابرار کے کندھے پر جھولتی ہوئی، چند گھنٹوں پیشتر بیاہ کر آنے والی دلہن کو اس حالت میں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ جس کے لہنگے کا نچلا حصہ لیرم لیر ہو کر گھاس پر ادھر ادھر پڑا تھا۔ پنڈلیوں پر لاتعداد خراشیں تھیں اور دوپٹے کا پلو اس کے کندھے پر محض ایک دھجی بن کر جھول رہا تھا۔

''اب آئے ہو......؟ کیا کھا کر سوئے تھے رات؟'' ابرار غرایا۔

''سوری جناب......!'' چوکیدار نے نظریں جھکا لیں۔

''تمہیں تنخواہ رات بھر سونے کی نہیں بلکہ جاگنے کی ملتی ہے۔ یہ بات آئندہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا۔'' ابرار نے اسے تنبیہہ کی۔

''جی سرکار......! غلطی ہو گئی۔'' چوکیدار بدستور سر جھکائے کھڑا تھا۔

''اچھا چلو اب کتوں کو یہاں سے لے جاؤ اور عینی بی بی کے جوتے اٹھا کر اندر لے آؤ۔'' چوکیدار کو ہدایت جاری کرنے کے بعد ابرار عینی کو بازوؤں میں اٹھائے بیڈروم میں لے آیا اور بستر پر لٹانے کے بعد اس کی پنڈلیوں پر پڑنے والی خراشیوں کا معائنہ کرنے لگا۔ شکر ہے ان میں سے کوئی زخم گہرا نہیں تھا لیکن اگر چند لمحوں کی تاخیر ہو جاتی تو......! یہ سوچ کر ہی ابرار کو جھرجھری سی آ گئی۔

وہ الماری کے اوپر پڑا اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لایا تھا اور اس وقت بیٹھا عینی کی پنڈلیوں پر بڑی احتیاط سے دوا لگا رہا تھا کہ اسی اثناء میں شبو آپی، ابرار کی ماں بہنوں اور خالہ کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ ابرار کی امی نے ناگوار سے انداز میں ابرار کو عینی کی مرہم پٹی کرتے دیکھا اور پاس پڑے صوفے پر جا بیٹھیں۔

''کیا عینی کو اس طرح کے دورے پہلے بھی پڑا کرتے تھے؟''

ابرار کی خالہ نے حسب عادت سگریٹ سلگائی تھی۔

''جی نہیں، ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔'' شبو آپی نے دھیرے سے جواب دیا۔ ''نہ کبھی اس کی ایسی حالت ہوئی ہے۔''

''تو پھر کسی لڑکے وڑکے کے ساتھ...... میرا مطلب ہے چھوٹے موٹے محلوں میں پڑوس میں تو ایسے

ناٹک چلتے ہی رہتے ہیں۔''

ضبط کی انتہا سے شبو آپی کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ''عینی ہرگز ایسی لڑکی نہیں ہے۔'' انہوں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''چھوڑیں اس بات کو، اس کے کپڑے بدلوا کر اسے ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر کریں۔'' ابرار اپنا فرسٹ ایڈ باکس بند کر کے اٹھ گیا۔

ماں کے اشارے پر ابرار کی بہن اٹھی اور وارڈروب سے ایک کامدار شلوار سوٹ اتار لائی۔

''پہلے اسے ہوش میں لے آئیں۔'' ابرار نے کہا۔

''تمہیں بڑی فکر ہے اس کی۔ لے آتے ہیں ابھی ہوش میں بھی۔'' ابرار کی خالہ نے سگریٹ کی ایش ٹرے میں جھاڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرا کر ابرار کی طرف دیکھا اور اٹھ کر پاس پڑے جگ سے پانی لے کر عینی کے چہرے پر چھینٹے مارے۔

عینی نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ عینی کے ہوش میں آتے ہی اس کی ساس کے تاثرات حیرت انگیز حد تک تبدیل ہو گئے اور وہ ''ہائے میں صدقے جاؤں! میں واری اپنی چندا کے۔'' کہتی عینی کی طرف لپکی۔

''دلہن! یہ کپڑے بدل لو۔ میں اتنی دیر میں تمہارے لیے گرم دودھ منگواتی ہوں۔'' ابرار کی خالہ نے سوٹ عینی کی طرف بڑھایا اور ابرار کی ماں شبو آپی کے ساتھ مل کر عینی کو سہارا دے کر اٹھانے لگیں۔

''دلہن بی بی کے گھر والے آئے ہیں.....'' بیگماں نے اندر آ کے اطلاع دی۔

''دلہن..... یعنی عینی کے گھر والے۔ اس وقت.....؟ مگر کیوں.....؟ انہیں کس نے بتایا'' ابرار کی ماں پریشان سی ہو گئی۔

''مم..... مم..... میں نے فون کیا تھا۔ جب عینی کی طبیعت خراب دیکھی تو.....'' شبو تھوک نگل کر جیسے اقرار جرم کیا۔

اس پر ابرار کی ماں اور خالہ نے کھا جانے والی نظروں سے بیک وقت ان کی طرف دیکھا مگر

کہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں چنانچہ بیگماں کو حکم دیا کہ عینی کے گھر والوں کو یہیں کمرے میں لے آؤ اور خود چہرے پر منافقانہ مسکراہٹ سجا کر سمدھانے کے استقبال کو آگے بڑھیں۔ عینی جو ابھی کپڑے بدل کر بستر پر لیٹی ہوئی تھی گھر والوں کے آنے کی خبر پا کر جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

چند ہی لمحوں بعد اڑی اڑی سی رنگت اور چہرے پر پریشان کن تاثرات لیے خالہ اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے کامران بھائی اور نسرین بھابی کے ساتھ عفی اور احمر بھی تھے مگر انہوں نے دلہن کے بیڈروم میں آنے سے گریز کیا اور باہر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے۔

''کیا ہوا میری بچی کو......؟'' خالہ بے اختیار عینی کی طرف لپکیں۔ پاس کھڑے ابرار نے انہیں سلام کیا مگر انہوں نے جیسے سنی ان سنی کر دی۔ اس وقت انہیں صرف عینی کی فکر تھی۔

''میرا خیال ہے دلہن شاید کسی وجہ سے ڈر گئی تھی۔ مگر اب سب ٹھیک ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔'' ابرار کی والدہ نے خوش دلی سے مسکرانے کا انداز اپنایا۔

''کوئی آسیبی سایہ وغیرہ یا کبھی ہوائی چیزوں کا اثر تو نہیں رہا اس پر؟'' ابرار کی خالہ نے عینی کی امی سے پوچھا۔

''اے خدا نہ کرے......'' وہ جھٹ سے برا مان کر بولیں۔

''کیوں ہوتا آسیب کا اثر۔ اپنے گھر میں تو بھلی چنگی لڑکی رخصت کی تھی ہم نے۔ یہاں آ کر کچھ ہوا ہو تو پتا نہیں۔'' انہوں نے تنک کر کہا اور پھر عینی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ جو نسرین بھابی کے گلے لگی گھٹی گھٹی سسکیاں لے رہی تھیں اور وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر تسلی دے رہی تھیں۔

''ہوا کیا تھا آخر......؟'' نسرین بھابی نے عینی سے پوچھا۔

''وہ......وہ...... دراصل بھابی! میرے کمرے میں......''

عینی نے ہکلاتے ہوئے قدرے خوفزدہ انداز میں اپنی ساس کی طرف دیکھا جو بے بسی سے اپنی بہن کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''بتا دو...... بتا دو شاباش......کوئی کچھ نہیں کہتا۔'' بھابی نے عینی کا شانہ تھپکا۔

"دراصل میرے کمرے میں کوئی بدمعاش گھس آیا تھا جو الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کے علاوہ بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔" عینی نے سر جھکا کر کہا۔

"بدمعاش......؟" ابرار کی خالہ نے اپنے نائٹ گاؤن کی ڈوریوں سے کھیلتے ہوئے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"بتاؤں گی ابرار کو...... کہ عینی تمہیں بدمعاش کہہ رہی تھی۔" اس کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی

"مگر میری بھولی بلبل......! میاں بیوی کا رشتہ تو شرافت والا ہے ہی نہیں۔ یہ بات اس سے پہلے تمہیں کسی نے نہیں بتائی؟"

ہنستے ہنستے ابرار کی خالہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ عینی کے گھر والے ہکا بکا کبھی عینی کو اور کبھی اس کی ساس اور خالہ ساس کو احمقوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔ جب کہ عینی بدستور سنجیدہ تھی۔

"نہیں آنٹی......! وہ...... ابرار نہیں تھے بلکہ وہ تو...... وہ تو......"

"اچھا...... اچھا سمجھ گئی......" عینی کی ساس نے فقرہ درمیان میں ہی اچک لیا۔ "یہ دراصل ابرار کے تایا کی بات کر رہی ہوگی۔" انہوں نے بہن کی طرف دیکھ کر مخصوص انداز میں بھنویں چڑھائی تو وہ ج سب سمجھ گئی۔

"اوہ ہاں...... اچھا، اچھا...... وہی ناں جنہیں نکاح پر پہنچنا تھا مگر نہیں آ سکے تھے۔" اس نے با مکمل کر کے یوں اپنی بہن کی طرف دیکھا گویا اپنی ذہانت کی داد وصول کرنا چاہتی ہو۔

دعا وسلام دینے کی ضد کرنے لگے چونکہ صبح ہی انہیں لاہور داتا صاحب کے عرس میں جانا تھا اور وہیں سے ان کی جرمنی کی فلائٹ تھی۔ اچھا تبھی......!"

"ویسے ابرار سے پیار بھی تو بہت کرتے ہیں بے چارے۔" ابرار کی خالہ نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"ہاں اولاد بھی تو کوئی نہیں ہے ان کی۔ ابرار کو ہی سگی اولاد کی طرح چاہتے ہیں اور اسی لیے بیا اور کمزوری کے باوجود اتنی دور سے اسے دولہا کے روپ میں دیکھنے چلے آئے۔ کتنا ارمان تھا ان کے میں ابرار کے بیاہ کا، سو جب انہوں نے دلہن سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں روک نہ سکی۔ جب ابھی ابرار بھی اپنے کمرے میں نہیں گیا تھا۔ سو وہ دلہن کو دعا دینے کمرے میں پہنچ گئے۔ میں ابھی بس

کے پیچھے بہو سے ان کا تعارف کروانے کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ یہ بدکی ہوئی گھوڑی کی طرح کمرے سے بھاگ نکلی۔" وہ عینی کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ...... اور بولو......!

"نہیں نہیں...... ایسا نہیں تھا......" عینی، ساس کے جھوٹے بیان پر گڑبڑا اٹھی۔

"کیا نہیں، نہیں......؟ بہت بے وقوف ہو تم۔" خالہ نے اسے گھرکا اور ابرار کی ماں کی طرف پلٹیں۔

"بہن! اسے ناسمجھ، سمجھ کر معاف کر دینا اور ابرار کے تایا جی کو بھی بلا لیں۔ اس کی طرف سے میں ان سے معذرت کر لیتی ہوں۔"

"ارے...... کوئی بات نہیں۔" عینی کی ساس تیر صحیح نشانے پر بیٹھنے کے باعث اطمینان سے ہنس دی۔ "آپ بے فکر رہیں۔ میں خود انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کر دوں گی۔"

"تو اور کیا غلط فہمیاں ہمیشہ اعتماد بھرے رشتوں میں ہی جنم لیتی ہیں اور غلطیاں بھی انسانوں سے ہی ہوتی ہیں پھر عینی کی تو ابھی عمر ہی کیا ہے۔" ابرار کی خالہ نے اتنے میٹھے لہجے میں پیار سے کہا کہ عینی کی امی شرمندہ ہو گئیں۔

"بس بہن! اعلیٰ ظرفی سے کام لے کر اس کی کوتاہیاں نظرانداز کرتی رہیے گا۔ انشاءاللہ بیٹیوں سے بڑھ کر آپ کی خدمت کرے گی۔" انہوں نے پورے خلوص سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب واپس چلا جائے۔" نسرین بھابی نے خالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہاں چلو......" خالہ نے صوفے پر پڑی اپنی چادر اٹھائی۔

نسرین بھابی باہر بیٹھے مردوں کو خیر و عافیت کا مژدہ سنانے چل دیں۔

"خبردار! اب کوئی حماقت مت کرنا۔" جاتے جاتے خالہ نے عینی کو تنبیہہ کی۔

"مگر میں تو...... میری پوری بات تو سن لیں امی۔" عینی نے احتجاج کیا۔

"چپ رہو بس۔" خالہ نے اسے گھرکا۔

"شبو! کچھ تم ہی اسے سمجھاؤ۔" خالہ نے خاموش کھڑی شبو آپی سے کہا اور وہ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

خالہ وغیرہ کے جاتے ہی شبو آپی بھی کھڑی ہو گئیں۔ تب عینی نے بے چارگی سے ان کی طرف

دیکھا۔

"شبو آپی......! کیا آپ بھی......؟" اس کا گلا رندھ گیا۔

"آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہیں؟"

"نہیں عینی! مگر سچ تو یہ ہے کہ میں جب سے تمہارے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئی ہوں، قدم قد پر تحیر آمیز واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے اور اب تو جیسے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی صلب ہو کر گئی ہے۔ میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" عینی بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

ہسپتال کے کاریڈور میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح بے قراری سے ٹہلتی سلمیٰ شوکت موبائل کان سے لگائے دوسری جانب سے فون اٹھائے جانے کی منتظر تھی اور پھر دوسری طرف کسی کے کال اٹینڈ کرتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "خان جی......خان جی......! غضب ہو گیا ہائے میرا لعل......!"

"اوئے کیا ہو گیا؟ کیوں بین ڈال رہی ہے؟ تیرے پاس موبائل ہونا میرے لیے تو مصیبت ہی گیا ہے۔ جس طرح کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو کوئی کام سنورنے نہیں پاتا اسی طرح فون پر تیری بسورتی آواز سن کر بھی بندے کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔"

سلمیٰ شوکت نے ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے۔ "بات سنیں خان جی! ہمارا بیٹا بہ ہے۔ ہسپتال سے آپ کو فون کر رہی ہوں میں۔ ضمیر اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہے۔ اس کے سر پ چوٹیں آئی ہیں۔ ڈاکٹر آپریشن کر رہے ہیں......اگر......اگر میرے ضمیر کو کچھ ہوا ناں تو......شا بھی زندہ نہیں رہوں گی۔" وہ پھر رو دی۔

"ہیں......؟ اچھا......کیسے ہوا یہ سب......؟" شوکت خان جیسے اچانک نیند سے جاگا۔

"بس جی......موٹر سائیکل الٹ گئی اس کی اور......اور......میرا بچہ......ہائے میرا لعل۔" ہچکیوں کے درمیان بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اچھا فکر مت کر میں آ رہا ہوں۔ مگر ڈاکٹرز تو اچھی طرح اٹینڈ کر رہے ہیں ناں......؟ وی روم میں بٹھایا ہے تجھے کہ نہیں......؟ اور تو نے اخباری نمائندوں کو فون کیا ابھی تک......یا بس ٹ

بہائے جا رہی ہے؟" شوکت خان نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات ایک ساتھ کر ڈالے۔

"اخباری نمائندوں کا کیا اچار ڈالنا تھا مجھے......! تمہیں ایسے نازک وقت میں بھی نمائندوں کی پڑی ہے۔ بس تم آ جاؤ۔" سلمیٰ شوکت نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے التجا کی۔

"اوئے پاگل خانے......یہی تو وقت ہوتا ہے جب ایسے الزامات سیاسی حریفوں کے کھاتے میں ڈال کر انہیں عوام کے سامنے نکو بنایا جاتا ہے۔ پر تجھے کیا مالوم؟ (معلوم)......خیر! میں اخباری نمائندوں کو خود فون کر دیتا ہوں اور ہاں وہ اگر ہسپتال میں مجھ سے پہلے پہنچ جائیں تو بتانا کہ ضمیر خان موٹر سائیکل پر دوستوں کے ساتھ ایک خیراتی ادارے میں رقم جمع کرانے جا رہا تھا کہ مخالف سیاسی پارٹی کے کارکنوں نے اس پر پستول سے فائر کر دیا۔ وار بچانے کے لیے اس نے موٹر سائیکل ایک طرف جھکا لی تو یہ حادثہ ہو گیا۔ پلس (پولیس) کو بھی یہی بیان درج کرانا ہے۔ سمجھی......؟ میں بس ابھی پہنچا ہی سمجھ۔ گھبرانا نہیں اچھا......!" شوکت خان نے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

صبح نسرین بھابی، عزمی، خالہ کی نند اور ان کی بیٹی مروئی پر مشتمل قافلہ عفی کی ہمراہی میں ناشتہ لے کر آیا تو خواتین نے موقع پاتے ہی عینی کو گھیر لیا اور کرید کرید کر شریر قسم کے سوالات کرنے لگیں۔ جن کا عینی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، شاید جبھی مسکرا کے رہ گئی تھی۔

"رونمائی میں کیا دیا ابرار نے؟" بھابی کے سوال پر عینی نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھولی اور سرخ مخملیں ڈبہ باہر نکال کر نسرین بھابی کی طرف بڑھایا جس میں سونے کے جڑاؤ کنگن دمک رہے تھے۔

"ارے......! یہ بس یونہی ڈبے میں بند تمہیں پکڑا دیے ابرار میاں نے؟ کلائی میں نہیں ڈالے؟" عینی کی پھوپھو نے کنگنوں کی جوڑی ہاتھ میں لے کر سونے کے وزن کا اندازہ کرتے ہوئے عینی سے پوچھا۔

"بھئی انہیں اتنا ٹائم ہی کہاں دیا عینی نے۔ صبح چار بجے تک تو یہ لوگ پکڑن پکڑائی کھیلتے رہے۔ کیوں عینی......!" عزمی نے شرارت سے اس کے پہلو میں چٹکی بھری۔

"ہاں اس کے بعد تو جتنا بھی وقت ملا، لگتا ہے دولہا نے اسی کو غنیمت جانا، کنگن پہنانے میں بھلا مزید

وقت کیوں گنواتے؟'' مروی نے شرارت سے آنکھ ماری۔

نسرین بھابی نے بغور عینی کی طرف دیکھا تو اس نے نظر چرالی، تبھی عزمی کی نظر شبو آپی پر پڑی جو تمام ہنسی مذاق سے انجان بنیں، چہرے پر حد درجہ سنجیدگی لیے جانے کون سے خیالوں میں گم تھیں۔ ان کے اطوار شدید تھکن کا پتا دے رہے تھے جب کہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی، رتجگے کی غماز تھیں۔

''کیا بات ہے شبو آپی......! آپ کہاں گم ہیں؟'' فلکی کے جھنجوڑنے پر وہ چونک اٹھیں اور بظاہر نارمل نظر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔

شام کو ولیمے کی تقریب ہوٹل میں تھی۔ وہیں سے اپنے گھر والوں کے ہمراہ عینی کو میکے جانا تھا۔ دعوت ولیمہ اپنے اختتام کو پہنچا تو خالہ وغیرہ نے عینی کی ساس سے عینی اور ابرار کو اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت چاہی۔

''ہاں عینی کو بے شک آپ لوگ اپنے ساتھ لے جائیں مگر ابرار کو تو رہنے ہی دیں...... چونکہ ہمارے طرف لڑکے کا دلہن کے ساتھ چوتھی کے لیے جانے کا رواج نہیں۔''

''اچھا......'' خالہ مایوس سی ہوگئیں۔

تب عزمی کی امی آگے بڑھیں۔ ''مگر ہماری طرف تو یہی رواج ہے کہ جب دلہن چوتھی کے لیے جاتی ہے تو اس کا دولہا بھی ہمراہ ہوتا ہے۔''

''مگر ہمارے ہاں ایسا کوئی دستور نہیں۔'' ابرار کی والدہ نے بے رخی برتی۔

''ٹھیک ہے آنٹی! جیسے آپ خوش۔'' کامران بھائی اور احمر جو قریب ہی کھڑے خواتین کی گفتگو سے سن رہے تھے۔ آگے بڑھ آئے اور جلدی سے مداخلت کی تاکہ معمولی سی بات پر دونوں گھرانوں بیچ کوئی تلخی جنم نہ لے۔

''پرسوں شام میں چار پانچ لوگوں کے ہمراہ عینی کو لینے کے لیے آؤں گی۔'' ان لوگوں کے چلے ابرار کی والدہ نے محض اطلاع دی اور بس۔

☆......☆......☆

عینی کے گھر پہنچتے ہی عزمی کی امی اور کامران بھائی نے اپنے گھر واپسی کے لیے اجازت چاہی

''صبح ناشتے کے بعد چلے جانا۔'' خالہ نے انہیں روکنا چاہا۔

''نہیں منی! اب ہمیں اجازت دو، آج صبح سے ہی گرد آلود ہوائیں چلتی رہی ہیں۔ سارا گھر مٹی مٹی ہو رہا ہوگا۔'' عزمی کی امی نے فوراً واپسی کا جواز پیش کیا۔

''اچھا تو پھر بچیوں کو تو چھوڑ جائیں۔''

خالہ کے کہنے پر امی ہنس دیں۔ ''اور بھلا ان کے بنا میں تنہا گھر پر کس کام کی؟ کام کاج تو سارا یہی کرتی ہیں۔''

''اچھا پھر پرسوں صبح ہی پہنچ جانا۔'' خالہ نے تاکید کی۔

''ہاں تم بے فکر رہو۔ ہوسکتا ہے ہم کل شام بھی ذرا دیر کو چکر لگا جائیں۔'' امی نے خالہ کو گلے لگا کر دلاسہ دیا۔

امی کی ہدایت پر عزمی جلدی سے اپنی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔ جب کہ دیگر کزنز نے عینی کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ بھاری بھرکم بنارسی غرارہ سوٹ بدلنے کے بعد لائٹ پیچ کلر کے کاٹن کے لباس میں وہ خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی مگر پنڈلیوں پر کتوں کے پنجوں سے پڑنے والی خراشیں اسے بے چین کیے ہوئے تھیں۔ بھلا ہو شبو آپی کا جنہوں نے کپڑا بدلواتے ہوئے چپکے سے اس کی زخموں پر دوا لگا دی تھی۔

خالہ کی نند کی بیٹیوں نے اس وقت کچن کا چارج سنبھالا ہوا تھا اور سب کو گرما گرم چائے کی پیالیاں پیش کی جارہی تھیں۔ چائے پی کر ان سب نے اجازت چاہی۔

''تو تم لوگ رک جاؤ ناں...... خالہ بے شک چلی جائیں۔'' عینی نے عزمی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''تم فکر مت کرو۔ ہم کل دوبارہ چکر لگائیں گے۔'' عزمی نے اس کی ہتھیلی کی پشت تھپتھپائی۔

اگرچہ نشو کا دل ہرگز واپس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی، حالاں کہ پرسوں تو عفی کو بلوچستان کے لیے روانہ ہونا تھا مگر اس کا بس چلتا تو ایک لمحے کے لیے بھی عفی کو اپنی نظروں سے دور نہ ہونے دیتی مگر بہت بے بس تھی اگرچہ انہیں گھر کے دروازے تک رخصت کرنے کے بعد عفی بھی آیا اور سب سے

خوب ہنس بول رہا تھا مگر نشو کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا اور نشو اس کی بے رخی پر اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی۔

دو تین دن سے بند گھر کو واقعی صفائی ستھرائی کی ضرورت تھی۔ سو اگلا تمام دن مختلف نوعیت کے گھریلو کاموں میں گزرا۔

اگرچہ یہ بات طے تھی کہ جس ڈرائیونگ سکول میں عزمی نے ملازمت کے لیے انٹرویو دیا تھا او جاب بھی حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے عزمی کی عدم دلچسپی اور ڈیوٹی پر حاضر نہ ہونے کے باعث کس دوسری لڑکی کو اپائنٹ کر لیا ہوگا۔ تاہم کسی موہوم سی آس پر عزمی نے ڈرائیونگ سکول فون کیا اور یہ جان ک اسے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ نا صرف اس کی جگہ ابھی تک خالی تھی بلکہ عزمی کی درخواست پر اس کے با نے اسے ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے لیے مزید چار دن کی مہلت عنایت کر دی تھی۔

گھر کے کاموں سے فراغت پاتے ہی عزمی نہانے چلی گئی اور بال سلجھانے کے بعد یونہی آ کے آگے جا کھڑی ہوئی۔

کتنے ہی دنوں بعد آج وہ یوں بال سنوار کر آئینے کے روبرو آئی تھی۔ اسے خود اپنا آپ اجنبی سا لگ آنکھوں تلے حلقے، راتوں کو جاگ کر روتے رہنے کی گواہی دے رہے تھے۔ گلاب کی پنکھڑ جیسے ریشمی لب، کملا کر جامنی رنگت اختیار کر گئے تھے۔

کیا واقعی عزمی اپنی زندگی سے مطمئن ایک ایسی عورت دکھائی دے رہی تھی جسے شوہر کا اعتماد، اس محبت اور بے پناہ پیار حاصل تھا......؟

ہرگز نہیں......

بلکہ اس کے چہرے پر تو بے توجہی اور محرومی کی گرد جم چکی تھی اور اس کے نازک وجود پر گویا صد کی تھکن طاری تھی۔

دل کا کرب آنکھوں سے واضح طور پر نمایاں تھا، اس کی روح زخمی اور بدن چھلنی ہو چکا تھا مزید مسافتیں طے کرنے کی طاقت کھو چکے تھے۔ کسی کو کھو دینے کا ملال ہمیشہ کے لیے اس کی کھوکھ

سنگی و ساتھی بن چکا تھا۔

تو پھر وہ بھلا کب تک اپنی شکست کے مرقد پر جھوٹی جیت کے پھول چڑھا کر سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتی رہے گی۔

کیا دنیا کے سبھی لوگ اتنے پاگل ہیں جو اس کی غلط بیانی پر من و عن یقین کر لیں گے؟

یہ ناٹک بھلا کتنی دیر کامیابی سے چل سکے گا......؟ وہ ایک طلاقن کو کب تک سہاگن کے کردار میں دنیا والوں کے آگے پیش کرتی رہے گی......!!

اور جب بھانڈا پھوٹے گا تو......

خواہ مخواہ کتنی ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔

اب اس ڈرامے کا اختتامی منظر پیش کر ہی دینا چاہیے اور اس کے لیے اسے اپنے شکستہ وجود کو یکجا کرنا ہوگا تاکہ لوگوں کی باتوں کا سامنا کر سکے۔

سب کے آگے سچ بول سکے......!

کیا ہوگا......؟

زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے خلاف باتیں بنائیں گے، اسے کمزور، بدکردار اور بری عورت سمجھیں گے کہ جو اپنا گھر تک نہ بسا سکی۔

اتنی جلد ٹھپہ کھائی ہوئی گیند کی طرح واپس پلٹ آئی۔ کبھی پلٹ کر نہ جانے کے لیے۔

مگر......

کوئی اس سے اس کا رزق تو نہیں چھین لے گا۔

زندگی کی سانسوں پر سے اس کا حق تو ختم نہیں ہو جائے گا۔

مجازی خدا کے دھتکارنے کے بعد خدائے حقیقی تو منہ نہیں موڑے گا اس سے۔

چوں کہ وہ تو تمام تر حقیقت سے باخبر ہے۔ وہ تو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ آنسوؤں کی نمی سے اس کے رخسار بھیگ گئے۔ تب بے اختیار اس کے دل سے دعا نکلی۔

"یا اللہ! مجھے ہمت دے کر سچ بول کر لوگوں کی نفرتوں کو سہنے کا حوصلہ کر سکوں۔ مجھے صبر و استقامت عطا فرما، چوں کہ اے کاتب تقدیر میں تیرے لکھے پر راضی رہنا چاہتی ہوں پس تو مجھے ہر حال میں اپنی شکر گزاری کی توفیق عطا فرما۔"

عزمی کا رواں رواں جیسے خالق کائنات کے روبرو سربسجود تھا۔

عصر کی نماز ادا کر کے عزمی باہر آئی تو شبو آپی کو صحن میں کامران بھائی اور امی سے باتوں میں مشغول پایا جب کہ نشو کیاریوں میں لگے پودوں کو پائپ سے پانی دے رہی تھی اور شبو آپی سب کو دھیرے دھیرے عینی کے سسرال میں پیش آنے والے حالات و واقعات بتا رہی تھیں۔

"مجھے تو وہ لوگ پہلے ہی دن سے ٹھیک نہیں لگے تھے۔ دولہا کی ماں بہنوں کے طور طریقے بڑے ہی الگ تھلگ سے ہیں۔" نسرین بھابی نے کہا۔

"کہیں خالہ وغیرہ سے لوگوں کے انتخاب میں کوئی چوک تو نہیں ہوگئی۔" کامران بھائی زیر لب دھیرے سے بولے۔

"مگر منی! (خالہ) نے آخر دیکھ بھال اور چھان پھٹک تو کی ہوگی۔" امی نے کہا۔

"ہاں مگر امی! خالو تو بہت سیدھے سادے انسان ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد تو وہ ویسے بھی بس تک ہی محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور خالہ کے دونوں بیٹے بھی انتہائی شریف اور اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں۔ مردم شناسی کے لیے بہت تجربے کی ضرورت ہوتی ہے اور ابھی اس لحاظ سے ان کی عمر ہی ہے۔ لیکن خدا کرے کہ عینی کی قسمت بہت اچھی ہو اور وہ اپنے گھر میں بڑی بھرپور زندگی گزارے۔" عزمی نے خلوص دل سے دعا کی۔

"آمین......" شبو آپی نے با آواز بلند کیا۔

"پہلے زمانے کے لوگ غیروں میں اس وقت تک بچوں کے رشتوں کے لیے ہاں نہیں کرتے جب تک ان کے یہاں کوئی شادی یا موت میں شمولیت نہ کر لیتے چونکہ ان مواقعوں پر تمام پوشیدہ دار اور سارے رسم و رواج دیکھنے کو ملتے ہیں اور یوں کافی چھان پھٹک کر اور سوچ و بچار کے بعد ہی

فیصلہ کرتے تھے مگر اب ایسی باتوں کے لیے گویا وقت میں برکت ہی نہیں رہی، ہر کام میں عجلت و آپا دھاپی کا دور ہے۔" امی نے پاندان سامنے سے ایک طرف سرکاتے ہوئے تاسف سے کہا۔

"ساری بات نصیبوں کی ہوا کرتی ہے امی! ورنہ دیکھ بھال سے بھلا کیا ہوتا ہے؟" عزمی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا تو امی نے چونک کر سر اٹھایا اور سرد آہ کھینچی۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی! خدا بیٹی دے تو بس نصیب اچھے کرے۔"

"امی کڑھی کو بگھار پیاز کا لگے گا کہ لہسن کا؟" نمرا نے اچانک کچن سے نکل کر امی سے پوچھا۔ آج کل وہ کھانا پکانا سیکھ رہی تھی اس لیے کچن میں تواتر سے نظر آیا کرتی تھی۔

"کڑھی کو گن کر پوری سات چیزوں سے بگھارا جائے تو بے حد لذیذ بنتی ہے، وہ چیزیں کون کون سی ہیں، آؤ میں بتاتی ہوں۔" شبو آپی اٹھ کر اس کے ساتھ کچن کی طرف چل دیں۔

"کھانا اگر آج نمرا بنا رہی ہے تو ہمارے معدوں کا تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔" کامران بھائی مسکرا کر بولے۔

☆......☆......☆

"واہ بھئی واہ...... ! کیا تحفہ پیش کیا تم نے ہماری خدمت میں سینکڑوں۔ ریشمی غلافوں میں لپٹا، ہزاروں پردوں میں چھپا، جس کی نقاب کشائی کرنا چاہی تو ہمارے ہاتھ ہی زخمی ہوگئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ تحفہ تھا یا ہمارے ارمانوں پر بمباری کی تھی تم نے؟" شوکت خان نے غصے سے کہا۔

جواباً نادیہ بی کی مترنم ہنسی سنائی دی۔ "یہ لیجیے...... زرینہ جی پاس ہی بیٹھی ہیں، ان سے بات کیجیے۔" نادیہ نے ریسیور آگے بڑھا دیا۔

"جی خان صاحب! سنا ہے بڑے خفا رہنے لگے ہیں آج کل ہم سے؟" اس نے بڑی ادا سے کہا۔

"نہ تمہارے ساتھ اس طرح ہوتا تو تم کیا کرتیں؟" شوکت خان پھنکارا۔

"صبر......!" زرینہ اطمینان سے بولی۔

"کیا آپ کو نہیں معلوم خان جی! کہ وحشی گھوڑی کو جب تک سدھا نہ لیا جائے، تب تک وہ کسی کو

اپنے پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتی۔ سدھارنے کے بعد ہی اسے تانگے میں جوتا جاتا ہے اور آپ.....
آپ ہمارا تحفہ پا کر ایسے نہال ہوئے کہ ہر احتیاط ہی بھلا ڈالی۔ اب یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ کس طرح اپنی
پلکوں سے کانٹے چنیں گے جو آپ نے انجانے میں ہماری راہ میں بو دیئے ہیں۔ خیر جانے دیجئے آپ
یہ بتایئے کہ مال پسند تو آیا تھا ناں آپ کو؟'' وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولی۔

''ایسا ویسا.....!'' شوکت خان نے کسی ندیدے بچے کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''بھئی ہمارے تو ہوش و حواس ہی گم ہو گئے تھے دیکھ کر۔ اف اتنا معصوم اور بے داغ حسن..... سچ پوچھو تو ہیروا کی سوداگری خوب آ گئی ہے تمہیں۔ تمہارے حسنِ انتخاب کی داد نہ دینا واقعی زیادتی ہوگی۔'' جواباً ریہ پر زرینہ کی کھلکھلاہٹ سنائی دی۔

''اور ہاں مگر یہ کانٹے چننے والی بات بھی تم نے خوب کی ہے۔'' شوکت خان نے اپنی بات ج رکھی۔ ''حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کانٹے بھی ہماری مدد سے ہی چنے جائیں گے۔ ہم اشارہ کریں اور راہ ہموار ہوتی چلی جائے گی پھر بھی ایسی فکرمندی..... چچ چچ.....''

''نہیں، مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے مجھ پر کوئی آنچ آ سکتی ہے بھلا؟'' زرینہ مُ سے مسکرائی۔

''تو پھر کب تک امید رکھوں اس نادر ہیرے کی؟''

''اس کے لیے تو فی الحال انتظار ہی فرمایئے۔ کہیں تو کچھ اور بھجوا دوں؟''

''نہیں.....اب اس سے کم پر طبیعت راضی نہیں ہوگی۔'' شوکت خان کی بے صبری پر زرینہ اور وہ محض سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

تیمور سخت الجھن میں تھا کہ اچانک قدموں کی آہٹ سن کر پلٹا اور جلدی سے کی ہول سے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ شاید اوپر والے فلیٹ سے کوئی سیڑھیاں اتر کر اس فلور پر آ رہا تھا۔ یہ ایک سرخ منہ والا امریکی تھا، جو تیمور پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

تیمور چند لمحے تو لیزا کے فلیٹ کے سامنے کھڑا رہا اور پھر مایوسی کے عالم میں تھکے تھکے سے انداز میں سیڑھیاں اتر کر نیچے کھڑی اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اس کی نگاہوں نے دیکھا، کیا وہ سچ تھا.....؟؟

لیزا کسی بوائے فرینڈ کے ہمراہ رہ رہی تھی اور کبھی اسے بتایا تک نہیں۔ اس وقت ان دونوں کے درمیان شاید کسی بات پر گرما گرمی ہو رہی تھی مگر کسی چیز کے چھناکے کے بعد شاید دونوں گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ دونوں ہی جنگلی درندوں کی طرح چیخ رہے تھے مگر پھر نجانے کیا ہوا کہ بعد میں یہ غراہٹیں شاید پیار بھری سرگوشیوں میں بدل گئی تھیں۔ چونکہ اس کے بعد اندر گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ صرف ایک آدھ بار لیزا کی بے ساختہ کھنکھناتی ہوئی ہنسی سنائی دی، جیسے کسی کی انگلیاں اسے گدگدا رہی تھیں اور بس.....طویل خاموشی۔ باہر دروازے سے لگا تیمور جھنجھلا اٹھا، حالانکہ وہ تو دل سے اس بات کا منتظر تھا کہ اگر معاملہ زیادہ سنگین ہوا تو وہ بے دریغ لیزا کی مدد کے لیے اندر چلا جائے گا اور اس بدمعاش کو ایسا مزہ چکھائے گا کہ وہ بھی زندگی بھر بس یاد ہی کرے گا۔ مگر وہاں تو شاید بازی ہی پلٹ چکی تھی۔ بے دلی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے تیمور مین روڈ پر آ گیا۔ اس کا ذہن اس وقت سخت منتشر تھا۔ بے دھیانی میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر کسی کلب کے جگمگاتے ہوئے سائن بورڈ پر پڑی اور اس نے گاڑی کلب کی پارکنگ کی طرف موڑ لی۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر تیمور کلب کے اندر داخل ہوا سگریٹوں کے کثیف دھویں اور مختلف شرابوں کی ملی جلی بو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا، اگرچہ تیمور کی پوری زندگی یورپ و امریکہ میں ہی گزری تھی مگر اس قسم کے کلب میں آنے کا اتفاق اسے آج پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔ اسے یہاں کا ماحول کافی گھٹیا قسم کا لگا مگر اس سے پہلے کہ وہ واپس پلٹتا آبنوسی رنگت اور انتہائی مختصر لباس والی دو لڑکیوں نے اسے دائیں اور بائیں سے گھیر لیا اور اپنے ساتھ لیے ایک میز کرسی کی طرف چل دیں۔

''چھوڑو مجھے.....'' تیمور انہیں پیچھے دھکیلتا تو، وہ اتنا ہی لسوڑہ ہوتی جا رہی تھیں پھر زبردستی اسے ایک کرسی پر بٹھا کر دونوں اس کے سامنے آ گئیں۔

''کیا لینا پسند کرو گے؟'' دونوں نے فر فر بدیسی مشروب کے نام گنوانا شروع کر دیئے۔

''کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ پلیز جاؤ تم یہاں سے۔'' تیمور نے بے زاری سے کہا۔

''کیوں؟ تم آج صرف یہاں نظروں سے پینے آئے ہو؟'' ایک نے شرارت سے اپنی انگلی کی نوک سے تیمور کی ناک چھوئی اور دوسری نے ہنس کے بے باکی سے اس کی ران پر چٹکی بھری۔

''مم...... مم...... مجھے واپس جانا ہے۔'' تیمور گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ابھی سے......؟'' دونوں لڑکیاں ایک ادائے دلبرانہ سے ہنس دیں اور تیمور کو تھام کر دوبارہ کرسی پر دھکیل دیا۔ دفعتاً تیز میوزک بج اٹھا اور دونوں لڑکیاں اس کی لے پر تھرکنے لگیں۔

تیمور نے دیکھا ہال کی تمام کرسیاں پر ہو چکی تھیں اور بے شمار لڑکیاں کرسیوں کے سامنے دھر میزوں پر لوگوں کے من پسند مشروبات سرو کرنے کے ساتھ ان پر پروانہ وار نثار ہو رہی تھیں۔ ابھی تیمو ماحول کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک طرف سے دو سیاہ فام وحشی نمودار ہوئے اور تیزی سے تیمور کی سمت لپکے۔ ان کے خطرناک تیور دیکھ کر تیمور کے اعصاب کچھ تن سے گئے۔ ان میں سے ایک قدرے گنجا تھا وہ تیمور کی طرف بڑھا:

''نکالو بیس ڈالرز......'' وہ غرایا۔

''مگر کیوں......؟'' تیمور نے احتجاج کیا۔

''یہ اس کلب کی داخلہ فیس ہے پیارے......!'' دوسرے نے چیونگم چباتے ہوئے بدمعاشی سے تیمور کو آنکھ ماری۔

''اوکے...... میں واپس جا رہا ہوں بس یوں سمجھ لو دوست! کہ غلطی سے اندر آ گیا۔''

''بے شک غلطی سے ہی، لیکن اندر تو آئے ہو ناں؟ اور غلطی کی قیمت ہے بیس ڈالرز۔ نکالو فورا گنجے حبشی نے گویا چہرے کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سفید بتیسی کی ٹارچ روشن کر دی۔ ان کے تیورک خطرناک دکھائی دے رہے تھے چنانچہ تیمور نے چپکے سے بیس ڈالرز والٹ سے نکال کر ان کی سم بڑھائے۔ دونوں پیسے لے کر سر سے ٹلے تو تیمور نے سکون کا سانس لیا۔

اس کے ساتھ وہ آفت کی پرکالائیں بھی اڑن چھو ہو گئیں تو تیمور کو یکدم ہی فضا ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی۔ اچانک ہال میں اندھیرا چھا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی سامنے بنے ہوئے اونچے چبوترے کو جسے باقاعدہ سٹیج کی شکل دی گئی تھی اچانک وہاں تیز روشنیاں جل اٹھیں تو ہال میں ہر سمت مدھم سا اجالا پھیل گیا اور پھر وہی گنجا جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے تیمور سے اپنے ساتھی کے ہمراہ ڈالرز نکلوانے آیا تھا اس وقت اسٹیج پر چڑھا ہاتھ میں مائیک تھامے اعلان کر رہا تھا۔

''پیارے حاضرین! مجھے معلوم ہے کہ اس لمحے آپ کی بے تابی اپنے پورے عروج پر ہے لیکن گھبرائیے مت چونکہ چند ہی لمحوں بعد آپ کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور آپ سب کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرنے کے لیے اسٹیج پر آ رہی ہیں......'' اس نے چند لمحوں کے لیے رک کر حاضرین کی طرف دیکھا تو ہال پر مکمل سکوت طاری تھا۔ شاید تیمور کی طرح سبھی دھڑکنوں کی آواز سننے میں مشغول تھے۔

''آپ کا صبر زیادہ نہیں آزماؤں گا۔'' گنجے نے اپنی چمکتی ہوئی چندیا پر ہاتھ پھیرا اور خود مسکرایا۔ ''تو لیجئے سنبھلئے...... آپ کے دلوں پر اپنی اداؤں کی بجلی گرانے کے لیے آ رہی ہے...... مس ژوبی......''

آرکسٹرا نے ڈرم پر بیٹ دی اور تالیوں کی بے شمار گونج میں ایک سفید فام حسینہ موتیوں اور جھالروں سے مزین لباس پہنے پنسل ہیل کی نوک پر اک ادائے دلبرانہ سے اسٹیج پر حاضرین کے سامنے آئی اور جھک کر سلام پیش کیا۔ اسے دیکھتے ہی لوگ جوش سے بے قابو ہونے لگے۔ تب اس نے مسکراہٹ کا تیر چلا کر بڑی ادا سے حاضرین کی جانب ایک فلائنگ کس (Flying kiss) ہوا میں اچھالی اور اس کے ساتھ آرکسٹرا نے کوئی تیز دھن چھوڑ دی اور حسینہ بے ساختہ تھرک اٹھی۔ اس کے رقص کی مہارت دیکھ کر تیمور ششدر رہ گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا اس کے ساتھ آج تمام کائنات وجد میں آ گئی ہے۔ رقص کے دوران ایک جھٹکے سے لڑکی نے اپنے بالوں سے ربن کی بنی ہوئی بو (Bow) اتار پھینکی اور اس کے ریشمی گھنے بال شانے پر بکھر گئے۔ کچھ اس طرح تھرکتے رہنے کے بعد لڑکی نے گلے میں پہنا ہوا [illegible] لوں کا زیور اتارا اور اپنے خوبصورت لبوں سے چھو کر اسٹیج کے سامنے قریب ہی بیٹھے ایک نوجوان کی گود میں

پھینک دیا۔ وہ نوجوان تو اپنی اس خوش بختی پر دم بخود ہی رہ گیا اور پھولوں کی اس مالا کو جھپٹ کر دیوانہ وار چومنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر لڑکی کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کا تیز تر ہوتا رقص رفتہ رفتہ جنون کی شکل اختیار کر رہا تھا۔

تب لڑکی نے اپنی عنابی ستاروں والی جیکٹ اتاری اور حاضرین کی جانب اچھال دی۔ کئی منچلے دیوانہ وار اس جیکٹ پر جھپٹ پڑے۔ جیکٹ سے اٹھنے والے مس ژوبی کے زیرِ استعمال پرفیوم کی مہک نے گویا انہیں وقتی طور پر پاگل کر دیا تھا۔

یہ نظارہ دیکھ کر مس ژوبی کی مسکراہٹ مزید جان پکڑ گئی اور اس کے رقص میں بھی پہلے سے زیا شدت اور والہانہ پن آ گیا تھا اور پھر اس نے اپنے جسم پر لباس کی صورت لدے ہوئے بوجھ سے ر رفتہ نجات حاصل کرنا شروع کر دی۔ ہال میں موجود لوگ جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی نظروں عین سامنے گویا سونے سے تراشی ہوئی ایک بے لباس مورت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ محور تھی اور وہ جلد از جلد پروانے کی صورت اس شمع پر نثار ہونے کو بے قرار تھے۔ خود تیمور کی کیفیت بھی لوگوں سے جدا نہ تھی بلکہ وہ تو ہاتھ میں تھامے مشروب کا گھونٹ بھرنا بھی بھول چکا تھا۔ آخر کار لڑکی اپنے آخری مختصر بوجھ سے بھی چھٹکارا حاصل کیا اور ادھر ڈرم پر اسٹک کا آخری وار گونجا اور لڑکی نے رقص کو اختتامی موڑ دے کر سامنے بیٹھے لوگوں کے آگے جھک کر بے پناہ تالیوں کی گونج میں ان کا ادا کیا۔ اسی دوران ایک نوعمر سیاہ فام لڑکا ہاتھ میں نرم و گداز تولیہ تھامے اسٹیج پر دوڑا چلا آیا اور لڑکی کو اسی طرح دوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان لڑکی نے حاضرین کی طرف الوداعی بوسہ اچھالا اور تولیے سے اپنا پسینہ سے تر بتر بدن پونچھتی اسٹیج سے اتر کر غائب ہو گئی۔

شو ختم ہو چکا تھا۔ اسٹیج پر تاریکی چھا گئی تھی اور ہال کی لائٹس آن ہو گئی تھیں مگر لوگ ابھی تک م کے سحر سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔

''کچھ چاہیے؟'' شو ختم ہوتے ہی وہی دو لڑکیاں ایک بار پھر تیمور کے سر پر نازل تھیں۔

''نہیں پلیز! بس اب گھر جاؤں گا۔'' تیمور نے مشروب کا آخری گھونٹ بھرا اور پھر ایک

کھڑا ہو گیا اور اسی دوران ایک جانب سے گینڈے جیسی گردن والا سیاہ فام نکلا اور سیدھا تیر کی طرح تیمور کی سمت آیا۔

''میرے ساتھ چلو۔'' وہ غرایا۔

''مگر کہاں......؟''

''تم اس وقت سوال پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔'' اس نے تیمور کا سوال نظر انداز کر دیا۔

''چلو......جلدی کرو......اس طرف......'' کرڑ ڑ کی آواز پر تیمور نے گھوم کر دیکھا تو اس سیاہ فام کا دوسرا ساتھی منہ میں سگریٹ دبائے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے گراری والا چاقو کھول رہا تھا اگرچہ ان دونوں ساتھیوں کی نیتیں بہرحال ٹھیک نہیں لگ رہی تھیں۔ مگر ان کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سو تیمور چپ چاپ ان دونوں کے آگے چلنے لگا۔ نسبتاً اندھیرے گوشے میں پہنچتے ہی دونوں تیمور پر بری طرح جھپٹ پڑے۔ ''جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے فوراً سب نکال دو۔'' گینڈے جیسی گردن والے نے اپنی مٹھی میں تیمور کے بال جکڑ لیے۔ ناچار تیمور نے جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ والٹ باہر نکال سکے۔

''خبردار! کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔'' چاقو بردار نے چاقو کی نوک تیمور کی ہتھیلی کی پشت میں پرو دی۔ درد کی ایک شدید ٹیس اٹھی اور تیمور سسک کر رہ گیا۔

''اب یہ عورتوں والی ادائیں دکھانا بند کرو اور فوراً اپنی قیمتی رسٹ واچ اتار کر میرے حوالے کر دو۔'' موٹے کے حلق سے غراہٹ بھری۔

''پہلے وائلٹ نکالوں یا رسٹ واچ، اتار دوں؟'' تیمور نے کنفیوز ہو کر پوچھا۔ جواباً سامنے کھڑے موٹے سیاہ فام نے ربڑ کی گیند کی مانند اچھال کر اس کے پیٹ میں اپنا گھٹنا مارا اور درد کی شدت سے کراہتے ہوئے تیمور دہرا ہو گیا۔

''دونوں کام فوراً کرو کسی احمق کی اولاد......! تم بہت ہی سست اور کاہل الوجود انسان ہو۔'' چاقو بردار نے چاقو کا پھل بے رحمی سے تیمور کی پسلیوں میں چبھو دیا۔ تیمور نے اپنے حواس مجتمع کیے اور جلدی سے

اپنا والٹ نکال کران دونوں کے حضور پیش کیا اور ساتھ ہی اپنی رسٹ واچ بھی اتار کران کے حوالے کر دی۔

''گڈ!'' سیاہ فام نے والٹ کھول کر نوٹ گنے۔ ڈیڑھ ہزار ڈالرز......اور مطمئن ہو گیا۔

''اب میں جا سکتا ہوں دوست؟'' تیمور نے مسکرا کر اجازت طلب کی۔

''ہاں......مگر ٹھہرو۔ تمہاری جیکٹ بھی شاید ٹام کو پوری آ جائے گی......کیوں ٹام؟''

''ہاں دیکھنے میں تو خاصی قیمتی لگتی ہے۔'' ٹام نے قریب آ کر اس کا لیدر چیک کیا۔ ''چلو اتار دو اسے بھی......فوراً......جلدی کرو۔'' اور تیمور نے جیکٹ اتار کر انہیں تھمائی اور جانے کے لیے مڑا۔

''سنو......!'' مائیک نے پیچھے سے تیمور کو مخاطب کیا۔

''کیا مس ژوبی سے ملنے کی خواہش تمہیں نہیں اکسا رہی؟''

''مس ژوبی کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اب میرے پاس کچھ باقی نہیں بچا۔'' تیمور نے گھما کر آہستہ سے جواب دیا۔

پیچھے دونوں کا قہقہہ گونجا جسے نظر انداز کر کے تیمور آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

ہوا خنک تھی، تیمور اپنی کار کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجما ہو گیا۔ اس کی ہتھیلی کی پشت پر جہاں حبشی نے چاقو کی نوک چبھوئی تھی وہاں سے لکیر کی صورت مسل خون بہہ رہا تھا۔ جسے تیمور نے پینٹ کی جیب سے رومال نکال کر صاف کیا اور بعد میں اسی رومال کو ز اچھی طرح کس کے لپیٹ لیا تاکہ خون کا بہاؤ قدرے سست ہو سکے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس و تیمور کا دل شدت غم سے نڈھال تھا۔ بھلا لیزا کا کسی دوسرے مرد کے ساتھ رہنا اسے کب گوارہ تھا۔ اس کا کسی کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی ایک حد سے آگے برداشت نہیں کرتا تھا۔ محبت کے معاملے میں شدت پسند اور حاسد تھا وہ۔ تبھی لیزا کی محبت کو دل کا روگ بنا کر بیٹھا تھا۔ سچ ہے کہ مرد اول تو کس عورت سے اتنی شدید محبت ہی نہیں کرتا جو اس کے لیے روگ یا اس کی ترقی میں رکاوٹ بنے لیکن اگ

ہو جائے تو پھر قیس بن کر صحراؤں کی خاک چھان ڈالتا ہے۔ رانجھا بن کر ہیر کی بھینسیں چرانے کو بھی اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے اور فرہاد کی طرح اپنے سچے جذبات کے تیشے سے سنگلاخ چٹانوں کا سینہ چیر کر دودھ کی نہریں کھود ڈالتا ہے لیکن جب وہ کسی عورت سے محض دل لگی کی خاطر جذباتی آسودگی حاصل کرنا چاہتا ہے تو خود کو ایک پتھر کے دیوتا کے روپ میں ڈھال کر صرف اور صرف بھینٹ لیتا ہے۔ اپنی پجارن کی خواہشوں، امیدوں اور امنگوں کے علاوہ اس کی جوانی کے مال و متاع کی۔ عورت و مرد کی محبت کے بنیادی فلسفے میں بھی ایک واضح فرق پایا جاتا ہے کہ جب عورت محبت کرتی ہے تو منہ زور اور سرکش جذبات سے مغلوب ہو کر ایثار و محبت کی ایک نئی تاریخ رقم کرتی ہے اور اپنے محبوب کی خاطر اپنے ماحول اور روایات سے بغاوت کر سکتی ہے، اس کے حصول کی طلب اسے کچے گھڑے پر دریا پار کرنے کے لیے اکساتی ہے اور وہ اس وقت صرف دریا پار پر یقین رکھتی ہے مگر مرد اپنے گردوپیش سے انحراف کیے بغیر اسے صرف Manage کرتا ہے اور جہاں ہے جیسا ہے کی بنیاد پر ایڈجسٹ کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ کچی عمر کا نادان لڑکا نہ ہو تو محبت کے ساتھ ساتھ عزم و ہمت اور دانشمندی و تدبیر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ ہاں مگر نارسائی کا کرب مضبوط سے مضبوط دل مرد کو بھی اکثر خون کے آنسو رلا ڈالتا ہے۔

اور تیمور......جسے شاید سیکڑوں بار لیزا کی قربت میسر آ چکی تھی، ابھی تک اس لیے نارسائی کے کرب میں مبتلا تھا کہ اس کا مطمع نظر صرف جسم کی تسخیر ہی نہیں تھا بلکہ وہ تو لیزا کی روح کی گہرائی تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

تیمور، ممی سے جلد واپس آنے کا کہہ کر گیا تھا مگر اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ نا صرف یہ کہ لیزا سے ملنے اور اس کے ساتھ رقص کرنے کی خواہش محض ایک خواب بن کر رہ گئی تھی بلکہ کئی اور طرح کے الٹے سیدھے چکروں میں پڑ کر خواہ مخواہ اس کا وقت برباد ہوا تھا۔ تیمور نے گاڑی پارک کی اور دبے قدموں چلتا گھر کے بیرونی دروازے تک پہنچا اور پھر خود ہی چونک اٹھا۔

''مارے گئے......'' دروازے کی ڈپلی کیٹ چابی تو اس جیکٹ کی جیب میں تھی جو اس سیاہ فام حبشی نے ہتھیا لی تھی۔ ''اب کیا ہو گا؟'' تیمور پر یکدم مایوسی طاری ہونے لگی۔ شاید آج کا دن ہی منحوس تھا کہ

"خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔"

یونہی بے دھیانی میں غیر ارادی طور پر دروازے کے ہینڈل پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازے یوں کھلتا چلا گیا جیسے صرف اسی کے ایک اشارے کا منتظر ہو، یا پھر گھر والے اسے اندر سے لاک کرنا بھول گئے ہوں۔ اس اتفاق پر تیمور حیران تو ہوا مگر پھر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ حسن اتفاق بھی گویا ایک طرح سے غنیمت ہے ورنہ رات کے اس پہر دروازہ کھلوانے کے لیے گھر کی گھنٹیاں بجا بجا کے نیند سے جگانا پڑتا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ دبے قدموں گھر میں داخل ہوا اور بے آواز چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

"آ گئے تیمور!" ممی کی آواز پر تیمور گویا پتھر کا بت بن گیا۔ کاٹن کے پرنٹڈ نائٹ سوٹ میں ملبوس مم اس کے پاس چلی آئیں۔

"آپ سوئی نہیں ابھی تک......؟" بمشکل تمام تیمور اتنا ہی کہہ سکا۔

"سوئی......؟" ممی تلخی سے مسکرائیں۔ "جس ماں کا جوان بیٹا جلد گھر آنے کا وعدہ کر کے رات گ کہیں غائب رہے تو اس ماں کو نیند آ سکتی ہے بھلا؟" تیمور نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اسے پتا چ گیا تھا کہ ممی نے اس کے انتظار میں دروازہ کھلا چھوڑا ہوا تھا اور بے تابی سے اس کی منتظر تھیں۔

"مجھ سے تو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا گیا کیوں کہ تم کہہ کر گئے تھے کہ کھانا گھر واپس آ کر میرے ساتھ ہی کھاؤ گے۔" ممی نے گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"وہ......وہ......دراصل......ان فیکٹ ممی!......آئی مین......" تیمور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ تبھی چپ ہو کر اضطرابی انداز میں اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ دفعتاً ممی کی نظر اس کے ہا بندھے ہوئے رومال پر جا پڑی جو دھیرے دھیرے خون سے سرخ ہو چلا تھا وہ تمام غصہ بالائے رکھ کر بے قراری سے آگے بڑھیں۔

"میرو!......میرے لعل......! یہ کیا ہوا؟" اس لمحے ممی ماؤں کے روایتی روپ میں نظر آ رہی تھ تیمور انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے اپنی ماں کا یہ انداز ہمیشہ سے بہت پسند تھا۔ بچپن میں بھی وہ انک

(انکل) کے ساتھ کبھی فراغت سے بیٹھے ہنستے بولتے دیکھ لیتا تو جان بوجھ کر ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرتا۔ یہاں تک کہ کبھی تو وہ جان بوجھ کر گر پڑتا تو خود ہی کسی طرح اپنے چوٹ لگوا لیتا تا کہ ممی تمام کام چھوڑ کر بس اسی کی طرف متوجہ رہیں۔ وہ جب دوا وغیرہ دے کر اسے اپنے سینے سے لگا کر بالوں میں انگلیاں پھیرتیں تو اک طمانیت بھرا احساس تیمور کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا۔

اس وقت بھی ممی دوڑ کر الماری سے اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لائی تھیں اور تیمور کو کمرے میں بیڈ پر بٹھائے پورے انہماک سے اس کے ہاتھ کی ڈریسنگ میں مصروف تھیں۔ ان کے چہرے سے الجھن عیاں تھی اور آنکھوں میں شاید آنسوؤں کی نمی چمک رہی تھی جسے وہ میرو سے چھپانے کی پوری سعی کر رہی تھیں اور تیمور بس یک ٹک انہیں کو دیکھے جا رہا تھا۔ ڈریسنگ سے فارغ ہو کر ممی نے ہاتھ دھوئے اور دوبارہ تیمور کے پاس چلی آئیں۔

"میرو! تم ٹھیک طرح سے اوپر ہو کر بیڈ پر لیٹ جاؤ۔ میں ابھی تمہارے لیے گرم دودھ لاتی ہوں۔" اسے ہدایت دے کر ممی کمرے سے باہر نکل گئیں اور جب کچھ دیر بعد واپس پلٹیں تو ان کے ہاتھ میں پرچ پر اوولٹین ملے دودھ کا گلاس رکھا تھا۔

"لو بیٹا......شاباش جلدی سے یہ دودھ پی لو...... یہ رہیں پین کلر ٹیبلٹس۔ ذرا دیر بعد کھا لینا۔" ممی نے سہارا دے کر اٹھانا چاہا تو تیمور نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور کوشش کر کے خود ہی اٹھ بیٹھا۔

"ڈونٹ وری ممی! I am absolutly!" تیمور کے تسلی دلانے پر ممی کی آنکھوں میں اطمینان ہلکورے لینے لگا۔ خدا کا شکر ہے کہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا ورنہ ٹانکے لگانے پڑتے۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے؟" ممی کے جس سوال کا وہ اتنی دیر سے منتظر تھا بالآخر سامنے آ ہی گیا۔

"بس ممی! چند بدمعاشوں سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ میرا والٹ ہتھیانا چاہ رہے تھے وہ۔" کلب جانے اور مس ژوبی کے رقص سے لطف اندوز ہونے والی بات وہ جان بوجھ کر حذف کر گیا تھا۔

"تو دے دیتے والٹ۔ تمہاری جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھا، اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو......؟؟" ممی

نے ڈبڈبائی آنکھوں سے تیمور کی سمت دیکھا۔

''جی ممی......وہ تو خیر میں نے دے ہی دیا تھا مگر پھر بھی......'' تیمور منمنایا۔

''چلو خیر جو بھی ہوا......مگر بات دراصل یہ ہے کہ ایک تو لیزا سے ملاقات کا جنون تمہیں کہیں چین نہیں لینے دیتا۔ وہ بالشت بھر کی لڑکی تمہارے حواسوں پر سوار ہو کر رہ گئی ہے۔'' تیمور کی طبیعت کی جانب سے بے فکر ہونے کے بعد ممی اپنے سخت گیر ماں والے رول پر واپس پلٹ رہی تھیں۔ ''سچ بتاؤ میرو! لیزا سے ملنے گئے تھے ناں تم؟'' ممی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''جی......مگر مل نہیں سکا اس سے۔ آئی مین مل ہی نہیں پایا۔'' ایک ٹھنڈی آہ بھر کے تیمور نے سر جھکا لیا۔

''بڑا دکھ ہے تمہیں اسے نہ ملنے کا اور اسی کی خاطر تم اتنی دور کا سفر طے کر کے پاکستان سے امریکہ چلے آئے ہو، اپنی محبت کرنے والی اس بیوی کا بھی خیال نہیں کیا جو عنقریب تمہیں اولاد کا تحفہ دینے والی ہے۔ باپ کا شرف حاصل کرنے والے ہو تم اور ذرا اپنے کرتوت تو دیکھو کہ یہاں آ کر لیزا کے پیچھے مارے مارے پھرنے لگے۔ حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں اور خدانخواستہ اگر آج تمہیں کچھ ہو جاتا پھر......کیا جاتا اس منحوس لیزا کا؟ تمہارے غم میں تمہاری ماں زندہ درگور ہوتی یا تمہاری بیوی خانماں برباد پھرا کرتی اور تمہارا ہونے والا بچہ......ہمیشہ کے لیے باپ کے شفقت بھرے لمس سے محروم رہ جاتا لیکن اس منحوس لیزا کا کیا بگڑتا؟ اسے تو دس جانثار اور مل جاتے۔''

''ایکسیکوزمی ممی......! پلیز لیو دس ٹاپک۔'' تیمور نے احتجاج کیا۔

اور ممی خاموش ہو کر بس اسے دیکھتی رہی۔

تیمور اضطراری طور پر پہلو بدل رہا تھا۔

''تم کچھ کہنا چاہتے ہو تیمور؟'' ممی نے پوچھا۔

''جی ممی......! میں دراصل آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں، بہت سی باتیں کرنا ہیں مجھے آپ مگر اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔''

''کم آن میرو!'' ممی نے میرو کے پاس آ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور سہلانے لگیں۔ ''جو بھی دل میں ہے کہہ ڈالو میرو!'' ممی نے اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

''آپ کو نیند تو نہیں آ رہی......؟'' تیمور نے پوچھا۔

''بالکل نہیں......تم کیا کہنا چاہ رہے تھے؟'' ممی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''ممی! وہ عزمی......عزمی......''

''ہاں......کیا ہوا عزمی کو؟'' ممی نے الجھن آمیز نظروں سے تیمور کی سمت دیکھا۔

''وہ دراصل عزمی اب میری بیوی نہیں رہی......اب ہمارے درمیان میاں بیوی والا کوئی Relationship باقی نہیں رہا، بی کاز......I have divosed her......'' تیمور نے جلدی سے کہہ کر لب بھینچے۔

''واٹ......؟؟'' ممی بے یقینی سے تیمور کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مکمل طور پر اپنے حواسوں میں ہو میرو؟'' ممی نے پوچھا۔

''جی بالکل'' تیمور نے ہستہ سے جواب دیا۔

''مگر اتنی جلدی ایسا انتہائی قدم اٹھانے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟'' ممی سخت پریشان سی ہو گئی تھیں اور جواباً تیمور دھیرے دھیرے انہیں تمام تفصیل بتانے لگا۔

☆......☆......☆

''نشو! یہ تمہاری انگلی پر کیا ہوا ہے؟'' ناشتے کے دوران امی کی نظر بے ساختہ نشو کی انگلی پر بندھی پٹی پر پڑی تو پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''وہ دراصل امی سلاد بناتے ہوئے چھری سے کٹ آ گیا تھا۔'' نشو نے جلدی سے بات بنائی اور جگ سے امی کے گلاس میں لسی انڈیلنے لگی۔

''اتنا گہرا کٹ آیا کہ پٹی کروانا پڑی......لگتا ہے نشو! تم آج کل دھیان سے کام نہیں کرتی ہو۔ جانے توجہ کسی جانب ہوتی ہے۔'' امی سچ مچ پریشان ہو گئیں۔

"فکر مت کریں امی! معمولی زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔" کامران بھائی نے امی کو تسلی دی۔

"نمرا! ذرا ایک کپ چائے لا دینا، ورنہ لسی پینے کے بعد تو آج تمام دن آفس میں اونگھتا ہی رہوں گا۔" کامران بھائی نے نمرا کو پکارا۔

"آج آفس سے ذرا جلدی آ جانا۔ سہ پہر میں منی کی طرف جانا ہے۔ عینی کی چوتھی کے سلسلے میں۔" امی نے کامران بھائی کو یاد دلایا۔

"جی مجھے یاد ہے امی! میں آ جاؤں گا۔ بس آپ سب لوگ تیار رہیے گا۔" کامران بھائی نے امی کو اطمینان دلایا۔

"نسرین! ذرا میرے سفاری سوٹ کی استری چیک کر لینا۔ وہی پہن جاؤں گا شام کو۔" کامران بھائی نے چڑیوں کے برتن میں پانی ڈالتی ہوئی نسرین کو مخاطب کیا۔ جب سے نسرین بھابی امید سے ہوئی تھیں امی باقاعدگی کے ساتھ ان کے ہاتھ سے صدقہ و خیرات نکلوانے کے علاوہ بلاناغہ پرندوں کو دانہ پانی ڈلواتی تھیں، چونکہ یہ بھی صدقہ جاری ہے اور امی چاہتی تھیں کہ صدقہ و خیرات کی برکت سے بھابی اس مرحلے سے بخیر و خوبی گزر جائیں، چونکہ بقول ان کے زچگی کے مرحلے سے گزرنے کے دو کفن دراصل عورت کے سرہانے ہوتا ہے کہ سانس آ گیا تو ورنہ...... اور انہی دنوں عورت کے ہاتھ دیا دراصل اس وقت کام آتا ہے اور بفضل تعالیٰ مشکل آسان ہوتی ہے۔

"اری لڑکیو! شام جو اوڑھنا پہننا ہے ابھی سے نکال کر دیکھ لو اور استریاں وغیرہ کر کے جلدی کام نمٹانے کی کرو۔" امی نے پکار کر کہا۔

"ارے میرا لعل اٹھ گیا۔ نمرا! اسے میرے پاس لے آؤ۔" امی نے نمرا کی گود میں معاذ کو دیکھا تو اٹھیں۔ ان دنوں بھابی کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے معاذ سارا دن پھوپھیوں کی گود میں رہتا اور گھر بھر کی آنکھ کا تارا بنا ہوا تھا۔

"نمرا! تم جلدی سے جا کر اس کے لیے سریلیک لے آؤ۔" امی نے پوتے کی پیشانی چوم کر گود لیا اور نمرا کو تاکید کی اور وہ بھی معاذ کو امی کی گود میں دے کر سریلیک بنانے چل دی۔

☆......☆......☆

عزمی اسٹور روم میں گھسی صندوق کھولے جانے کیا تلاش کر رہی تھی کہ اچانک اپنا جیولری باکس نظر آنے پر چونک گئی۔ یہ باکس اس کی ایک کالج کے زمانے کی سہیلی نے اس کی برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا اور اس میں عزمی اپنی آرٹیفیشل جیولری رکھا کرتی تھی۔ عزمی نے ہاتھ بڑھا کر یونہی اپنا جیولری بکس کھولا۔ اس میں چاندی کے دو بڑے بڑے بالے رکھے تھے جو کبھی عزمی بڑے شوق سے پہنا کرتی تھی اور وہ تمام چھلے اور انگوٹھیاں بھی اسی طرح قرینے سے سجی تھیں جو عزمی ہر بار بازار سے بڑے چاؤ سے خرید لایا کرتی تھی اور اپنی مخروطی انگلیوں میں پہن کر اتراتی پھرا کرتی تھی۔ مختلف قسم کے ہار بندے کلپ اور نجانے کیا کیا......

سب کچھ دیکھ کر عزمی کے ذہن کی اسکرین پر بیتی یادوں کی فلم سی چل پڑی۔ عزمی آپ ہی آپ مسکرا دی۔ کالج کے زمانے میں اسے فیشن کرنے کا کتنا شوق ہوا کرتا تھا۔ امی کی نظر بچا کر وہ اکثر نیچرل کلر لپ اسٹک لگا کر کالج جاتی اور دل ہی دل میں خوش ہوتی رہتی۔ نسرین بھابی کی مدد سے اس نے میک اپ کا چھوٹا موٹا سامان اپنے پاس جمع کیا ہوا تھا اور جب کسی شادی بیاہ پر جانے کے لیے ذرا فراخدلی سے میک اپ استعمال کرتی تو امی کی جھڑکیاں سننے کو ملتیں۔

"کنواریاں میک اپ کر لیں تو پھر دلہن بن کر روپ نہیں آتا ان پر۔ اتنا ہی سنگھار کا چاؤ ہے تو شادی کے بعد پورا کرنا یہ سب چونچلے۔" امی کے کہنے پر عزمی دل مسوس کر رہ جاتی۔

بھولی مائیں تو جوان لڑکیوں کے آگے حیلے بہانے ان کی شادی کا تذکرہ کر کے اپنے ہی ہاتھوں کنواری آنکھوں میں اگلے گھر کے سپنے بن دیتی ہیں اور بات بے بات انہیں پرایا دھن ہونے کا احساس دلا کر شوہر کے گھر سے انسیت کا احساس دلاتی ہیں۔ تب گویا ان کے لیے شادی خوابوں کی سرزمین میں عملی طور پر قدم دھرنے کا ایسا اجازت نامہ بن جاتی ہے جو خواہشوں کے حصول اور تکمیل کی طرف جانے والے بند در کو ان کے لیے وا کرتی ہے لیکن اگر خواب ٹوٹ جائیں تو...... احساسات اس بری طرح چکنا چور ہوتے ہیں کہ یہی نازک اندام لڑکیاں ذہنی طور پر بکھر کے رہ جاتی ہیں اور پھر عمر بھر خود کو دوبارہ یکجا

نہیں کر سکتیں۔

''اف کیا فضول باتیں سوچنے لگی میں بھی۔'' عزمی نے سر جھٹکا۔ ''یہ جیولری باکس نمرا اور نشو کے حوالے کر دوں گی، مجھے اب کیا کرنا ہے اس کا۔'' عزمی نے باکس بند کر کے ایک طرف رکھا اور دفعتاً صندوق بند کر کے ایک طرف رکھا لیکن پھر صندوق کے کونے میں پلاسٹک کی تھیلی پر نظر پڑتے ہی دھڑکتے دل کے ساتھ اس تھیلی کو اٹھا لیا اور اسے لرزتے ہاتھوں سے کھولا۔ ننھے منے گول پتھروں سے لپٹی کاغذ کی چٹیں جن پر سلیقے سے ربر بینڈ چڑھا ہوا تھا۔ عزمی نے دھڑکتے دل کے ساتھ کپکپاتی انگلیوں سے ربر بینڈ کھینچا اور کاغذ کا پرانا سا ٹکڑا پتھر سے جدا ہو کے عزمی کے قدموں میں آن گرا۔ عزمی نے ہاتھ میں اٹھا کر چٹ پر نظر ڈالی، لکھا تھا۔

''یہ کیا فضول قسم کے رومانی ڈائجسٹ پڑھا کرتی ہیں آپ؟ کبھی تحفہ برائے خواتین کا مطالعہ کیجئے حضرت رابعہ بصریؒ کے بارے میں پڑھیے، بہشتی زیور کو اٹھا کر اس کی گرد جھاڑیے اور سوچیے کہ ادب کے نام پر آج تک جو کچھ بھی آپ کے زیر مطالعہ رہا ہے وہ دراصل کتنا بے ادب تھا۔''

عزمی نے آنسوؤں کی نمی کو اپنے حلق میں انڈیل کر دوسری چٹ پر نظر ڈالی۔

''گستاخی کی معافی چاہتا ہوں مگر آپ سر پر دوپٹہ لے کر بہت حسین لگتی ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔''

تیسری چٹ پر تحریر تھا۔

''راہ میں پڑے ہیرے سے وہ پتھر زیادہ قیمتی ہوتا ہے جو عزت و آبرو کا نشان بن کر کسی گھر کی میں لگا ہو۔ کیا خیال ہے آپ کا؟''

عزمی نے جلدی سے اک چٹ اور اٹھائی اور دھندلائی آنکھوں سے اسے پڑھنے لگی۔

''کیا آپ بھی میری طرح ان دنوں اپنے جذبات میں کوئی ہلچل محسوس کر رہی ہیں؟...... اگر اسے کیا نام دیں؟''

جم...... مم...... ش...... ی...... د...... جمشید...... ایک نام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ عزمی

حافظے کی لوح پر چمکا اور معدوم ہو گیا۔

''عزمی! او عزمی! بھئی کہاں رہ گئیں؟ ذرا ادھر تو آنا'' شبو آپی کے پکارنے پر عزمی نے ہتھیلی کی پشت سے گالوں پر بہنے والے آنسو پونچھے۔ جلدی جلدی چیزیں سمیٹ کر صندوق میں ڈالیں اور اسے بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

''شکر ہے میرا لعل ٹھیک ہو گیا۔'' سلمٰی شوکت نے بیڈ پر لیٹے ضمیر خان کی بلائیں لیں۔ ''لیکن اب بھی اس منحوس موٹر سائیکل کی سواری نہ کرنا۔ جب اللہ نے گھر میں اتنی کاریں اور جیپیں دے رکھی ہیں تو تجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ عام شوخ لڑکوں کی طرح دو پہیوں پر رلتا پھرے؟ کیوں خان جی......؟'' سلمٰی شوکت نے روئے سخن شوکت خان کی طرف موڑا۔

''آں...... ہاں...... ہاں...... ٹھیک ہے۔'' اس نے نظروں کے آگے سے اخبار ہٹا کر کہا۔

''مگر اس سواری کا بھی اپنا ہی نشہ ہے ماں!'' ضمیر خان نے کراہتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

''دفع...... اسی شوق کی بدولت تو نے سر میں آٹھ ٹانکے لگوا لیے ہیں۔ چل چھوڑ...... تو یہ دیسی گھی سے بنی چوری کھا۔ دیکھ پھر کیسی جان پڑتی ہے تیرے اندر......'' اور جواباً ضمیر خان بس مسکرا کر رہ گیا اور بغور اس نرس کے نشیب و فراز کا جائزہ لینے لگا جو بے چاری ابھی اس کا بی پی اور ٹمپریچر لینے آئی تھی۔

''تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے ناں؟'' شوکت خان نے پہلے سے کلف لگی گردن کو مزید اکڑایا۔

''نہیں خان بابا! سب ٹھیک ہے۔'' نرس کے سراپے سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے جواب دیا۔

''خان جی! میرا بچہ مکمل طور پر ٹھیک ہونے کے بعد گھر جائے گا تو میں شکرانے کی دیگیں پکوا کر تقسیم کروں گی۔'' سلمٰی شوکت نے پیار سے ضمیر خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی، کیوں نہیں۔ ایسا شاندار فنکشن کراؤں گا کہ لوگ مدتوں اسے یاد رکھیں گے۔ نامور فلمی پریاں آ کر رقص کریں گی اور ایسا ٹکا کے رنگ جمے گا کہ آ ہا ہا ہا......'' شوکت خان کو ابھی سے خمار محسوس

ہونے لگا جب کہ بیگم سلمیٰ شوکت کی تیوری پر بل آ گئے۔

''دفع دور...... فلمی پریوں کا ستیاناس...... میں تو محلے کی عورتوں کو بلا کر میلاد شریف کراؤں گی۔'' اور شوکت خان بیوی کو دیکھ کر رہ گیا۔

جب کہ ٹمپریچر چیک کرتی قریب کھڑی نرس زیرِ لب مسکرا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

خالہ کے گھر اس وقت بڑی رونق تھی اور کچن انواع واقسام کے کھانوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا، اگرچہ شام کو عینی کے سسرال والے اسے لینے آ رہے تھے مگر عفی بلوچستان روانگی کے لیے اپنا سوٹ کیس پیک کر رہا تھا۔

''ہائے ہائے...... آگ لگے ان نوکریوں کی بھی کیسی مجبوریاں ہیں کہ بہن کو رخصت کرنے سے پہلا میرا بچہ خود وداع ہو رہا ہے۔ صرف اس لیے کہ پرسوں اسے ہر حال میں اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔ بھلا اتنی دور پردیس میں وہ کیسے اکیلا رہے گا اور کون اس کا خیال رکھے گا؟'' خالہ دوپٹے کے پلو سے بار بار آنکھوں میں امنڈتے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہے وہ وہاں اور روٹی پانی کے علاوہ علاج معالجہ ہر قسم کا انتظام ہوتا ہے وہاں۔ اسے ہر سہولت حاصل ہوگی اور تمہیں تو خوش ہونا چاہیے، بیٹا اتنا بڑا افسر بن کر چارج سنبھالے گا۔''

خالہ کی نند، عزمی کی امی اور کامران بھائی سب مل کر خالہ کو تسلیاں دے رہے تھے۔ تبھی موقع پا کر نشو عفی کے پاس کمرے میں جا گھسی۔ قدموں کی آہٹ پا کر عفی نے سوٹ کیس میں کپڑے ترتیب دیتے ہوئے سر اٹھایا اور نشو کو سامنے پا کر دوبارہ اسی طرح بے نیازی سے اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔

''لائیے میں کچھ مدد کر دوں؟'' نشو نے پورے خلوص سے مسکرا کر آفر کی۔

''جی نہیں شکریہ! میں خود کر لوں گا۔'' عفی نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

چند لمحے دونوں کے درمیان مکمل خاموشی طاری رہی پھر عفی نے دوبارہ سر اٹھا کر بغور نشو کی طرف

دیکھا۔

''سنو! اگر تم ادھر کسی کام سے آئی ہو تو الگ بات ہے ورنہ فوراً یہاں سے واپس چلی جاؤ۔'' اس کے لہجے میں ناراضگی کا شدید عنصر نمایاں تھا۔

''آپ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟'' نشو کے بھیگے بھیگے لہجے پر عفی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ دیوار سے لگی بڑی مایوسی کے عالم میں سر جھکائے کھڑی تھی۔

عفی کو اس لمحے نشو پر بے حد ترس آیا۔ وہ شرٹ کی تہہ ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور نشو کے مقابل آ کر ٹھہر گیا۔

''ناراض تو نہیں ہوں مگر دکھ کا ایک شدید جھٹکا لگا ہے مجھے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ تم جیسی ہونہار اور ذہین لڑکی ایسے فضول قسم کے چکروں میں پڑ کر یوں اپنا وقت ضائع کرے گی، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' وہ مایوسی سے سر ہلا کر پلٹا۔

''کچھ جذبے بے اختیار ہوتے ہیں، خیر...... آپ نہیں سمجھیں گے۔ اس وقت تو میں آپ کو یہ بتانے کے لیے یہاں آئی تھی کہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں خالہ آپ کو بلا رہی ہیں۔''

''اب بتا رہی ہو؟'' عفی نے خفگی سے اسے گھورا اور کام ادھورا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ نشو کو شاید ایسے ہی موقعے کی تلاش تھی۔ وہ لپک کر عفی کے سوٹ کیس کی طرف آئی اور تہہ شدہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھا کر ایک چیز ان کے نیچے چھپا دی اور پھر خاموشی سے باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

عفی کی روانگی کا وقت ہونے والا تھا۔ وہ سب سے مل کر رخصت ہو رہا تھا۔ خصوصاً عینی کو تو دیر تک ساتھ لگائے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر تسلیاں دیتا رہا۔ خالہ بہت رو رہی تھی۔ مگر وہ انہیں دلاسہ دینے کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کیے جا رہا تھا۔

''امی! آپ تو ایسے رو رہی ہیں جیسے مائیں لڑکیوں کو سسرال وداع کرتے روتی ہیں۔''

''ویسے عفی بھائی آج کل تو لڑکے بھی پرایا دھن سمجھے جاتے ہیں۔'' نمرا کھلکھلائی۔

"جی نہیں، ہم تو ایسے ہیں ہیں۔" عفی نے فخر سے کالر کھڑے کیے۔

"رہنے دے یار! شادی سے پہلے سب اسی طرح کہتے ہیں۔ یاد نہیں وہ شیر اور چوہے والا لطیفہ کہ ایک شیر کی شادی میں چوہا آگے بڑھ بڑھ کے ناچ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ کسی نے پوچھا کہ شیر کی شادی میں تم اتنے خوش کیوں ہو رہے ہو؟ تم تو چوہے ہو۔ تو چوہے نے جواب دیا کہ بھائی شادی سے پہلے میں بھی شیر ہی تھا۔" کامران بھائی کے اس لطیفے پر سب نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔

"اب کب چھٹی ملے گی بیٹا؟"

"خالہ! پہلے جاؤں تو سہی۔" عفی نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سبھی ہنس دیئے۔

"یار عفی!" احمر بھائی کو جانے اچانک کیا یاد آیا تھا۔ سب ان کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہو گئے۔

"سنا ہے جہاں تم جا رہے ہو وہاں مچھر زیادہ ہوتے ہیں۔" احمر بھائی مسکرائے۔

"اچھا......پھر......؟" عفی سراپا استفسار بن گیا۔

"یار! بس گھبرائے بغیر اپنی دن بھر کی پہنی ہوئی جرابیں اتار کر رات کو سرہانے لٹکا کے سو جانا۔ ان بساند سے مچھر وہ علاقہ ہی چھوڑ جائیں گے۔ کیا مجال جو کوئی قریب بھی پھٹک جائے۔"

"اوہو! بڑا تجربہ ہے آپ کو۔ لگتا ہے خود بھی مچھروں سے بچاؤ کے لیے یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔" جواباً عفی نے احمر بھائی پر چوٹ کی تو تمام محفل کشت زعفران بن گئی۔

"عفی بھائی! جاتے ہی خط ضرور لکھ دیجیے گا۔" عفی کی پھوپھی زاد نے لاڈ سے تاکید کی۔

"اچھا بڑی بی! لکھ دوں گا اور کوئی حکم؟" عفی نے شرارت سے اس کی ناک کھینچی۔

"بیٹا! پہنچتے ہی اپنی خیریت کی اطلاع دینا فون کر کے۔" عفی کی پھوپھی نے یاد دلایا۔

"جی پھوپھو! بے فکر رہیں۔" عفی نے جواب دیا، پھر وہ نسرین بھابی اور شبو آپی سے ملنے کے سب کے درمیان کھڑی ہوئی کھوئی کھوئی سی عزمی کے قریب چلا آیا۔ "اچھا پارٹنر!" عفی نے عزمی کو دیکھتے ہوئے اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی اور قدرے جھجکتے ہوئے عزمی نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا جسے فوراً عفی نے اپنے ہاتھ میں دبا لیا۔

"سنو! خوش رہا کرو اور اب کے آیا تو بہت سی باتیں کریں گے او کے!" جواباً عزمی بس مسکرا دی۔

"آؤ عفی! دیر ہو رہی ہے۔" کامران بھائی کے پکارنے پر عفی نے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور دوسرے ہاتھ سے سوٹ کیس گھسیٹتا دروازے کی سمت چلا۔ تبھی اس کی نظر کونے میں چپ چاپ کھڑی پاؤں کے ناخن سے زمین کریدتی نشو پر پڑی اور لاشعوری طور پر اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"نشا!" عفی کے دھیرے سے مخاطب کرنے پر نشو نے سر اٹھایا تو اس کی کٹورا سی آنکھیں نجانے کیوں شبنمی ہو رہی تھیں اور چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ پڑ گیا تھا۔

دم رخصت وہ چپ رہے عابد
اور آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

یونہی بلاوجہ عفی کو اس وقت یہ شعر یاد آ گیا۔ تب اس نے اپنا ہاتھ نشو کے سر پر رکھ دیا۔

"دیکھو پڑھائی میں خوب دل لگانا اور اب امتحان ہوں تو ان میں تمہارے مارکس انتہائی شاندار ہونے چاہئیں۔ پھر جو مانگو گی ملے گا۔" اس نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

"جو مانگوں گی؟" نشو نے سر اٹھا کر پوچھا۔

اور عفی گڑبڑا کر رہ گیا۔ "میرا مطلب انعام سے تھا۔" اور نشو صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

"او کے اپنا خیال رکھنا۔" وہ اس کے گال تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

عینی کی سسرال والے ذرا لیٹ آئے تھے۔ شبو آپی اور نسرین بھابی نے مل کر عینی کو تیار کر دیا تھا مگر اس کا ایک ہی اصرار تھا کہ اسے سسرال نہیں جانا مگر خالہ نے اس کی ایک نہیں سنی اور ڈانٹ ڈپٹ کر اس کا سامان تیار کرا دیا۔

ابرار سفید چست پاجامے اور سلک کے کرتے میں آسمان سے اترا کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ انتہائی خوشگوار ماحول میں سب نے مل کر کھانا کھایا اور آج تو عینی کی چمک چھلو ٹائپ ساس بھی سادہ سے لباس میں برائے نام میک اپ کے ساتھ کافی باوقار لگ رہی تھی اور ابرار کی خالہ بھی بات بے بات ٹانگ پر

ٹانگ چڑھائے سگریٹ پھونکنے کی بجائے بڑے سادہ سے دوپٹے میں لپٹی کوئی ملانی دکھائی دے رہی تھی۔ ابرار چپکے چپکے عینی کو دیکھ کر زیرلب مسکرا دیتا جب کہ عینی کی ساس بات بے بات اس کی بلائیں لے رہی تھی۔

سب لوگ عینی کی خوش بختی پر رشک کر رہے تھے مگر عینی کافی بجھی بجھی سی تھی جس طرح کوئی سہمی ہوئی ہرنی دھیرے دھیرے بھیڑیوں کے نرغے میں آ رہی ہو۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھانے کے بعد عینی کی سسرال والوں نے اجازت چاہی اور عینی پچھاڑیں کھانے لگی۔ بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا گیا۔

''شبو آپی! آپ چلیں گی ناں میرے ساتھ؟'' آخری امید کے طور پر عینی نے شبو آپی کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہش پگلی......! اب میں تیرے ساتھ بھلا کیسے جاسکتی ہوں؟ اب تو بس تجھے ہی اپنے گھر جانا ہے اور ڈر کیسا؟ ابرار ہے ناں۔'' اور عینی منہ لٹکا کر رہ گئی۔

اس رات بھی خالہ کے شدید اصرار پر عزمی وغیرہ کو انہی کے گھر رکنا پڑا چونکہ خالہ دونوں بچوں کی جدائی کے خیال سے بے حد نڈھال تھیں، سوان کی دل جوئی کی خاطر سب لوگ رات کو دیر تک جاگ کر باتیں کرتے رہے تھے۔ اس لیے سارے اس وقت ایسے بے خبر سوئے ہوئے تھے کہ لاؤنج میں پڑے ٹیلی فون کی گھنٹی کے مسلسل بجنے پر بھی کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ ایک بار چند لمحوں بعد رابطہ منقطع کر کے شاید کسی نے دوسری مرتبہ پھر ٹرائی کیا تھا کہ گھنٹی دوبارہ بج اٹھی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنی مندی ہوئی آنکھوں کھول کر عزمی نے وال کلاک پر نظر ڈالی، جو صبح کے ساڑھے پانچ بجنے کا اعلان کر رہا تھا۔

''اوہ! اتنی صبح یہ کس کا فون آ گیا؟'' وہ تیزی سے بیڈ سے اتر کر ننگے پاؤں ہی فون کی سمت لپکی۔

اسی اثناء میں شبو آپی بھی اس کے پیچھے آ کر ٹھہر گئی تھیں اور فون سننے کے دوران عزمی کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

فون کریڈل پر رکھ کر عزمی خالی خالی نظروں سے فضا میں گھورنے لگی۔

''عزمی! کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟ خیریت تو ہے ناں؟'' شبو آپی نے ایک ہی سانس میں

سوالات پوچھ ڈالے عزمی خاموش رہی۔ تب آپی نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''اے عزمی! بولتی کیوں نہیں، کس کا فون تھا؟''

''شبو آپی......!'' عزمی بولی تو اسے خود اپنی آواز اجنبی سی لگی۔ ''شبو آپی! وہ عفی......عفی......''

''ہاں کیا ہوا عفی کو......؟ بول تو سہی، خدا کی بندی۔''

''شبو آپی! جس ٹرین میں سفر کر رہا تھا وہ رحیم یار خان سے آگے حادثے کا شکار ہو چکی ہے اور یہ فون بھی رحیم یار خان ریلوے اسٹیشن سے کسی کا تھا۔'' عزمی نے بتایا۔

''کیا......؟ اور عفی......عفی کہاں ہے اس وقت؟ کیسا ہے وہ؟'' شبو آپی نے چلا کر پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' عزمی نے بے بسی سے سر جھکا لیا کیوں کہ اس کے بعد کسی وجہ سے لائن ڈراپ ہو گئی۔ عزمی نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پل بھر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گھر میں پھیل گئی۔ خالہ کا تو رو رو کے برا حال تھا۔ احمر نے ٹی وی آن کیا۔ ایک چینل اس وقت اپنی لائیو ٹرانسمیشن میں اس حادثے کی تفصیلات نشر کر رہا تھا، جس کے مطابق کوئٹہ جانے والی ٹرین رحیم یار خان سے آگے مخالف سمت سے آنے والی دوسری ٹرین سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہوگئی تھی۔ اس سلسلے میں ابھی مکمل تفصیلات سامنے نہیں آئی تھیں۔ تاہم دونوں ٹرینوں کے باہمی ٹکراؤ کے نتیجے میں ہونے والے جانی نقصان کا موٹا سا اندازہ لگایا جا رہا تھا جو کافی زیادہ تھا۔

''احمر! تم عفی کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔''

''بے سود'' احمر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''کوئی جواب نہیں آ رہا۔''

اسی دوران فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

اور انجانے وسوسوں اور اندیشوں میں گھرے سب کے دل دھڑک اٹھے۔ فون کی گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر فون ریسیو کرتا۔ تب کامران بھائی نے حوصلہ کیا اور اٹھ کر مرے مرے قدموں سے ٹیلی فون کی سمت بڑھے......!

☆ ☆ ☆

تمام بات سننے کے بعد ممی سر ہلا کر رہ گئیں۔ چند لمحے گھمبیر سناٹا چھا گیا، تب ممی کھنکھاریں جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ تیمور نے ان کی سمت دیکھا۔ وہ جیسے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

''مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ عزمی...... اپنے کزن کے ہمراہ...... نہیں نہیں...... میرو...... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' ممی پر اعتماد لہجے میں بولیں تو نجانے کیوں تیمور کو افسوس ہوا۔

''نہیں ممی......! مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔'' تیمور مضبوط لہجے میں بولا۔ ''عزمی کے کزن کی آنکھوں میں اس کے لیے پیار جھلکتا تھا۔ اس کا ہر انداز اس بات کا غماز تھا کہ وہ عزمی کے عشق میں گرفتار ہے۔'' تیمور نے کہا۔

''اور عزمی......؟'' ممی نے اچانک سر اٹھا کر پوچھا تو تیمور کچھ گڑبڑا سا گیا۔

''پتا نہیں...... مگر محبت زیادہ دیر تک یک طرفہ نہیں رہتی۔'' تیمور نے دھیرے سے جواب دیا اور مسکرا دیں۔

''تم لیزا کو چاہنے کے باوجود بھی یہ کہہ رہے ہو......!'' میرو نے چونک کر اوپر دیکھا ممی کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''خیر...... بظاہر تو کوئی اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی اگر عزمی اور اس کے کزن عفی کا لو افیئر تھا بھی تو دو کی شادی ناممکن تو نہیں تھی، انہیں بھلا اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی......! چلو جو ہونا تھا ہوا...... قسمت کا پھیر تھا۔ اچھا اب تم آرام کرو......'' ممی ڈور بیل کی آواز پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''لگتا تمہارے پاپا ہسپتال سے آ گئے ہیں۔ اوکے ڈیئر......! گڈ نائٹ۔'' ممی نے جھک کر میرو کی پی چومی۔

''گڈ نائٹ۔'' میرو شرارت سے مسکرایا۔ ''گڈ نائٹ نہیں ممی! گڈ مارننگ کہیں صبح کے سار ہیں اس وقت۔''

''اوہ سوری!'' ممی شرمندگی سے ہنس دیں اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

سسرال میں داخل ہوتے ہی عینی کو اس پراسراریت کا احساس ہوا جسے اس نے اس گھر میں پہلے ہی روز قدم رکھتے ہوئے محسوس کر لیا تھا مگر اس خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی، اب تو اسے اسی ماحول میں رہنا تھا پھر بلاوجہ منفی احساسات کو دل میں جگہ دینے کا فائدہ......! چنانچہ اس نے لبوں پر ایک مہربان سی مسکراہٹ سجا لی۔ اس کی ساس، نندیں بھی اس کے صدقے واری ہو رہی تھیں۔ گھر آتے ہی عینی کی ساس نے سب سے پہلے عینی کی نظر اتاری اور پھر ایک کالا مرغ اس کا ہاتھ لگوا کر صدقے کے لیے بھجوا دیا۔ اس وقت عینی کے اردگرد سات آٹھ لڑکیاں جمگھٹا ڈالے بیٹھی تھیں، جن میں سے چار عینی کی سگی نندیں تھیں اور باقی ابرار کی خالہ زاد بہنیں۔ یہ سب لڑکیاں آپس میں چہلیں کرنے کے ساتھ عینی کی طرف بھی شریر فقرے اچھال رہی تھیں اور عینی زیر لب مسکرا رہی تھی بلکہ سچ بات تو یہ تھی کہ اس وقت اسے اپنی سسرال کا ماحول اتنا بوجھل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

''اے لو......!'' اس کی ساس نے اچانک ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''مجھے تو بہو کو منہ دکھائی دینا تھی اور مجھے یاد ہی نہیں۔ وہ فوراً اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں اور جب واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں بڑا سا مخملیں ڈبہ تھا جو انہوں نے لا کر عینی کے سامنے رکھ دیا۔

''لو بہو! کھول کے دیکھو کہ اس میں کیا ہے۔''

ابرار کی خالہ کے کہنے پر عینی نے اپنے حنائی ہاتھوں سے ڈبہ کھولا، اندر سچے موتیوں اور گہرے مونگیا نگوں سے مزین سونے کا بے حد بھاری سیٹ دمک رہا تھا۔ جس کے ساتھ ماتھے کی ننھی سی بندیا بھی تھی۔

''بہت خوب صورت ہے۔ تھینک یو آنٹی!'' اس کی ساس نے جھک کر عینی کی پیشانی چوم لی اور عینی دل ہی دل میں خواہ مخواہ شرمندہ سی ہو گئی کہ اپنی سسرال بطور خاص ساس کے بارے میں اس کے خیالات کس قدر منفی تھے اور پہلے روز اس نے گھبراہٹ میں کیا تماشا لگا دیا تھا۔ سب لوگ اس کی اس بچگانہ حرکت سے کتنا ڈسٹرب Feel کر رہے ہوں گے۔ حالانکہ اس کی ساس کو تو جلال میں ہونا چاہیے تھا مگر وہ سب کچھ بھلا کر اس طرح پوز کر رہی تھیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ان کا طرزِ عمل دراصل ان کی اعلیٰ ظرفی کی کھلی دلیل تھا اور میں......! عینی سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا میں واقعی غلطی پر تھی؟ میں ہی کم ظرف تھی یا مجھے سچ مچ کوئی غلط فہمی ہوئی تھی......؟ کیا یہ شادی کے ہنگامے اور تھکن کا اثر تھا یا جاگتے میں کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا میں نے؟"

یا پھر اس واقعے کے پیچھے اس تاثر کا اثر تھا جس سے عینی کو آتے ہی پالا پڑا تھا۔ ناچ گانے کی محفل اور وہ بازاری ٹائپ کا ماحول، شاید ان لوگوں کے خوشی منانے کے انداز نے اس کے ذہن پر برا اثر ڈا تھا مگر وہ کون تھا جو یوں منہ اٹھائے شراب کے نشے میں مست عینی کے کمرے میں گھس آیا تھا؟ جس نے آتے ہی گھونگھٹ الٹ کر بھاری آواز میں "سبحان اللہ" کہا اور چٹکی میں اس کا آنچل پکڑ کر ہ میں اچھال دیا۔ وہ تو صد شکر کہ دوپٹہ شانوں پر سیفٹی پنوں کی مدد سے لگا تھا تبھی ڈھلک کر شانوں پر رک گیا۔ سر سے آنچل سرکنے کی دیر تھی کہ آنے والے پر جیسے جنون طاری ہو گیا مگر وہ......ابرار نہیں تھا۔ ابرار کے لمس سے تو عینی اس وقت آشنا ہو گئی تھی جب نکاح کے فوراً بعد اسے اسٹیج پر لا کر عینی کے ہم صوفے پر بٹھایا گیا تھا، مصحف آرسی کی رسم کے دوران بھی عینی نے بغور اسے دیکھا تھا۔ آف وا اور سنہری پگڑی میں اس کا چہرہ نور سے دھلا لگ رہا تھا۔ کون کہتا ہے کہ شادی کے موقعے پر لڑکو روپ نہیں آتا؟ عینی اس لمحے سوچ کر رہ گئی تھی اور گھر والوں کے انتخاب پر فخر محسوس ہوا تھا۔

تقریب کے دوران بھی اپنے انداز و اطوار سے وہ عینی کو کافی سلجھا ہوا انسان لگا تھا اس لیے اس اس درندگی کی توقع فضول تھی، ویسے بھی انسان اپنی چیز کو احتیاط اور سلیقے سے برتتا ہے جب کہ مانگی چوری کی شے پر جھپٹ کر پڑتا ہے اور آنے والے پر تو "مال مفت، دل بے رحم" کی مثال صاد تھی، حالانکہ بے چاری عینی کو معلوم نہیں تھا کہ اس آنے والے نے "چیز برتنے" کے لیے کتنا خ ہے۔ تبھی تو اس کے نازک وجود سے اپنی پائی پائی کا اخراج وصول کرنا چاہ رہا تھا اور عینی جان توڑ کے بعد اس کی آہنی گرفت سے نکل بھاگی تھی اور اس کے بعد اس بدمعاش کا وجود تو جیسے تھا ہی نہیں جھپکتے یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ......تو کیا کوئی جن بھوت تھا وہ؟ یا کوئی ا مخلوق!!

عینی کا ذہن مسلسل سوچوں کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔

"کیا سوچنے لگیں دلہن......؟" ابرار کی والدہ جو گہری نظروں سے عینی کو دیکھ رہی تھیں پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"اوں......!" عینی چونکی۔ "کچھ نہیں......" اور شرمندگی سے مسکرا دی۔

"شاید انہیں گھر والے یاد آ رہے ہوں گے......" ابرار کی کزن نے اسے چھیڑا۔

"گھر والے نہیں جناب! بلکہ گھر والا......!" عینی کی نند نے شرارت سے عینی کی سمت دیکھا اور ماں سے مخاطب ہو کر ابرار کے بارے میں پوچھنے لگی جو کافی دیر سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

"شاید ٹی وی دیکھ رہا ہو۔" ابرار کی خالہ نے کہا۔

"ہاں ہم کمرے سے نکلیں گے تو تب ہی تو وہ اندر آئیں گے۔" ابرار کی کزن ہنس دی۔

"ہاں......میرا خیال ہے اب یہاں سے اٹھا جائے تاکہ بہو ذرا آرام کر لے۔" عینی کی ساس نے بادل نخواستہ اٹھتے ہوئے کہا اور ان کی تقلید میں سبھی کھڑے ہو گئے۔

"عینی! آپ کا سوٹ اس الماری میں ہینگر پر لٹکا ہے۔" اس کی نند نے معلومات بہم پہنچا کر بلاوجہ بتیسی کی نمائش لگائی۔

"میں ابھی جا کر ابرار کو بھیجتی ہوں۔" اس کی ساس نے کہا۔

سب کے کمرے سے جانے کے بعد عینی نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ آف وائٹ اور سنہری کامدار شلوار سوٹ میں وہ کافی جچ رہی تھی۔ بھاری زیور اتار کر عینی نے بس ہلکا سا لاکٹ سیٹ پہنے رکھا اور پھر یونہی غیر ارادی طور پر ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم کی شیشی اٹھا کر خود پر اسپرے کیا۔ خوشبو کی ہلکی سی پھوار جیسے اس کی روح تک کو تر و تازہ کر گئی۔ بھلا خود کو اتنی خوشبوؤں میں بسا کر آج عینی کیا چاہتی تھی؟

وہ جو دو روز سے سہاگن ہو کر بھی ابھی تک نامکمل تھی، آج شاید اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کی خواہش مند تھی اور آج صحیح معنوں میں اپنے حسن کے داؤ پیچ آزما کر پہلے راؤنڈ میں ابرار کو چت کر دینا چاہتی تھی تاکہ وہ زندگی بھر اس کے رعب حسن کے آگے کچھ نہ بول سکے۔

تبھی دروازے پر قدموں کی آہٹ ابھری اور عینی کا دل بے تحاشہ دھڑک اٹھا۔ وہ خواہ مخواہ ہی اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگی۔ اندر آنے والا ابرار ہی تھا۔

عینی کی نظریں بے اختیار اس کے قدموں سے لپٹنے لگیں۔ ابرار اس کے قریب آ کر ٹھہر گیا، چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔ تب ابرار نے ہی گفتگو میں پہل کی۔

''اگر گرمی لگ رہی ہے تو اے سی آن کر دوں؟'' وہ دھیرے سے بولا تھا مگر آواز کا بھاری پن اس کی اندرونی کیفیت کی ترجمانی کر رہا تھا۔

''واہ!! بات کرنے کا بہانہ نکالا ہے۔'' عینی نے سوچا اور مسکرا دی۔

''گرمی تو بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی۔'' اس نے دھیرے سے سر جھکا کر کہا۔

''اچھا.....!'' ابرار جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر خود ہی چونک اٹھا۔ ''یوں کھڑے کھڑے آپ تھک جائیں گی پلیز! بیٹھ جائیے۔'' اس نے خود بھی بیڈ کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے کہا اور عینی تو آج صرف ایک ہلکے سے اشارے کی منتظر تھی، جھٹ پاس آ بیٹھی۔ ابرار خاموش بیٹھا رہا، عینی نے بالوں کا جوڑا کھول دیا، اس کے ریشمی بال شانوں پر بکھر گئے اور وہ اپنے ہینڈ بیگ سے ہیئر برش نکال کر خوامخواہ بال سلجھانے لگی۔ اسے لگا کہ ابرار کنکھیوں سے مسلسل اس کو تکے جا رہا تھا۔

عینی انجان بنی بال سلجھاتی رہی مگر حقیقت میں اندر ہی وہ ابرار کے التفات اور پیش قدمی کی منتظر تھی جانے کیوں عینی کو محسوس ہوا کہ ابرار کسی معاملے میں تذبذب کا شکار ہے۔ اس خاموشی سے عینی کو گھٹن محسوس ہونے لگی۔ تب دفعتاً ابرار نے اپنا ہاتھ عینی کے ہاتھ پر رکھ دیا اور عینی کے من میں ایک ساتھ چراغ جل اٹھے۔

''آپ بہت خوبصورت ہیں عینی!'' ابرار کی سرگوشی اسے اپنے کانوں کے بہت قریب سنائی دی ابرار کے لب عینی کے بالوں پر سرسرا رہے تھے اور تب وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں سہلانے لگا اور عینی کو اے سی کی خنکی میں بھی پسینہ آ گیا، اس کی زبان پر پیاس کے مارے کانٹے آئے اور وہ گویا آب حیات کے کچھ اور قریب ہو گئی جو اب اس کی تمام تر محبت کا سرچشمہ بھی تھا

دھڑک سے کمرے کا دروازہ کھلا اور عینی کی چھوٹی نند ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھامے اندر چلی آئی اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب دیکھ کر گویا ٹھٹک کر رہ گئی۔ عینی اور ابرار چونک کر الگ ہو گئے۔ عینی خجالت سے مسکرا دی جب کہ ابرار بدستور سنجیدہ رہا۔

''ابرار بھائی! امی کہہ رہی ہیں یہ دودھ پی لیں۔'' اس کی نند کی نظروں میں ان کے لیے عجیب سا تمسخر اور معنی خیزی تھی اور لہجے میں پوشیدہ سرد حکم۔ نا چاہتے ہوئے بھی عینی چونک اٹھی۔

''ہاں رکھ دو۔'' ابرار نے سائیڈ ٹیبل کی سمت اشارہ کیا۔ ''ابھی پی لوں گا۔'' اس نے ٹالا تو اس کی چھوٹی نند جو اب اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ نئے شادی شدہ بھاوج کے کمرے میں داخلے کے آداب بھی نہ جانتی ہو طوہاً کرہاً دودھ کا گلاس میز پر رکھ کر پلٹ گئی مگر دروازے تک پہنچ کر پھر واپس مڑی۔

''دودھ ضرور پی لیجئے گا بلکہ ابھی پی لیجئے۔ امی نے خاص تاکید کی ہے۔''

''ابھی پی رہا ہوں نیہا! تم بے فکر ہو جاؤ۔'' ابرار نے گویا نظروں ہی نظروں میں اسے تسلی دی اور وہ ایک اچٹتی سی نظر عینی پر ڈال کر با دل نخواستہ باہر نکل گئی۔

''اف.....ف..... میں تو ڈر گئی تھی۔'' اس کے جانے کے بعد عینی نے ہاتھوں سے شانوں پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔ ابرار نے سگریٹ سلگا لی۔

''کیوں.....اس میں بھلا ڈرنے والی کون سی بات تھی؟ حیرت ہے..... آپ ہمارے ہوتے ہوئے بھی ڈرتی ہیں۔ کہیں مجھ سے تو ڈر نہیں لگ رہا؟'' اس نے مسکراتے ہوئے شرارت سے عینی کی طرف دیکھا اور اس سے دور بیڈ کے دوسرے کونے پر ٹک کر سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ اس سے پہلے کہ عینی کوئی جواب دیتی، دروازہ ایک بار پھر کھلا اور اس بار ابرار کی والدہ قدرے گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔

''وہ.....تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی ابرار!'' انہوں نے سرسری نظر عینی پر ڈالی جو ساس کو دیکھتے ہی جلدی سے سر پر دوپٹے کا پلو ڈال کر احتراماً کھڑی ہوئی تھی۔

عینی کو لگا کہ جیسے وہ اس کے سامنے ابرار سے بات کرنے میں متامل ہوں مگر وہ بھلا کہاں جاتی.....؟ چنانچہ چپ چاپ وہیں کھڑی رہی۔

"دلہن! تم جا کر کپڑے بدل لو۔ اتنے بھاری بھرکم سوٹ میں دل گھبرا رہا ہو گا جاؤ شاباش! وہ الماری میں تمہارا نائٹ سوٹ لٹک رہا ہے اور وہ ساتھ ہی واش روم ہے۔" وہ گویا اسے ٹالنا چاہ رہی تھیں حالانکہ عینی کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ اتنا خوبصورت جوڑا وہ یونہی ابرار کی داد لیے بغیر بدل ڈالے مگر مجبوری تھی سو الماری کھول کر ہینگر سے نائٹ ڈریس گھسیٹا اور غسل خانے میں جا گھسی۔

"تم کیا کمرے میں آتے ہی بیوی سے چونچیں لڑانے لگے؟" عینی کے گویا سر سے ٹلتے ہی وہ ابرار پر برس پڑیں۔ شاید یہ نیہا کی فراہم کردہ معلومات کا نتیجہ تھا۔ "پرائی آگ پر ہاتھ تاپنے سے انسان کبھی کبھار جھلس بھی جایا کرتا ہے۔ اپنے ایگریمنٹ کی پاسداری کرو ابرار! یاد رکھو کہ امانت میں خیانت پر سفاک انسان تمہاری کھال میں بھس بھروا دے گا۔ کیا رفیق حسن کا انجام بھول گئے تم؟" وہ گرج چمک کے اس پر برس رہی تھیں مگر احتیاطاً دھیمی آواز میں تاکہ عینی نہ سن لے اور ادھر فطری تجسس کے ہاتھ مجبور ہو کر غسل خانے کے بند دروازے کے پیچھے اپنا کان لگا دیا۔

"مجھے سب یاد ہے......" ابرار آہستہ سے بولا۔

"مگر آپ لوگوں کا مشکوک رویہ عینی کو خواہ مخواہ تشویش میں مبتلا کر سکتا ہے۔ پہلے ہی وہ خدا خدا کے ذرا نارمل ہوئی ہے، اب اس کا خوف و ہراس تو دور کرنا ہے ناں مجھے۔ سرکش گھوڑیوں کو سدھار۔ کام بھی تو میرے ہی سپرد کیا ہوا ہے آپ نے۔" وہ قدرے جھنجھلا کر بولا۔

"تو سدھاؤ گھوڑی کو، مگر سوار مت بنو، کرو اس کا خوف زائل مگر مناسب فاصلہ رکھ کر۔" پھرو کے مدمقابل آ کر ٹھہر گئیں اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولیں۔ "تم اس وقت ایسے باور ابرار! جسے کسی کی دعوت کے لیے انواع و اقسام کے کھانے تیار کرنا ہیں اور ان میں مختلف مرچ م سے خوشبو اور لذت پیدا کرنا ہے مگر پکانے کے دوران کسی بھی کھانے کو اس کے ذائقے کا انداز کے لیے چکھنا تک نہیں ہے...... سنا تم نے؟"

اور ابرار محض سر ہلا کر رہ گیا۔

"تم نے وہ بات بتا دی عینی کو؟" انہوں نے بغور ابرار کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، ابھی کہاں! موقع ہی نہیں ملا مجھے۔" ابرار نے بس نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

"چلو ٹھیک ہے مگر بتا ضرور دینا۔" انہوں نے تاکید کی۔

جب کافی غور و خوض کے بعد بھی ان کی گفتگو کا کوئی حصہ ٹھیک طرح سے عینی کے پلے نہیں پڑا تو ناچار وہ لباس بدلنے کے بعد دروازے کھول کر غسل خانے سے باہر نکل آئی اور اس پر نظر پڑتے ہی عینی کی ساس نے چہرے پر وہی مہربان مسکراہٹ سجا لی۔

"آؤ بیٹی! آؤ...... اب یقیناً تم خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہو گی۔" انہوں نے آگے بڑھ کر عینی کی پیشانی چوم لی اور پھر ابرار کی سمت مڑیں، "تم دودھ پی لو ابرار! تاکہ مجھے تسلی ہو اور میں اپنے کمرے میں جا کر سوؤں۔"

"جی اچھا......!" خیالوں میں کھوئے ابرار نے چونک کر گلاس اٹھایا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔

"عینی! تم بھی دودھ لو گی؟" اس کی ساس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"نہیں، مجھے تو دودھ پسند ہی نہیں ہے۔" وہ سر جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"ہاں، مجھے پہلے روز ہی اندازہ ہو گیا تھا اسی لیے تمہارے لیے دودھ نہیں بھجوایا تھا، مگر ابرار کو تو بچپن سے عادت ڈالی ہوئی ہے۔ یہ جب تک میرے سامنے دودھ پی کر گلاس خالی نہ کر دے، مجھے سکون سے نیند ہی نہیں آتی۔" انہوں نے اپنے تئیں گویا اس وقت دخل در معقولات کی لمبی چوڑی توجیہہ پیش کی اور عینی دھیرے سے ہنس دی۔

"سب مائیں شاید ایک جیسی ہوتی ہیں، چونکہ میری امی بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ جب تک ہم سب بہن بھائی ان کے سامنے بیٹھ کر اچھی طرح کھا پی نہ لیں ان کو تسلی نہیں ہوتی۔" اپنی امی کا ذکر کرتے ہی عینی کی آنکھوں میں چراغاں سا ہو گیا اور منہ میں شکر سی گھل گئی۔

"یہ لیجیے......" ابرار نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ "اب تو آپ خوش ہیں؟" وہ اپنی ماں سے مخاطب ہوا۔

"جیتا رہ میرا بچہ!" انہوں نے پیار سے ابرار کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اچھا اب میں چلوں، تم دونوں

آرام کرو۔'' وہ دودھ کا خالی گلاس اٹھا کر مطمئن سی ہو کر کمرے سے باہر چل دیں۔ اور ان کے رخصت ہوتے ہی ابرار نے جھپٹ کر کمرے کے دروازے کا لاک لگا دیا گویا پھر کسی کے اندر آنے کا ڈر ہو۔ عینی اس کی بے قراری پر کھلکھلا کے ہنس دی۔

وہ عینی کے قریب چلا آیا۔ ''میرا خیال ہے آپ منہ ہاتھ دھو آئیں ورنہ پھر بعد میں آپ کو اس کا موقعہ نہیں ملے گا۔'' وہ شرارت سے مسکرایا اور عینی جملے کی ذومعنی پر بلش ہو کر رہ گئی۔ مگر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔

''کون آپ......؟ یہاں تو مجھے کوئی آپ دکھائی نہیں دے رہا۔''

ابرار اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اس کے قریب چلا آیا، اتنا قریب کہ اس کی گرم سانسیں عینی کے چہرے سے ٹکرانے لگیں اور پھر اپنا بھاری بھر کم ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر قدرے جھک آیا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ ''تم......میرا مطلب تم سے تھا......اب ٹھیک ہے؟'' وہ مسکرایا۔

''ہاں...... چلے گا۔'' عینی جو کسی انجانے سے سحر میں جکڑی گئی تھی چونک کر ہنس پڑی اور ابرار بھی سنبھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

''جاؤ، جا کر منہ دھو لو......ورنہ چہرے پر اگر رات بھر میک اپ لگا رہا تو جلد خراب ہو جاتی ہے'' اس نے اپنے تائیں عینی کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اچھا......؟'' عینی نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ''بڑی نالج ہے اس بارے میں'' وہ پھر ہنس دی۔

''ہاں......'' وہ سادگی سے بولا۔ ''اور ویسے بھی مجھے رنگ و روغن سے لتھڑے حسن کی بجائے صاف وشفاف دھلے ہوئے چہرے زیادہ پسند ہیں اور تمہیں تو کسی مصنوعی آرائش کی ضرورت نہیں......تم تو کھلتے ہوئے گلاب کی مانند تر و تازہ ہو۔'' اس نے کھلے دل سے عینی کے حسن کا اعتراف کیا۔

''اچھا میں ابھی آئی۔'' اس کی خواہش کے احترام میں وہ واش روم میں جا گھسی اور صابن سے ہاتھ دھوتے ہوئے رگڑ رگڑ کر میک اپ اتارا۔ کاٹن پر کولڈ کریم لگا کر بڑی مشکل سے آئی لائنز اور

صاف کیا۔ چہرے کو تولیے سے تھپتھپا کر خشک کیا اور موئسچرائزر لگانے کے بعد جب وہ واش روم سے باہر آئی تو کمرے میں ابرار کے خراٹے گونج رہے تھے۔

☆......☆......☆

عینی صبح جلدی بیدار ہونے کی عادی تھی، سو حسب معمول اٹھ کر وضو کے بعد نماز فجر ادا کی اور الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں اس کے جہیز کا قرآن پاک تھا جو عینی اتار لائی اور کافی دیر تک زیر لب تلاوت کرتی رہی۔ ابرار ابھی تک بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ تلاوت کے بعد عینی نے کلام پاک کو واپس الماری میں رکھا اور دروازہ کھول کر دبے پاؤں کمرے سے باہر چلی آئی۔ پورے گھر پر مکمل سکوت طاری تھا۔ شاید سب لوگ یہاں دیر تک سونے کے عادی تھے۔ عینی جہاں اس وقت کھڑی تھی یہ شاید ٹی وی لاؤنج تھا۔ بیش قیمت صوفے پڑے تھے اور جہاز سائز کا ٹی وی بمع ٹرالی ایک کونے میں دھرا تھا اور سامنے دیوار پر بہت بڑی ہاتھ کی بنی پینٹنگ آویزاں تھی۔ عینی یونہی بلا ارادہ اس کے قریب چلی آئی اور بغور دیکھنے لگی۔ اس پینٹنگ میں فقط دو خوبصورت پاؤں نمایاں تھے، جن پر مہندی سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور رقص کے انداز میں تھرکتے یہ پاؤں کسی رقاصہ کے تھے چونکہ ان میں سنہری گھنگھرو بندھے ہوئے تھے اور انہی پیروں کے پاس چمکتے ہوئے فرش پر سکے اور نوٹ پڑے تھے، جب کہ پس منظر میں طبلے اور سارنگی کا نچلا حصہ بھی نظر آ رہا تھا۔ جن ہاتھوں نے بھی یہ منظر کینوس پر منتقل کیا تھا انہیں اپنے فن میں مہارت حاصل تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ پاؤں ابھی دیکھتے دیکھتے تھرک اٹھیں گے اور پس منظر میں پڑا طبلہ اور سارنگی خود بخود بج اٹھیں گے اور پھر سارے ماحول پر وجد طاری ہو جائے گا۔

عینی سحر زدہ سی ذرا آگے بڑھی۔ اس سے بھی آگے ایک پینٹنگ تھی جس میں ایک لڑکی ستار بجا رہی تھی مگر اس کے چہرے پر ناقابل بیان سوگواری نظر آ رہی تھی۔ شاید پینٹنگ جمع کرنا اس گھر کے مکینوں کا شوق تھا۔ تبھی یہاں کی دیواریں کسی آرٹ گیلری کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ عینی دھیرے دھیرے اگلی تصویر کی طرف بڑھ گئی جو قد آدم سائز کی تھی۔ اس میں ایک بیلے ڈانسر شاید رقص کے دوران لڑکھڑا گئی تھی جسے اس کا مرد ساتھی رقص ہی کے انداز میں سنبھالا دے رہا تھا۔ بڑی خوبصورت پینٹنگ تھی مگر ان سب

مناظر میں زیادہ تر ایک چیز مشترک تھی کہ یہ تمام پینٹنگز کسی نہ کسی طرح گانے بجانے اور رقص کے مناظر پر مشتمل تھیں۔

اپنے ہی خیالوں میں گم عینی ایک دھیمی سی آواز سن کر چونک اٹھی جو ذرا دور سے آ رہی تھی اور کسی گنگناہٹ سے مشابہ تھی......

''اس وقت کون ہوسکتا ہے؟'' عینی الجھ سی گئی۔ ''تلاوت......! ہاں شاید کوئی قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہے۔'' عینی کو تو کم از کم یہی لگا اور وہ دبے قدموں آواز کی سمت چل دی۔ طویل گیلری عبور کرنے کے بعد بیٹھک کے ساتھ والے کمرے کے پاس جا کر عینی ٹھٹک گئی۔ اب آواز کے ساتھ طبلہ اور سارنگی بھی حرکت میں آچکے تھے۔

سجن لاگی توری لگن بلما
لاج موہے لاگے، ہائے رہے ہائے
لگائی تو نے کیسی آگن بلما

اس کی نند اور ابرار کی خالہ نغمے کا سرا اٹھا رہی تھیں اور استاد ان کی اصلاح کر رہا تھا۔ عینی کے دا دھڑکن تیز ہوگئی۔ سامنے ہال کمرے میں بچھے قالین پر دھرے گاؤ تکیوں کے درمیان گھنگھرو جوڑی بھی پڑی تھی۔

''یا اللہ! یہ کیا اسرار ہے؟ میں کن لوگوں میں آکر پھنس گئی؟'' عینی الجھی الجھی سی واپس پلٹی تو پیچھے چندن بی بی کو دیکھ کر حیران رہ گئی جو ہاتھوں میں چائے کی پیالی تھامے کھڑی تھی۔

''چائے لے لو دلہن بیٹا!'' وہ مسکرائی اور عینی بھی سنبھل کر مسکرا دی اور پیالی اس کے ہاتھ سے تھ واپس ٹی وی لاؤنج کی سمت چل دی۔ چندن بوا اس کے ساتھ تھی۔

''آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں جاگنے کے بعد صبح چائے پیتی ہوں؟'' عینی نے سوال کیا۔

''لو اس میں کون سی سائنس ہے۔'' چندن بوا نے زرد دانتوں کی بتیسی دکھائی۔ ''سیدھی سی با جو لوگ صبح جلدی اٹھتے ہیں انہیں عموماً چائے کی طلب ہوتی ہے۔ جو دیر تک سوتے ہیں وہ اٹھنے

جوس وغیرہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔'' چندن بوا کی زبان سے شاید اس کا گزشتہ بیس سالہ تجربہ بول رہا تھا۔ عینی امپریس ہوگئی۔

''یہ...... یہ......'' عینی نے بیٹھک کے ساتھ والے کمرے کی سمت اشارہ کیا مگر سمجھ نہیں آئی کہ کس طرح پوچھے۔

''کون؟ مایا اور مناہل......؟'' چندن بوا عینی کی بات سمجھ گئی۔ ''دونوں آج کل گانا سیکھ رہی ہیں۔ بڑا ہی شوق ہے دونوں کو ٹی وی پر گانے کا۔ بڑی بی بی (عینی کی ساس) نے دونوں کے لیے استاد جی کا بندوبست کرا دیا تاکہ اچھی طرح گانا سیکھ جائیں تو اس کے بعد کسی ٹی وی پروڈیوسر کو قابو کیا جائے۔ کیا کریں آج کل بچیوں کے شوق ہی نرالے ہیں۔'' چندن بی بی کمر پر ہاتھ رکھ کر مدبرانہ انداز میں بولی اور عینی کو کسی سوچ میں گم دیکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ناشتہ بناؤں عینی بی بی! آپ کے لیے......؟''

''ابرار کب تک اٹھیں گے؟ انہیں کے ساتھ کرلوں گی۔'' عینی نے کہا اور جواباً چندن بوا ہنس دی۔

''بی بی! یہاں کوئی بھی فرد دوپہر ایک بجے سے پہلے نہیں اٹھتا، سوائے میرے۔ باقی مایا اور مناہل بی بی کی بات الگ ہے۔ وہ تو آج کل راگ سیکھ رہی ہیں۔ اس کے بعد جوس یا دودھ کا گلاس پی کر دوبارہ سو جائیں گی، اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ ناشتہ کرلیں۔'' اور ناچار عینی نے اسے اپنے لیے ناشتہ بنانے کا حکم جاری کردیا۔

☆......☆......☆

ہیلو کہنے کے ساتھ ہی کامران بھائی کے چہرے پر رونق آگئی۔ فون پر بلاشبہ دوسری طرف عفی تھا۔

''ہیلو کامران بھائی! میں ٹھیک ٹھاک اور خیریت سے ہوں۔ حادثے کے وقت مجھے چند معمولی خراشیں آئی تھیں اور یہاں کے مقامی ہسپتال والوں نے مجھے ابتدائی طبی امداد کے بعد فارغ کردیا تھا۔ حادثے کی اطلاع ملتے ہی رحیم یار خان میں مقیم میرا ایک دوست جسے معلوم تھا کہ میں اس ٹرین کا مسافر ہوں، خبر ملتے ہی فوراً جائے حادثہ پر پہنچ گیا اور وہاں آتے ہی اس نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور جب

ڈاکٹرز میری دیکھ بھال میں مصروف تھے تو تب اس نے میری ڈائری سے نمبر لے کر آپ لوگوں کو فون کر
تھا مگر نہ معلوم کیوں بار بار رابطہ منقطع ہو رہا تھا......'' دفعتاً کامران بھائی کو اپنے ارد گرد کھڑے سب
لوگوں کا خیال آیا جو عفی کی خیریت کے منتظر تھے۔

''عفی ہی ہے۔'' انہوں نے ماؤتھ پیس سے منہ ہٹا کر سب کو بتایا اور سب کے چہروں کا اڑا ہوا رنگ
یکلخت واپس آ گیا۔

''ٹھیک تو ہے ناں میرا لعل؟'' خالہ بے قراری سے آگے بڑھ آئیں۔

''ہیلو عفی! یہ لو خالہ سے بات کرو تاکہ انہیں بھی تسلی ہو جائے۔'' کامران بھائی نے چونکا خالہ کو پکڑ
اور خود عفی سے ہونے والی بات چیت تفصیلاً باقی گھر والوں کو بتانے لگے۔

کامران بھائی کے مطابق اس وقت عفی اپنے اسی دوست کے گھر رحیم یار خان میں تھا اور اب اس
پلان اگلے روز صبح اپنے دوست کے ساتھ اس کی کار پر کوئٹہ جانے کا تھا چونکہ اس کے دوست کو بھی ا
بہن کی شادی کے لیے کچھ سامان خریدنا تھا۔

عفی کی خیریت کی اطلاع ملتے ہی گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور سب گھر والوں نے شکرانے
نوافل ادا کیے اور نشو تو کامران بھائی سے باقاعدہ ضد کر رہی تھی کہ آج وہ اسے شمس تبریزیؒ کے مزا
لے جائیں چونکہ حادثہ کی خبر پا کر اس نے منت مانی تھی کہ عفی بالکل خیریت سے رہے تو وہ مزار پر
کرنے اور چادر چڑھانے جائے گی۔

''اے میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔'' خالہ نے فوراً نشو کی حمایت کا اعلان کیا اور یوں دیکھتے
دیکھتے سبھی تیار ہو گئے۔ احمر اور کامران بھائی نے شام ان سب کو مزار پر لے جانے کی حامی بھر لی۔

☆......☆......☆

زندگی اسی پرانے ڈھب پر واپس آ گئی تھی۔ عزمی نے اب محلے پڑوس میں کھل کر اپنے اور تیمو
اختلاف کا بتا دیا تھا۔ ویسے بھی زیادہ دیر تک اس حقیقت کو چھپانا ناممکن تھا مگر طلاق والی بات ابھی
کیوں مصلحتاً نہیں بتائی تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سکول بھی جوائن کر لیا تھا اور ہفتے کے اندر ہی اپنا کا

طرح سنبھال لیا تھا۔ تیمور کی تحفتاً بھجوائی ہوئی کار اس نے بیچ کر رقم کامران بھائی کے مشورے سے بینک کے ڈپازٹ میں جمع کروا دی تھی اور اپنی ذاتی ضروریات تنخواہ سے پوری کیا کرتی تھی اور اس کی ضروریات ہی کتنی تھیں۔ گرمی سردی کے تین جوڑے اور کیا! باقی رقم وہ حیلے بہانے سے گھر میں خرچ کر دیتی، چونکہ ویسے تو اس نے جب بھی گھر پیسے دینا چاہے کامران بھائی نے منع کر دیا کہ عزمی کی تنخواہ کی ایک پائی بھی گھر میں خرچ نہیں ہو گی۔ وہ اپنی تنخواہ بینک میں جمع کرا دیا کرے مگر عزمی اپنے طور پر کبھی کسی کے لیے کچھ خرید لاتی، کبھی کچھ۔ گھر کا فریج اکثر خراب رہا کرتا تھا چنانچہ عزمی قسطوں پر اپنی تنخواہ سے فریج اٹھا لائی اور معاذ کے لیے تو وہ روزانہ ہی کچھ نہ کچھ لے آتی اور بھابی کو بھی اکثر تحفے تحائف دیتی شاید اسی لیے آج کل ان کی زبان پر عزمی کا کلمہ کثرت سے جاری رہتا تھا۔

شبو آپی کو بیوہ ہونے کے بعد شوہر کے محکمے کی طرف سے حاصل ہونے والی رقم کا سن کر ان کے سسرال والے اس تجویز کے ساتھ شبو آپی کو لے جانے کے لیے آئے کہ ان کا نکاح ان کے منجھلے دیور سے پڑھوا دیا جائے گا اور یوں ان کا بھی گھر بس جائے گا اور بے روزگار شبو آپی کے پاس موجود رقم سے کوئی کاروبار کر لے گا، مگر شبو آپی نے صاف انکار کر دیا کہ جس دیور کو وہ ہمیشہ بڑی بہن اور بھاوج کی نظر سے دیکھتی رہیں، اب اسے شوہر کے روپ میں قبول نہیں کر سکتیں۔ ناچار وہ لوگ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ شبو آپی کی نیک نیتی کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یوں دیا کہ جس بینک میں ان کا اکاؤنٹ تھا وہاں کے بینک منیجر وجاہت علی جو رنڈوے اور دو بچوں کے باپ تھے۔ انہیں شبو آپی کی شرافت اور متانت اور سادگی بھا گئی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شبو آپی ایک معزز گھرانے کی فرد اور بیوہ خاتون ہیں چنانچہ انہیں بطور اپنے بچوں کی ماں کے لیے منتخب کر لیا اور کامران بھائی کے آگے دست سوال دراز کر دیا، جس پر کامران بھائی نے سوچ بچار کا وقت مانگ لیا۔ امی تو قدرت کی اس مہربانی پر اس کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔ لوگوں کی کنواریاں بیٹھی تھیں اور ان کی بیوہ بیٹی کا نصیب کھل رہا تھا۔

''یا اللہ! میری عزمی کے حق میں بھی کوئی بہتری فرما دے۔'' وہ اٹھتے بیٹھتے ایک ہی دعا مانگا کرتیں اور عزمی بس مسکرا کے رہ جاتی۔

☆......☆......☆

ابھی ڈھونڈ ہی رہی تھی تمہیں یہ نظر ہماری

کہ تم آ گئے اچانک، بڑی عمر ہے تمہاری

یہ بات اب گویا معمول کا حصہ بن چکی تھی کہ ادھر عزمی بس سے ڈرائیونگ سکول کے سٹاپ پر اتر اور ادھر سامنے بنے گھٹیا سے ہوٹل کے کاؤنٹر پر دھرا کیسٹ ریکارڈر فل والیوم سے بج اٹھتا اور ساتھ کاؤنٹر مین اپنی سرمگیں آنکھوں میں رقصاں شیطانیت کے ساتھ، گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ز لب مسکراتا ہوا عزمی کا بغور جائزہ لے ڈالتا۔ عورت خواہ سات پردوں میں بھی چھپی ہو تو مرد کی آنکھو میں فٹ شوق و تجسس کی مخصوص دوربین اس کے سراپے میں پوشیدہ خدوخال کو ڈھونڈ نکالتی ہے۔ ا بات کا اندازہ عزمی کو گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتے ہی ہو گیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ بہت نروس ہوا کرتی مگر بعد میں جیسے ان باتوں کی عادی ہوتی گئی بلکہ اگر کسی روز اس کی آمد کے ساتھ یہ ریکارڈ نہ بجتا اسے تشویش ہوتی کہ آج کہیں ہوٹل والے کی طبیعت ناساز تو نہیں؟ یہاں عزمی کے ساتھ زیب ال نامی ایک لڑکی اور شہنشاہ نامی لڑکا بھی دن کی شفٹ میں کام کرتے تھے۔ زیبو اور شہنشاہ کا آپس میں کوئی رومانس چل رہا تھا، اس بات کا اندازہ بھی عزمی کو یہاں آتے ہی ہو گیا تھا اور پھر بعد میں زیبو عزمی کے اس اندازے کی تصدیق بھی کر دی تھی کہ شانی (شہنشاہ) اس سے محبت کرتا ہے مگر شاد حامی نہیں بھرتا۔ ایک روز ریسٹ ٹائم میں زیبو نے عزمی کے آگے اپنا دکھ بیان کیا۔

”کیوں......؟“ عزمی حیران کر گئی۔

”بس کہتا ہے ماں نہیں مانتی۔“ وہ بے بسی سے بولی۔

”تو پھر محبت بھی ماں سے پوچھ کر ہی کرنا تھی۔“ عزمی سلگ اٹھی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ مع شہنشاہ کی محبت میں کافی آگے نکل چکی ہے اور اس کے ساتھ بے حد مخلص بھی ہے اور اسی وہ مواقع پر اس نے شہنشاہ کی خوب مالی مدد بھی کی اور اب بھی اس کی تنخواہ کا بیشتر حصہ شہنشاہ تللوں کی نذر ہو جاتا۔ غرض یہ کہ اس نے اس راہ محبت میں اپنا تن من دھن سب کچھ شہنشاہ پر

تھا۔ بظاہر شہنشاہ بھی اس کی محبت کا دم بھرتا نظر آتا تھا اور زیبو کے آگے پیچھے پھرا کرتا مگر شادی کا ذکر ہمیشہ ٹال جاتا۔ عزمی سوچ رہی تھی کہ کسی روز موقع نکال کر وہ خود شہنشاہ سے زیبو کے لیے ڈوٹوک بات کرے گی۔

☆......☆......☆

بلوچستان کے جس علاقے میں عفی کو ٹریننگ کے لیے بھیجا گیا تھا وہاں شہری زندگی کی سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں اور رہائش کے لیے بھی عفی کو جو عمارت دی گئی تھی وہ بھی نیم پختہ مگر صاف ستھری تھی۔ مقامی لوگ محنتی اور مخلص تھے۔ اس کے عہدے کے مطابق دیگر سہولیات کے ساتھ عفی کو سرکاری کاموں کے لیے ایک جیپ مع ڈرائیور بھی دی گئی تھی اور اوپر کے کام کاج کے لیے ایک ملازم بھی موجود تھا۔

جس روز عفی وہاں پہنچا اسی شام اسے کمشنر نے اپنے گھر رات کے کھانے پر بلا لیا۔ عفی کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس کا سینئر سادہ طبیعت کا مالک ہے اور اپنے جونیئر پر رعب و دبدبہ قائم رکھنے کی بجائے بے تکلف اور ٹینشن سے پاک ماحول میں کام کرنا اور لینا جانتا ہے، چنانچہ جہاں کھانے کے دوران مسکراہٹوں کے تبادلے کے ساتھ نجی قسم کی گفتگو سے عفی کی جھجک دور ہوئی وہیں سرکاری امور پر بات چیت سے کئی اہم معاملات اور اردگرد کے ماحول کے بارے میں آگاہی بھی ملی اور یوں کھانے کے بہانے یہ ملاقات کئی اعتبار سے اس کے لیے سودمند بھی رہی۔

یہاں سے فراغت کے بعد رات گئے جب عفی اپنے کمرے میں پہنچا تو اس کا ملازم سوٹ کیسوں میں بند سامان کھول کر ترتیب سے الماری میں لگا چکا تھا۔ ان کے کپڑے استری ہو کر ہینگرز میں لٹکے تھے جب کہ الماری کے سب سے نچلے خانے میں پالش شدہ جوتے چمک رہے تھے۔ غسل خانے میں اس کا تولیہ اور شیو کا سامان موجود تھا اور کمرے میں موجود کھڑکی کے پاس پڑی رائٹنگ ٹیبل پر لکھائی پڑھائی سے متعلق سامان ترتیب سے موجود تھا۔ کمرہ اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر آرام دہ ضرور تھا۔ ایک طرف کونے میں عفی کا بستر لگا تھا۔ عفی نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مطمئن ہو کر الماری سے اپنا ایک شلوار سوٹ نکالا اور غسل خانے میں گھس گیا اور جب وہ باہر نکلا تو اس کا ملازم شیر محمد ہاتھ میں ایک پیکٹ

تھامے اس کا منتظر تھا۔

''یہ کیا ہے شیر محمد؟'' عفی نے تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

''صاحب! یہ آپ کے سوٹ کیس سے نکلا ہے۔ میں نے سوچا شاید کوئی ضروری چیز ہے تبھی سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ آپ آئیں گے تو دوں گا۔''

''دکھاؤ تو......'' حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ عفی نے وہ پیکٹ تھام لیا۔

''میں جاؤں اب......؟'' شیر محمد نے پوچھا۔

''ہاں جاؤ......مگر مجھے صبح نماز کے لیے ضرور جگا دینا۔'' عفی نے تاکید کی۔

شیر محمد کے کمرے سے جاتے ہی عفی نے بستر پر بیٹھ کر تسلی کے ساتھ پیکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور I Love You کی ریپنگ شیٹ پر نظر پڑتے ہی اسے کچھ شک سا گزرا۔ اس نے جلدی سے کاغذ اتار کر پیکٹ کھولا تو اندر سے اس کے پسندیدہ پرفیوم اور قیمتی شیونگ کٹ پر مشتمل گفٹ موجود تھا۔ ایک چھوٹا سا وش کارڈ بھی گفٹ کے ساتھ موجود تھا۔ جو شاید قصداً یا سہواً پیک پر نصب ہونے سے رہ گیا تھا۔ عفی نے کھول کر پڑھا۔

''جان سے عزیز عفان کے لیے......فرام نشا ناہید۔''

عفی نے ایک طویل سانس کھینچا۔ تو اس روز جب عفی سامان باندھ رہا تھا تو نشو کی اس کے کمر میں آمد بلا وجہ نہیں تھی اور عفی کو بہانے سے باہر بھیج کر اس نے موقع ملتے ہی سوٹ کیس میں یہ گفٹ پیک چھپا دیا مگر وہ جب عفی کے کمرے میں داخل ہوئی تھی تو خالی ہاتھ تھی۔ شاید اس نے کسی وقت عفی کی غی موجودگی میں یہ گفٹ پہلے سے عفی کے کمرے میں چھپا دیا تھا۔ یا پھر اس کام میں کوئی اور ہستی اس معاونت کر رہی تھی مگر کون؟؟؟؟ اور گھر سے کس طرح نشو اتنا بڑا پیکٹ سب کے سامنے لائی ہو گی؟

یہ وہ سوال تھے جن کا جواب عفی کے پاس نہیں تھا۔ جو بھی تھا مگر یہ بات طے تھی کہ یہ لڑکی باز آ والی نہیں تھی۔ اب اس کا کچھ علاج کرنا ہی پڑے گا۔ عفی نے ہونٹ بھینچ کر سوچا اور تبھی اس کی نظر گف پیکٹ کے اندر موجود پرفیوم کے بوتل کے نیچے دبے تہہ شدہ کاغذ پر پڑی اور بے دلی سے عفی نے ہا

بڑھا کر یہ کاغذ اٹھا لیا اور کھول کر پڑھنے لگا۔ حالانکہ پرچے کا مضمون اسے بن پڑھے ہی معلوم تھا مگر پھر بھی نجانے کیوں اس کی نظریں تحریر سے پھسلنے لگیں۔ اس خط کو تحریر کرنے کے لیے عجیب سی روشنائی استعمال کی گئی تھی جو تحریر کے وقت یقیناً سرخ ہو گی مگر اب سوکھ کر سیاہی مائل میرون رنگت اختیار کر گئی تھی اور پھر یہ عقدہ بھی فوراً حل ہو گیا۔ نشو کے مطابق یہ خط دراصل نشو نے انگلی پر چیرا لگا کر اپنے خون سے لکھا تھا اور اسی وجہ سے عفی کو یہ عجیب سی روشنائی لگی تھی اور عفی کو یاد آ گیا کہ جس روز اس کی روانگی تھی، نشو کی انگلی میں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس وقت عفی نے زیادہ غور نہیں کیا تھا مگر اب انوکھی سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ خط میں نشو نے عفی کو عنقریب آنے والی اس کی سالگرہ کی مبارکباد دیتے ہوئے اپنے خون کی قسم کھا کر عہد کیا تھا کہ وہ عفی کے علاوہ جیتے جی کبھی کسی اور کی نہیں ہو گی اور اگر عفی بھی اس کی محبت کو نہ سمجھا تو وہ ایک دن اپنے ہی لہو میں نہا کر قبر کی گہرائیوں میں جا سوئے گی۔

''اف......ف......ف......'' خط پڑھ کر عفی لرز اٹھا تھا۔ نشا کی محبت دھیرے دھیرے جنون کی شکل اختیار کر رہی تھی اور اس آشفتہ سری کا سد باب ضروری تھا۔ ''یا خدا......! میں کیا کروں؟'' عفی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

یہ بات نہیں تھی کہ عفی کو اس سے محبت نہیں تھی، وہ تو بہت چاہت تھا اسے۔ بچپن سے اس کی ہر ضد پوری کرتا چلا آیا تھا مگر یہ والی ضد گویا بوتل میں ہاتھی کو بند کر دینے والی تھی اور ایسا کبھی نہیں سوچا تھا عفی نے اور شاید......اب سوچ بھی لیتا چونکہ بظاہر تو نشو کی اس خواہش کی تکمیل ناممکن نہیں تھی مگر اب عزمی ایک سوالیہ نشان بن کر عفی کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور سچ بات تو یہ ہے کہ دل کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں بچپن کی یہ محبت ضرور ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی۔ جواب اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ مگر شاید عفی ہی نادان نکلا جو دل کی پکار پر لبیک بھی نہ کہہ سکا اور دیکھتے ہی دیکھتے عزمی پرائی ہو گئی اور اب جب کہ اس کی وجہ سے عزمی اپنی منزل کا نشان کھو بیٹھی تھی تو نجانے کیوں اب عفی چاہتا تھا کہ اسکی رہبری کے فرائض سنبھال لے اور اس کا ہاتھ تھام کر اس گم گشتہ منزل کا سراغ لگائے جو اس کی اور عزمی کی مشترکہ تھی اور وہ اس نازک موڑ پر اپنے کندھوں پر اک ان دیکھا سا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ وہ دل میں ایک

عہد کر چکا تھا جس کی پاسداری اب اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ عزمی کے خاموش لبوں کو دوبارہ مسکراہٹ سے آشنا کر دینا چاہتا تھا مگر یہ نشا کی بچی جانے کہاں سے درمیان میں آ ٹپکی تھی۔

”اف کیا کروں......؟“ عفی نے میز پر دھیرے سے گھونسا مارا، اگر نشو کا رشتہ کسی خوبرو اور تعلیم یافتہ نوجوان سے طے پا جائے تو شاید اس کی سوچ کو مثبت راہ مل جائے اور وہ بخوبی اپنا راستہ بدلنے پر آمادہ ہو جائے۔

”حارث......!“ ایک نام بجلی کی طرح عفی کے ذہن میں کودا۔ ہاں حارث ہی اس کام کے لیے مناسب ہے۔ اس سجیلے جوان سے بڑھ کر اور کون نشو کے لیے موزوں ہوگا۔ اعلیٰ خاندان کا فرد ہو۔ کے علاوہ کمپیوٹر انجینئر اور کافی وجیہہ و شکیل بھی تھا۔ یہ عفی کا وہی دوست تھا جو رحیم یار خان میں رہائش پذ تھا اور ٹرین کے حادثے کی اطلاع ملتے ہی عفی کو تلاش کر کے اپنے ہمراہ گھر لے گیا تھا اور بعد میں ا کے ساتھ کوئٹہ تک آیا تھا۔

عفی کو اچانک یاد آیا کہ وہ ذکر کر رہا تھا کہ گھر والے آج کل اس کے لیے دلہن کی تلاش میں ہیں مجھے اس نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی عفی فوراً بے تابی سے اٹھ کر اسٹڈی ٹیبل طرف آ پہنچا اور کرسی پر بیٹھتے ہی دراز سے اپنا رائٹنگ پیڈ نکال کر حارث کو خط لکھنا شروع کر دیا۔

اس خط کا جواب عفی کو چند روز بعد ہی موصول ہو گیا جس میں حارث نے عفی کی خالہ کا ایڈریس فون نمبر وغیرہ مانگا تھا تا کہ اپنے گھر والوں کو وہاں بھیج سکے اور ساتھ ہی عفی سے دوستانہ درخواست کہ وہ اسے نشو کی کوئی فوٹو بھجوا دے، جسے دیکھنے کے بعد وہ واپس کر دے گا۔ شریعت کے لحاظ سے ی کا مطالبہ ناجائز نہیں تھا اس لیے عفی نے برا نہیں منایا مگر مسئلہ یہ تھا کہ نشو کی کوئی فوٹو اس کے پاس نہیں تھی البتہ عینی کی شادی پر سب کی تصویریں اتری تو تھیں۔ ان میں نشو کی بھی ہونی چاہیے۔ یہ کر عفی نے گھر والوں سے مطالبہ کیا تھا کہ اسے عینی کی شادی کے موقع پر لی گئی فوٹوز کا البم بھجوا دیا جا اسے امید تھی کہ نشو ہر لحاظ سے حارث کو پسند آئے گی اور اپنے تئیں دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر کے پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

ادھر جب سے احمر بھائی کو ایک مشہور فضائی کمپنی میں بطور ایروناٹیکل انجینئر پرکشش تنخواہ و دیگر مراعات کے ساتھ جاب ملی تھی خالہ بھی بہو کی تلاش میں چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھیں بلکہ اب تو انہوں نے اپنے طور پر فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ شبو آپی تو خیر احمر سے بڑی تھیں اور عزمی کی طرف عفی کا رجحان محسوس ہوتا تھا مگر نمرا بھی لاکھوں میں ایک تھی اور خالہ کا دل اسی کے حق میں گواہی دے رہا تھا مگر جب انہوں نے اس بات کا تذکرہ احمر سے کیا تو اس نے یہ کہہ کر انہیں حیران کر دیا کہ وہ نسرین بھابی کی بہن رومیلہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جانے کب، کہاں اور کیسے دونوں کے مابین عشق کا پیچا لگ گیا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ نسرین بھابی کی والدہ اپنی عادات و مزاج کے باعث خالہ کو پسند نہ تھیں اسی وجہ سے کچھ ہچکچا رہی تھیں مگر پھر احمر نے ہی سمجھایا کہ ضروری نہیں کہ بیٹی بھی ماں ہی جیسی ہو۔ اب نسرین بھابی تو بھری پڑی سسرال میں سب کے ساتھ گھل مل کر رہ رہی تھیں۔ باقی آگے کا اللہ مالک ہے۔

آخر کار کافی سوچ و بچار کے بعد خالہ، عزمی کی امی کے ہمراہ رومیلہ کا رشتہ مانگنے کے لیے نسرین بھابی کے میکے جانے پر رضامند ہو گئیں اور ادھر سے بھی جواب مثبت ہی ملا۔ احمر بھائی کے تو آج کل خوشی کے مارے پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ دونوں گھرانوں میں یہی طے پایا تھا کہ جب عفی چھٹی پر گھر آئے گا تو تبھی اس کی موجودگی میں احمر کی دھوم دھام سے منگنی کر دی جائے گی۔ احمر نے عفی کو بھی فون کر کے یہ خبر سنائی تھی اور وہ بہت خوش ہوا تھا۔

”اچھا......یعنی توتے کی بلا بندر کے سر منڈھی گئی۔“ وہ چھوٹتے ہی ہنس کر بولا تھا۔

”کیا مطلب؟“ احمر مصنوعی خفگی سے بولا۔ ”اور بات سن...... یہ بندر وندر تو خود ہی ہوگا اور یہ بلا، کسے کہا تو نے......؟ بتاؤں گا تیری ہونے والی بھابی کو اسے تو بلا کا لقب دے رہا تھا۔“

احمر نے ہنس کر دھمکی دی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ نسرین بھابی کے گھر والے ہاتھ دھو کر نہیں بلکہ نہا دھو کر رومیلہ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور جواباً عفی نے اس کی منت سماجت شروع کر دی۔

”ناں بھائی! پلیز مت بتانا...... ورنہ دیور بھابی کے خوشگوار تعلقات میں قبل از وقت دراڑ پڑ جائے

گی اور پھر وہ میرے خیال میرے ننھے منے پیارے پیارے بھتیجا بھتیجی کے کان بھر دے گی تو وہ میری گود میں بھی نہیں چڑھیں گے۔" عفی کے انداز پر احمر ہنس دیا۔

"واہ کیا بات ہے...... بلی کو خواب میں چھیچھڑے......!"

"جی نہیں بلکہ اب تو بھائی! کے خواب میں بھابی۔" عفی نے بھی شرارت سے احمر کو چھیڑا تو وہ جھینپ کر ہنس دیا۔

☆......☆......☆

تیمور مزے سے دن چڑھے تک سوتا رہا اور جب آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کر بستر پر اٹھ بیٹھا اور اجنبی نظروں سے چاروں سمت دیکھنے لگا۔ شاید اس کے حواس پر نیند کے عالم میں دیکھے گئے خواب کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ جبھی زیر لب عزمی عزمی پکار رہا تھا اور پھر حیران ہو کر وال کلاک کی سمت دیکھنے لگا جو دن کے گیارہ بجا رہا تھا اور خود کو لندن میں ممی کے گھر اپنے کمرے میں بستر پر موجود پا کر جیسے مطمئن سا ہو گیا۔

وہ کمبل اتار کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور تکیہ کھینچ کر اپنی گود میں ڈال لیا۔ اس کا ذہن ابھی تک الجھا تھا اور غلافی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ عزمی سے جدائی کے بعد آج پہلی بار اسے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی بھینی بھینی سی خوشبو ابھی تک اس کا حصار کیے ہوئے تھی اور وہ تیمور کے کس قدر قریب تھی۔ اپنا خواب یاد کر کے یکبارگی تیمور کا دل دھڑک اٹھا۔

"جانے عزمی کیسی ہو گی۔" اس کا خیال آتے ہی میرو کا دل دھڑک اٹھا اور وہ بے چین سا ہو گیا۔

"کون عزمی؟" اس نے بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پا کر خود کو سرزنش کیا۔ "کیا تعلق رہ گیا ہے اس بے وفا سے میرا؟"

"مگر اس کی یاد تمہیں اتنا بے کل کیوں کر رہی ہے؟ سچ کہو! کیا تم اسے مس نہیں کرتے؟"

اس نے اپنے اندر سے اٹھنے والی اس صدا کا گلا گھونٹ دیا۔ "نہیں نہیں......" اس نے خود کو جھٹلا ویسے ممی اکثر کہا کرتی ہیں کہ دو کشتیوں کا سوار ہمیشہ ڈوبا کرتا ہے۔ ممی کی بات اسے یاد آ گئی مگر و کب دو کشتیوں کا سوار تھا؟ ایک کشتی تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے جذبات کے تلاطم میں ڈبو آیا تھا

دوسری ناؤ...... ابھی تک اس کی رسائی سے دور تھی اور وہ خود حالات کے بھنور میں پھنسا ہاتھ پاؤں چلا کر ساحل تک پہنچنے کی تگ و دو میں مصروف تھا۔

تیمور اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سن کر چونک گیا۔ "یس کم آن۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"گڈ مارننگ مائی سن!" پاپا دونوں ہاتھوں سے چائے کی ٹرے تھامے کمرے میں چلے آئے تھے۔

"اوہ گڈ مارننگ......!" تیمور فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس طرح کسی درز سے روشنی کی ایک لکیر آپ ہی آپ جگہ بنا کر تاریکی کا سینہ چیرتی بند کمرے میں داخل ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح پاپا کی خاموش اور بے لوث محبت تیمور کے دل میں چپکے چپکے گھر کر رہی تھی۔ تیمور نے آگے بڑھ کر چائے کی ٹرے ہاتھوں سے تھام کر تپائی پر رکھ دی۔

"آپ نے کیوں زحمت کی پاپا!" تیمور نے آج پہلی بار انہیں پاپا کہا تھا۔ ان کے چہرے پر روشنی سی جگمگا گئی۔ انہوں نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور پھر اس کے گالوں پر پیار بھری چپت لگائی۔

"اپنے بچوں کا کام کبھی بھی والدین کے لیے زحمت ہوا کرتا ہے؟" اور پھر مسکرا کر شریر نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا۔ "تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے میرو!"

"جی......؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔" اس نے الجھن آمیز نظروں سے پاپا کی طرف دیکھا۔

"ابھی ساری بات سمجھ لو گے۔" وہ مسکرائے اور دروازے کی سمت دیکھ کر پکار اٹھے۔

"بھئی! ہمارے میرو کا سرپرائز اندر تشریف لے آئے۔" دروازے پر آہٹ ہوئی اور تیمور کی نظریں خود بخود اس طرف اٹھ گئیں اور وہ دم بخود رہ گیا...... وہاں لیزا موجود تھی......!

تیمور کا دل چاہا دوڑ کر اسے اپنے دل کی دھڑکنوں میں چھپا لے مگر پاپا کا لحاظ مانع تھا لہٰذا صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔

"تم دونوں آرام سے بیٹھو...... میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔" پاپا کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

"تم ذرا چائے لو...... میں واش روم سے آتا ہوں۔" تیمور جھپاک سے منہ ہاتھ دھونے گھس گیا او[ر] کچھ دیر بعد معقول حلیے میں باہر آ گیا۔

"میں تمہیں لینے آئی ہوں۔" لیزا نے کہا۔

"ہاں...... ابھی چلتا ہوں۔" تیمور نے سعادت مندی سے کہا۔

اتنی دیر میں پاپا دونوں کے لیے ناشتہ لے آئے اور تیمور پھر ان کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہوا۔ و[ہ] خیال رکھتے تھے اس کا۔ ممی یقیناً ہسپتال اور اس کی بہنیں اپنی کلاسز کے لیے گئی ہوئی تھیں ورنہ مم[ی کی] موجودگی میں تیمور شاید یہی سوچتا کہ انکل، ممی کے آگے اپنے نمبر بنانا چاہ رہے ہیں حالانکہ اب ان نمبر بنانے والے اسٹیج بھی نہیں تھی۔ ناشتے کے بعد تیمور، لیزا کی فرمائش پر تیار ہو کر اس کے ساتھ کہیں جا رہا تھا اور پاپا کو بتا دیا تھا کہ دیر ہو جائے تو پریشان نہ ہوں۔ آج اسے ممی سے بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ عنقریب ممی کو صاف طور پر بتا دے گا کہ اس بار نہیں لیزا کو اپنی بہو قبول ہی پڑے گا ورنہ پھر وہ بیٹے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ آج شاید لیزا نے بھی اپنے آفس سے چھ[ٹی لی] تھی۔ جبھی دونوں دن بھر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مزے سے گھومتے پھرتے رہے مگر نجانے کیوں پہلے کی طرح چہک نہیں رہا تھا۔ دوپہر کے بعد لیزا امیرو کو اپنے فلیٹ پر لے گئی جہاں وہ بالآخر کہہ اٹھ[ی]

"تیمور! تم مجھ سے خفا ہو؟"

"آں...... نہیں، ہرگز نہیں......"

"تو پھر خاموش سے کیوں ہو؟" وہ پوچھ بیٹھی۔

تیمور نے ایک ناقدانہ نظر لیزا کے فلیٹ پر ڈالی تو کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "لیزا! تم کس کے ساتھ ہو؟"

"بوائے فرینڈ ہے میرا۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیا! تم نے کیا مجھے بھلا دیا تھا جو میرے پاکستان جاتے ہی بوائے فرینڈ بھی بنا لیا اور [اس کے] ساتھ اگریمنٹ پر رہنے لگیں؟ آخر ایسی کیا مجبوری تھی کہ میرا انتظار بھی نہیں کیا گیا تم سے؟"

موقع پاتے ہی شکایات کی پٹاری کھول ڈالی۔

"اور تم نے مجھے کیا یاد رکھا جو پاکستان جاتے ہی وہاں کی گرل سے شادی کر ڈالی؟" لیزا نے گویا تڑ سے جوتا تیمور کے منہ پر کھینچ مارا تھا۔ "اور دیکھ لو...... میں نے تو شادی نہیں کی۔" اس نے صاف آئینہ دکھایا تو تیمور شرمندہ ہو گیا۔

"آئی ایم سوری......!" اس نے سر جھکا لیا۔ وہ دراصل اپنی روانی میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ ایک امریکی لڑکی سے مخاطب ہے جو ہر معاملے میں مردوں سے برابری کی قائل ہے۔

"تو اب تمہارا کیا خیال ہے؟ آئی مین کیا ارادہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرا اگریمنٹ ختم ہونے والا ہے اور بس پھر مارکوس کے ساتھ نہیں رہوں گی، کیوں کہ وہ بے وفا ہے۔ میرے علاوہ اس کی کئی گرل فرینڈز ہیں اور وہ ان سے تنہائی میں ملتا ہے۔ سب سے بڑھ کر ہمارے مزاج ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ اسے تو ڈھنگ سے "محبت" کرنا بھی نہیں آتی۔" لیزا نے مارکوس کی شکایات کا پورا پنڈورا کھول کے رکھ دیا اور تیمور مسکرا دیا۔

"تم فکر مت کرو...... میں تمہیں اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤں گا۔" اس نے لیزا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

وہ شام تک لیزا کے فلیٹ پر ہی رہا اور گویا محبت کے سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ شام کو دونوں تیار ہو کر کلب چلے گئے جہاں تیمور نے اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق دل بھر کے لیزا کے ہمراہ رقص کیا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ اس کے بعد دونوں نے ایک پیزا ہٹ کا رخ کیا اور پیزا کا آرڈر دیا اور جیسے ہی پیزا کی ڈش سامنے آئی تو تیمور تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"آہاہا...... زبردست بھوک جگانے والی خوشبو ہے...... لو ناں!"

اس نے لیزا کو مخاطب کیا...... مگر یہ کیا...... وہ تو عجیب و غریب شکلیں بنا رہی تھی جیسے سخت ابکائیاں آ رہی ہوں یا پھر وہ آنے والی قے کو زبردستی روک رہی ہو۔ تیمور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آر یو او کے......؟" مگر لیزا اٹھ کر تیزی سے واش روم کی طرف لپکی۔

☆......☆......☆

"شاباش! دھیرے دھیرے کلچ چھوڑیں......ایسے......"

عزمی نے اپنی شاگرد کو صحیح طور پر گاڑی اسٹارٹ کرنے پر تھپکی دی۔ کچھ دن بعد وہ مین روڈ پر تھے۔

"اب اپنا رائٹ انڈیکیٹر آن کرو اور پھر موقع ملتے ہی آرام سے ٹرن لے لو۔" عزمی نے اسے ہدایت دی۔ آگے سڑک پر جابجا گڑھے تھے لہٰذا اس کی شاگرد سے گاڑی جھٹکے کھانے لگی۔

"آدھا کلچ دباؤ۔" عزمی نے تاکید کی اور چند لمحوں بعد گاڑی نے ہچکولے کھانے بند کر دیئے تھے جب گاڑی اس طرح جھٹکے لے اور سڑک ناہموار ہو تو آدھا کلچ پاؤں کے نیچے دبانے سے یہ مسئلہ ہو سکتا ہے مگر ایکسیلیٹر کے ساتھ کبھی کلچ کا استعمال نہیں کرنا چاہیے کہ اس طرح کلچ پلیٹ مسلسل رگڑ کھا... کی وجہ سے جل جاتی ہے۔" عزمی نے اپنی شاگرد کو ایک اور سبق دیا۔ تبھی ریڈ سگنل پر گاڑی رک گئی۔

"چلو فوراً فرسٹ گیئر لگاؤ تاکہ سگنل کھلتے ہی نکل سکو......" عزمی نے کہا۔

عزمی کی شاگرد ایک شادی شدہ خاتون تھی۔ جس کا شوہر کینیڈا میں مقیم تھا اور اب وہ بھی شوہر... پاس جانے والی تھی کیوں کہ اس کے شوہر نے تاکید کی تھی کہ وہ پاکستان سے کار چلانا سیکھ کر آئے لہٰذ... دنوں وہ عزمی کے زیرِ تربیت تھی۔ عزمی کو یاد آیا کہ اس نے بھی تیمور کی فرمائش پر کار چلانا سیکھی تھی۔ می... خود اعتماد لڑکیاں پسند تھیں اور عزمی......فطری طور پر شرمیلی تھی پھر تیمور نے ہی اسے چھری کانٹے سے کھانے کا طریقہ سکھایا تھا۔ تیمور کا خیال آتے ہی عزمی بے طرح اداس ہو گئی۔

کب سگنل کھلا اور کب وہ آگے نکلے، اپنے خیالات میں کھوئی عزمی کو پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو اس... جب اس کی شاگرد مسز نعیم نے گاڑی اپنی اگلی گاڑی کے پچھلے حصے سے ٹکرا دی۔ جھٹکے سے دونوں گا... رک گئیں۔ عزمی کی ہدایت پر اس کی شاگرد نے کار سڑک کے کنارے لگائی جبکہ اگلی گاڑی کو کوئی نق... نہیں پہنچا تھا مگر اس کا مالک فوراً اتر آیا۔ عزمی کی ڈرائیونگ سکول والوں کی پرانی گاڑی تھی اس لیے... آدھ ڈینٹ مزید پڑ گیا اور ایک ہیڈ لائٹ ٹوٹ گئی۔ اسی دوران ٹریفک سارجنٹ بھی آ گیا تھا اور د... گاڑیوں کے نقصان کا اندازہ لگا رہا تھا۔ عزمی سخت نروس ہو رہی تھی۔ تبھی دوسری سمت سے گا...

شہنشاہ چلا آیا۔ وہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ مخصوص روٹ پر جا رہا تھا مگر عزمی کو دیکھ کر رک گیا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔" اس نے عزمی کو تسلی دی۔

"مگر ساجد صاحب تو کہہ رہے ہیں ڈبل کنٹرول گاڑی تھی۔ تم ہی بریک لگا دیتیں۔" عزمی روہانسی ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا......میں ان لوگوں کو ڈراپ کر کے پندرہ منٹ تک واپس آتا ہوں۔ پھر میں آپ کی گاڑی لے جاؤں گا اور آپ میرے والی گاڑی پر چلی جانا۔" اس نے عزمی کو تسلی دی اور پھر یونہی ہوا، جو بھی پرابلم تھا شہنشاہ نے خود Solve کر لیا۔ کسی نے بھی عزمی سے کچھ پوچھا تک نہیں۔ عزمی اس کی کافی مشکور تھی اور اس روز کے بعد اس کی رائے شہنشاہ کے بارے میں بدل گئی۔

"ہو سکتا ہے زیبو سے شادی نہ کرنے میں بے چارے کی کوئی مجبوری ہو۔" وہ سوچا کرتی۔ اب اس کی شہنشاہ سے اتنی بے تکلفی ہو گئی تھی کہ وہ کھل کر زیبو کے لیے بات کر سکتی تھی۔ تب ایک دن وہ جان بوجھ کر ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد ڈرائیونگ سکول میں رک گئی۔ زیبو جا چکی تھی مگر شہنشاہ باہر گاڑی کے پاس موجود تھا۔ شاید اس کے چند دوست اس کے گرد جمع تھے۔ عزمی نے سوچا کہ یہ چلے جائیں گے تو وہ شہنشاہ سے گھر تک لفٹ مانگ لے گی اور اس طرح راستے میں زیبو اور شہنشاہ کی شادی کے مسئلے پر بات بھی ہو جائے گی۔ وہ ساجد صاحب (ڈرائیونگ سکول کے مالک) سے رخصت ہو کر دروازے میں آئی تاکہ شہنشاہ سے معلوم کرے کہ اس کا کیا پروگرام ہے اور تب......وہاں اپنا نام سن کر چونک اٹھی......اور بغیر آہٹ کیے دروازے میں ہی رک گئی۔ شاید شہنشاہ سمجھ رہا تھا کہ عزمی، زیبو کے ہمراہ جا چکی تھی تبھی بے فکری سے اس کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ عزمی سن ہو کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

رات بھر اس کی صحت یابی کا جشن منایا گیا اور شہر کی معروف رقاصاؤں نے نہایت عمدگی سے اپنا رقص پیش کیا اس سے پہلے شام کو ماں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق میلاد کی محفل منعقد کی اور پھر رات کو باپ نے شراب، شباب اور کباب کے ہمراہ احباب کی دعوت کر کے گویا دل کے ارمان نکالے۔ اسی کا اثر

تھا کہ ضمیر خان دوپہر کے بارہ بجے بھی بڑی مشکل سے بیدار ہوا تھا۔طبیعت پر عجیب سی کسلمندی طاری تھی۔نہادھو کر اس نے ناشتہ کیا اور پھر کپڑے بدل کر جیپ لے کر آوارہ گردی کو نکل کھڑا ہوا۔

اس کے جانے سے قبل اس کی ماں نے نجانے کون کون سی آیات کا ورد کر کے اس پر پھونکا اور تب کہیں جا کر ضمیر خان کو باہر نکلنے کی اجازت ملی۔

''بیٹا! احتیاط سے جیپ چلانا۔'' وہ بار بار ہدایت دے رہی تھیں اور ضمیر خان کو ماں پر بے طرح پیار آ گیا۔ماں کا خیال آتے ہی اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس وقت ضمیر خان لڑکیوں کے کسی کالج کے آگے سے گزر رہا تھا اور شاید کچھ دیر قبل لڑکیوں کو کالج سے چھٹی ہوئی تھی چونکہ وہ جوق در جوق کالج سے ڈار کی شکل میں نکل کر سڑک پر پھیل رہی تھیں۔شاید آج کالج بس نہیں آ سکی تھی جبھی کچھ لڑکیوں کو تو ان کے گھر والے لینے آئے ہوئے تھے اور وہ بھائیوں کے ساتھ موٹر سائیکلوں اور کاروں پر جا رہی تھیں اور کچھ پیدل کسی سواری کی تلاش میں تھیں۔

غرض یہ کہ اس وقت سڑک پر بہت رش تھا۔اسے اپنے باپ شوکت خان کی یاد آ گئی کہ عورتیں سڑک پر مویشیوں کی طرح چلتی ہیں۔لاکھ ہارن دو مگر مجال ہے جو ذرا ہٹ جائیں۔باپ کی بات یاد آتے ہی وہ مسکرا دیا۔عورت کی نقل و حرکت پر کتنی گہری نظر رہتی تھی اس کے باپ کی اور اب ضمیر خان بھی کان پرزے نکال رہا تھا۔عورت ایک بھول بھلیاں سی ہوتی ہیں۔جس میں گم ہو جانے کو دل کرتا ہے، وہ تئیں ایک ایسی پہیلی ہے جسے بوجھنے کی تمنا لیے مرد خود چکرا جاتا ہے اور تبھی اچانک ضمیر خان کی نظر چادر میں لپٹی ایک خوب صورت دوشیزہ پر پڑی، جس کا نور سے دھلا صبیح چہرہ ضمیر خان کی آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا۔یہ لڑکی چادر سے اچھی طرح سر ڈھانپے سڑک کے کنارے تنہا چلی جا رہی تھی۔

تبھی ضمیر خان نے رش میں سے جگہ بناتے ہوئے جیپ اس کے قریب جا روکی۔

''سنو...... آؤ بیٹھو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اس نے جیپ کی کھڑکی سے سر نکال کر اسے مخاطب کیا۔

''جی نہیں شکریہ۔'' لڑکی نے سر اٹھایا تو ضمیر خان کو اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں کا

کاٹ بڑی بھلی لگی۔

''اخاہ...... بڑی اتھری مٹیار ہو...... ہیں؟ چلو آؤ شاباش......خدمت کرو۔'' اس نے لڑکی کو چمکارا اور پُرشوق نظروں سے اسے تکنے لگا۔

''تم جاتے ہو یا بلاؤں پولیس کو......؟'' لڑکی نے بآواز بلند کہا تو کئی لوگ ضمیر خان کی اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اپنے حلیے سے تو شریف آدمی لگتے ہو مگر پورے بدمعاش ہو اور تم جیسے لوگوں کے دماغ ٹھکانے لگانا میں خوب جانتی ہوں۔'' لڑکی غصے سے پھنکاری تو اس کی سنہری رنگت گلابی ہو گئی اور آنکھوں کا رنگ گہرا سا لگنے لگا اور اس روپ میں تو وہ اور بھی ضمیر خان کی آتش شوق کو بھڑکا گئی مگر اس دوران چونکہ سڑک پر کافی رش تھا اور کچھ لوگ کینہ توز نظروں سے ضمیر خان کو گھور رہے تھے اور معاملے کا اندازہ کر کے اس بات کے منتظر تھے کہ لڑکی مدد کو پکارے یا غنڈے کی جسارت بڑھے تو اس کا دماغ ٹھکانے لگائیں چنانچہ حالات کی نزاکت بھانپ کر ضمیر خان نے وہاں سے نکل جانے ہی میں عافیت جانی۔

وہ کسی سے ڈرتا نہیں مگر خواہ مخواہ معاملے کو طول بھی نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے ''او کے پھر ملیں گے۔'' یہ کہہ کر جیپ آگے بڑھا دی اور لڑکی نے سکون کا گہرا سانس لے کر قریب سے گزرنے والی خالی موٹر رکشہ کو ہاتھ دے کر روکا اور اس میں سوار ہو گئی۔یہ نمرا تھی......!

☆......☆......☆

''یہ تو آج کل کہاں کھویا کھویا سا رہتا ہے۔'' بیگم سلمیٰ شوکت نے غور سے ضمیر خان کی طرف دیکھا جو ناشتہ کرنے کی بجائے اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔''اے لڑکے! میں تجھ سے کہہ رہی ہوں۔'' سلمیٰ شوکت نے اس کے سامنے دھری خالی پلیٹ کے کنارے پر کانٹا بجا کر اسے متوجہ کیا تو وہ چونک گیا۔

''ہوں......ہاں......مجھے بھوک نہیں ہے......'' اس نے پلیٹ سامنے سے ایک طرف کھسکا دی۔

''اے لو......بھوک کیوں نہیں ہے؟ سروری بتا رہی تھی کہ تو نے کل رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا اور اب بھی تجھے بھوک نہیں۔آخر ایسا کیا دیکھ لیا جو بھوک پیاس ہی اڑ گئی۔''

اور ضمیر خان نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا جو روٹی پر دیسی گھی چپڑ رہی تھی تا کہ ضمیر خان شوق سے کھالے۔ اس کی ماں کے چہرے پر کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہو سکتا کہ وہ ضمیر خان کے دل کے چور تک پہنچ گئی ہے۔

''لے...... کھالے۔'' اس کی ماں نے گرم گرم گھی سے چپڑی روٹی اس کی پلیٹ میں رکھ دی۔ ''چائے بنادوں؟'' اس نے ضمیر خان کی پیالی اپنی طرف کھسکائی۔

''اچھا بنادے۔'' اس نے ہار مان لی۔ ''تو بھی ماں بس'' ضمیر خان نے سر جھٹک کر روٹی کا نوالہ توڑا۔

''کھالے شاباش! ایک تو آج کل کے نوجوانوں میں یہ ڈیٹنگ (ڈائٹنگ) کی وبا نجانے کیسے پھیل گئی ہے۔ جسے دیکھو بھوک ہڑتال کا شوق ہے، اسی لیے جوبن پر جوانی کھل کر برستی ہی نہیں کہ بڑھاپا ٹپک پڑتا ہے۔ جسے دیکھو بھری جوانی میں مضمحل، پژمردہ اور چڑ چڑا نظر آتا ہے۔ چہروں پر تازگی اور خون کی سرخی کی بجائے پیلاہٹ اور سستی نظر آتی ہے اور تو اور لڑکوں کو بھی لڑکیوں کی طرح بالشت بھر کی کمر کا شوق چرایا ہے، اسی لیے اب کوئی گھبرو جوان نظر ہی نہیں آتا۔''

''ابا کیسا تھا جوانی میں......؟'' ضمیر خان نے مسکرا کر شرارت سے ماں کو چھیڑا۔

''آئے ہائے......'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''وہ تو ابھی بھی تمہارے جیسے چھے سات جوانوں کو اکیلا چت کر دے اور جوانی میں تو شوکت خان واقعی بڑا ابھر پور اور خوبرو جوان تھا۔ اکھاڑے میں اتر کے پہلوانی کیا کرتا تھا۔ چھے ست (سات) کلو دودھ اکیلا جنا پی جاتا تھا۔ چار سیر گوشت اکیلا کھا لیتا تھا۔ بڑی قابل رشک صحت تھی اس کی مگر موٹا نہیں تھا۔ جتنا کھاتا تھا، اکھاڑے میں ورزشیں کر کے سب ہضم کر آتا تھا۔ کشمیر کے لال سیبوں کی طرح کے گال تھے اس کے۔''

''تبھی تو تجھے پسند آ گیا تھا۔'' ضمیر خان آج ماں کو ستانے کے موڈ میں تھا۔

''ناں بیٹا! ہمارے زمانے میں یہ بدمعاشیاں نہیں ہوتی تھیں البتہ لڑکی کے گھر والے دیگر باتوں کے ساتھ لڑکے کی صحت اور ناک نقشہ ضرور دیکھتے تھے۔ پہلے زمانے کا گھبرو جوان اگر کسی کا ہاتھ تھام

تو دوسرے کو بانہہ چھڑانی دوبھر ہو جاتی تھی اور آج کا نوجوان اگر گرم جوشی سے کسی سے مصافحہ بھی کر لے تو شاید کلائی میں موچ پڑ جائے اس کی...... اور تیرا باپ اپنے زمانے کا خوب صورت، چاق و چوبند اور گھبرو جوان تھا۔''

''تو کہتی ہے تو مان لیتا ہوں...... پر لگتا نہیں۔'' ضمیر خان مسلسل شرارت پر آمادہ تھا۔

''ارے یہ تو بعد میں اس کے شوق اسے لے ڈوبے ورنہ تو ایسا ہی تھا۔ یہ تو وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد نجانے کس کم ذات نے اسے گاؤں کے علاقے سے الیکشن لڑنے کی پٹھی (الٹی) مت (عقل) دے دی اور یوں یہ الیکشن جیتنے کے بعد شیطانی کاموں میں الجھتا گیا تو چہرے کا نور اور رونق سب مٹی ہو گئی۔ طرح طرح کی زنانیوں کے شوق نے ساری صحت کا بیڑہ غرق کر دیا۔'' بیگم سلمٰی شوکت کے منہ میں یک دم ہی کڑواہٹ سی گھل گئی اور اس نے سر جھکا لیا۔

''چل چھوڑ......'' ضمیر خان نے ماں کو اداسی کے بھنور سے نکالنے کو کہا۔ ''باپ جیسا نہ سہی مگر تیرا بیٹا بھی کسی ٹارزن سے کم نہیں ہے۔ یہ دیکھ میرے مسل......'' اس نے آستین الٹ کر باڈی بلڈرز کی طرح اپنے بازوؤں کے مسل پھلائے اور سلمٰی بیگم مسکرا کر رہ گئی۔

''مسل......؟ مجھے تو یہ مسائل زیادہ لگ رہے ہیں۔''

''جاماں......! میں نہیں بولتا تجھ سے۔'' ضمیر خان نے مصنوعی خفگی سے منہ پھلا لیا۔

''ارے پگلے......! میں تو مذاق کر رہی تھی تجھ سے۔'' بیگم شوکت نے پیار سے ضمیر خان کے گالوں پر چپت لگائی اور ضمیر خان ہنس دیا۔

''ایک بات تو تجھے بتانا ہی بھول گئی......'' سلمٰی شوکت نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''کیا......؟'' ضمیر خان اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''آج شام کو میں اور تیرے ابا شہینہ کے گھر تیرے رشتے کی بات پکی کرنے کے لیے جا رہے ہیں بلکہ اگر ہو سکے تو آج ہی شادی کا دن اور مہینہ بھی ساتھ ہی مقرر کر آئیں گے۔''

''مگر کیوں......؟'' ضمیر خان کی تیوری پر بل آ گیا۔

"کیوں کہ تیری پھوپی کی بیٹی شاہینہ تیری بچپن کی منگ (منگیتر) ہے اور اب جتنی بھی جلدی ممکن ہو اسے اس گھر میں بیاہ کر آ جانا چاہیے۔ اچھا ہے اسی بہانے گھر میں کچھ چہل پہل ہو جائے گی اور بہو کے آ جانے سے میرا بھی دل لگا رہا کرے گا۔"

"مگر ماں! ...... وہ تو مجھ سے عمر میں چھ سات سال بڑی ہے...... اور ویسے بھی اتنی تیز طرار ہے...... مجھے یہ رشتہ ہرگز منظور نہیں۔" ضمیر خان نے احتجاج کیا۔

"بھئی بڑی ہے تو کیا ہوا؟ اپنے ساتھ اتنی لمبی چوڑی جائیداد لا رہی ہے وہ۔ تیری کئی نسلیں بیٹھ کر عیش کریں گی۔"

"لیکن اگلی کئی نسلوں کے عیش و آرام کی خاطر میں اپنی زندگی تباہ نہیں کر سکتا۔" ضمیر خان نے حتمی انداز میں جواب دیا۔

"لو اور سنو......" سلمیٰ شوکت اپنے منہ پر دوپٹے کا پلو رکھ کر بے تحاشا ہنسی۔ "کبھی کسی مرد کی زندگی بھی تباہ ہوئی ہے بھلا! وہ تو ایک آزاد پنکھ پکھیرو کی طرح کبھی ایک ڈال پر تو کبھی دوسری شرخ پر پھدکتا پھرتا ہے۔ دکھ جھیلنے اور انڈے سینے کو مادہ ہی تنہا گھونسلے میں بیٹھی رہ جاتی ہے، سو وہ بے چاری بھی پڑی رہے گی ایک کونے میں۔"

"بالکل تیری طرح ...... ہے ناں؟" ضمیر خان کی طنزیہ نظریں سلمیٰ شوکت کے کلیجے میں اتر گئیں مگر وہ حد درجہ سکون سے بولی۔

"ہاں میری طرح...... تو نے شاید وہ مثل نہیں سنی کہ ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں...... جس کا ہاتھی اس کا ناؤں۔ ایم این اے شوکت خان کی بیگم ہونے کا درجہ تو صرف مجھی کو حاصل ہے ناں......!"

"تو بس اسی میں خوش رہ۔" ضمیر خان ہنسا۔

"آج تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے ضمیرے؟ کہیں تجھے کوئی اور لڑکی پسند تو نہیں آ گئی؟" سلمیٰ شوکت نے ضمیر خان کی آنکھوں میں جھانکا۔

اور ضمیر خان کی آنکھوں میں اس کالی چادر والی لڑکی کا سراپا گھوم گیا۔

"پتا نہیں......!" اس نے بے بسی سے سر ہلایا اور نظریں جھکا لیں۔

"سن...... ضمیرے......! اگر واقعی تجھے کوئی لڑکی بھا گئی ہے تو بے غیرتوں کی طرح اسے صرف اپنے بستر کی زینت ہی مت بنانا، بہادر اور شریف مردوں کی طرح اپنی غیرت بھی بنا لینا...... اگرچہ تیری رگوں میں شوکت خان جیسے بے ضمیر اور بے حس باپ کا خون دوڑ رہا ہے مگر سنا ہے کہ ماں کے دودھ کا بھی کافی اثر ہوتا ہے اور تجھے اسی قول کا بھرم رکھنا ہے اب۔ اپنی ماں کے فخر کو مٹی میں مت رول دینا...... ورنہ میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

☆......☆......☆

عزمی کو بستر پر کسی کروٹ چین نہیں آ رہا تھا۔ نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رہ رہ کر اسے شہنشاہ اور اس کے دوستوں کی وہ گفتگو یاد آ رہی تھی جو وہ اس کے متعلق کر رہے تھے۔

"یار! یہ متوسط گھرانے کی لڑکیوں کو پھانسنا کون سی مشکل بات ہے۔ دو چار چھوٹے موٹے تحائف اور چند محبت بھرے جملوں کے عوض لڑکی پٹ سے آپ کی جھولی میں آ کر گرتی ہے۔" کسی نے اپنا تجربہ بیان کیا۔

"ہاں مگر بے کار ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔ ایک دفعہ قربت کے بعد سے ہی شادی کرو، گھر والوں کو بھیجو۔ کی تکرار کرنے لگتی ہیں۔ پیچھا چھڑانا دوبھر ہو جاتا ہے پھر ہر وقت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کہیں کچھ "ایسا ویسا" نہ ہو جائے۔ دوستی و عارضی محبت کے لیے تو شادی شدہ عورتیں بے حد مناسب رہتی ہیں۔ میاں کے خرچے پر آپ کو "مزے" کراتی ہیں۔ کوئی خاص احتیاط کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، نہ وہ آپ کے پیچھے "شادی کرو" کا نعرہ لگاتی پھرتی ہیں بلکہ از خود محتاط رہتی ہیں کہ ان کے میاں کو کسی بات کا پتہ نہ چل جائے۔" شہنشاہ نے بے غیرتی سے کہا۔

"مگر ایسی شادی شدہ عورتیں، بہت کم ہوتی ہیں اور جو ہوتی ہیں وہ کسی شریف طبقے سے نہیں ہوا کرتیں پھر مس عزمی تو کافی سخت اور خاصی ریز روسی رہا کرتی ہے۔"

"نہیں شہنشاہ اس بار تمہارا انتخاب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" کسی نے کھل کر عزمی کی شرافت کو سراہا تھا

اور جواباً شہنشاہ کا قہقہہ دور تک سنائی دیا۔

''یار! تو بھی اناڑی ہے۔ یہ اپنی مس عزمی تو طلاق یافتہ عورت ہے اور طلاق شدہ عورت تو ویسے بھی چلتا پھرتا بارود ہوا کرتی ہے۔ صرف ہلکی سی چنگاری کی منتظر......! ذرا سی ہمدردی کرو اور بس......وہ آنسو بہاتی آپ کے بازوؤں میں ہوگی اور پھر جو مزاج یار میں آئے۔'' شہنشاہ کا قہقہہ تمام قہقہوں میں نمایاں تھا۔ ''بے بسی، حسرت و ناکامی اور بے چارگی و مظلومیت کا اشتہار بنی ایسی عورتیں صرف آپ کی چاہت اور ہمدردی کی تو طلب گار ہوتی ہیں......''

اس سے زیادہ سننے کی عزمی کے اندر تاب نہیں تھی۔ وہ تمام تر حوصلے یکجا کر کے باہر نکل آئی تھی اور اسے دیکھتے ہی شہنشاہ اور اس کے دوستوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ عزمی نے ایک اچٹتی سی نظر شہنشاہ پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس کا گلا دبا دے مگر پھر یہ سوچ کر اپنی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکی کہ کیچڑ میں ڈلا مارو تو چھینٹے خود پر ہی آتے ہیں۔

''سنیے مس عزمی......! آج تو گھر جانے میں بہت دیر ہوگئی آپ کو۔ آیئے میں ڈراپ کر دوں......'' شہنشاہ منافقت کا لبادہ اوڑھ کر اس کے پیچھے لپکا مگر عزمی سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی تھی۔

ایک طلاق یافتہ عورت کو معاشرے میں بری نظر سے دیکھا جاتا ہے، یہ تو عزمی کو معلوم تھا مگر اسے اتنا زیادہ برے سلوک کا مستحق سمجھا جاتا ہے یہ عزمی کو آج ہی معلوم ہوا تھا۔

کاش تیمور مل جائے، صرف ایک بار ہی سہی تو اس سے پوچھوں گی کہ معاشرے کی نظروں میں عزمی کو اتنا بے وقعت کر کے اسے کیا ملا؟ حالانکہ عزمی کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا......پھر بھی اسے اپنی صفائی کا موقع دیے بغیر مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سزا سنا دی گئی۔

اپنی بے بسی اور قسمت کی ستم ظریفی پر روتے ہوئے نجانے کب عزمی کی آنکھ لگ گئی لیکن اگلی صبح بیدار ہوتے ہی عزمی نے اپنا استعفیٰ لکھا اور کامران بھائی کے ہاتھ تھما دیا تاکہ وہ آفس جاتے ہوئے ڈرائیونگ سکول کے مالک کو دیتے جائیں۔

☆......☆......☆

تیمور کی چھٹی ختم ہونے میں بس ایک ہی ہفتہ باقی رہ گیا تھا اور ادھر لیزا کا مارکوس کے ساتھ ایگریمنٹ ختم ہونے میں کل بیس، بائیس دن باقی تھے۔ تیمور نے اپنے تئیں ساری منصوبہ بندی مکمل کر لی تھی اور انکل (پاپا) کی مدد سے ممی کو بھی اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ جیسے ہی لیزا کا مارکوس کے ساتھ ایگریمنٹ ختم ہوگا وہ تیمور کے نکاح میں آ جائے گی۔

''کیا وہ تمہاری خاطر اسلام قبول کر لے گی میرو؟'' ممی نے تیمور سے چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا اور تیمور نے بڑے اعتماد سے اثبات میں سر ہلا کر انہیں لاجواب کر دیا تھا۔ اگرچہ ابھی اس بارے میں اس کی لیزا سے کھل کر بات نہیں ہوئی تھی مگر نجانے کیوں اسے اپنی محبت پر بڑا اعتماد تھا اور اب طے یہی پایا تھا کہ تیمور اپنی جاب پر پاکستان چلا جائے اور بعد میں لیزا، میرو کے ممی اور پاپا کے ساتھ پاکستان پہنچ جائے گی جہاں اس کا نکاح اسلامی طور طریقوں کے مطابق تیمور کے ساتھ پڑھا دیا جائے گا اور وہ وہیں رک جائے گی جب کہ چھٹیاں گزار کر میرو کے ممی پاپا اور بہنیں واپس امریکہ آ جائیں گے۔

''پاپا! آپ جب پاکستان آئیں گے تو وہاں سے ہم اکٹھے پروگرام بنا کر شمالی علاقہ جات کی سیر کو بھی چلیں گے۔ سچ آپ اتنی حسین جگہ جا کر ایک دم خوش ہو جائیں گے۔'' تیمور شلوار قمیص میں ملبوس اس وقت سچا اور محب وطن پاکستانی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ان دنوں واقعی بے حد خوش تھا۔ لیزا کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور ہی اس کے لیے بے حد خوش کن تھا مگر جب یہ ساری پلاننگ اس نے لیزا کے گوش گزار کی تو وہ نجانے کیوں بجھ سی گئی۔ دونوں اس وقت ایک جھیل کے کنارے پتھر کے بینچ پر بیٹھے پانی میں تیرتے راج ہنسوں کو دیکھ رہے تھے اور لیزا حسب عادت خوب چہک رہی تھی۔ وہ بار بار حیلے بہانے سے تیمور پر جھک آتی مگر اس وقت خاصی سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''تم شاید اپنے ملک اور روایت چھوڑ دینے کے خیال سے افسردہ ہو۔'' تیمور نے پیار سے اس کے ماتھے پر آئی لٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''مگر بھئی! لڑکیوں کو تو شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر جانا ہی پڑتا ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

''ایسی بات نہیں ہے میرو!'' وہ اس لمحے خاصی الجھی ہوئی سی لگی۔ ''دراصل میں نے ابھی اس

بارے میں سوچا نہیں۔''

''تو اب سوچ لو......'' تیمور نے پیار سے درخواست کی۔

''ہاں......شاید......اب سوچنا ہی پڑے گا۔'' وہ خلاؤں میں گھورتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

''تم کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے؟'' تیمور نے پوچھا۔

''آں......نہیں۔'' وہ مسکرا دی۔

''تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟'' تیمور کو یاد آیا کہ پچھلے چند دنوں لیزا کو شدید الٹیاں لگی رہی تھیں اسی وجہ سے وہ اس وقت کافی کمزور لگ رہی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''دوبارہ ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟'' تیمور نے سوال کیا۔

''ہاں......اس نے کہا تھا کہ...... پریگنینسی کی ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے......!'' لیزا نے لاکٹ سے کھیلتے ہوئے عام سے انداز میں بتایا۔

''کک......کیا......؟؟ پریگ...... پریگنینسی......؟'' تیمور کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ

''لیزا......!'' اس نے لیزا کو کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف گھمایا۔ ''سچ کہو...... یہ ہمارا بچہ ناں......؟ ہمارے پیار کی نشانی......اوہ خدا......کتنا حیرت انگیز ہے یہ سب مجھے بہت خوشی ہے......'' وہ خوشی سے سچ مچ بے حال تھا۔

''تھینک یو لیزا......! کہ تمہاری بدولت مجھے باپ بننے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔'' ا مسرت سے بے قابو ہو کر جھٹ لیزا کی پیشانی چوم لی اور لیزا اسے اس طرح دیکھ کر حیران ہو رہی تھ

''دیکھو مجھے بیٹا چاہیے جو کہ بالکل میری کاربن کاپی ہو لیکن اگر بیٹی ہوگی تو وہ بھی چلے گی...... یہ کہ تمہاری ٹرو کاپی ہو......'' وہ جذبات سے مغلوب ہوا جا رہا تھا۔

''لیکن تمہارے مذہب کے مطابق ایسے بچے ناجائز شمار ہوتے ہیں ناں......اور معاشر

انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔'' لیزا طنز سے مسکرائی تو تیمور اسے گھور کر رہ گیا اور دھیرے سے بولا۔

''ہاں......مگر اس بچے کو میں اپنا نام دوں گا۔ معاشرے میں اس کی ایک واضح شناخت ہوگی۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے لیزا۔'' اس نے لیزا کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی۔

''مگر یہ بچہ مارکوس کا بھی تو ہو سکتا ہے، یہ بات تم کیوں بھول گئے؟'' لیزا کا لہجہ حد درجے سرد تھا۔

''نہیں......ایسا نہیں ہو سکتا...... کیوں کہ جب سے میں امریکہ آیا ہوں تمہارے اور مارکوس کے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں رہا تھا......'' اور لیزا اس کے حد درجہ اعتماد پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میں تمہیں بے حد خوش رکھوں گا لیزا......'' تیمور نے اس کے سرد ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیے۔

☆......☆......☆

عفی کی مٹھی میں ابھی تک وہ خط دبا ہوا تھا جو آج ہی اس کے گھر سے آیا تھا۔ اس خط میں جہاں شبو آپی کے نکاح و رخصتی کی خبر تھی وہیں نشو کا رشتہ عفی کے دوست حارث کے ساتھ طے پا جانے کی بھی نوید دی گئی تھی۔ شبو آپی کی بینک منیجر کے ساتھ نسبت طے ہونے اور دیگر مراحل خوش اسلوبی سے آگے بڑھنے کا تو اسے علم گھر والوں کے فون یا خطوط سے معلوم ہوتا ہی رہتا تھا۔ اور ان کی شادی کی اطلاع بھی مل چکی تھی بلکہ خالہ وغیرہ نے تو عفی کو شادی میں بلاوے کا خط بھی لکھا تھا مگر عفی اپنی سرکاری مصروفیات کی وجہ سے چھٹی نہیں لے سکا تھا۔ مگر نشو کا رشتہ حارث کے ساتھ اس قدر جلدی طے پایا جانے کی اسے امید نہیں تھی۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نشو اس رشتے کے لیے اتنی آسانی سے نہیں مانے گی پھر اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گیا؟ کیا نشو کی محبت واقعی ایک وقتی ابال تھا؟ یا بچپن کی دیگر حماقتوں کی طرح کی ہی ایک اور حماقت؟ یا وہ کسی بھی ہینڈسم مرد سے وقتی طور پر اپنے جذبہ محبت کی عارضی تسکین چاہتی تھی اور بد قسمتی سے اس مقصد کے لیے اس نے عفی کو چن لیا تھا۔ محبت کا وہ ڈھونگ محض دل لگی کے لیے تھا یا وقت گزاری کا ایک ذریعہ؟ لیکن واقعی نشو اس سے محبت کرتی تھی تو کیا وہ حارث کو پا کر واقعی عفی کو فراموش کر دے گی؟ وہ جو اپنی محبت کی یقین دہانی کے لیے قسمیں کھایا کرتی تھی......تو کیا وہ محض ایک فریب تھا؟

عفی کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا جب وہ بلوچستان کے لیے روانہ ہوا تو نشو اس روز کس بے قراری

کے عالم میں کسی جلے پاؤں کی بلی کی طرح اس کے (عفی کے) اردگرد گھوم رہی تھی اور تب ہی اس نے موقع دیکھ کر ڈیک آن کر دیا تھا۔

اگر تم مل جاؤ، زمانہ چھوڑ دیں گے ہم
تمہیں پا کر زمانے بھر سے، رشتہ توڑ لیں گے ہم

تصور خانم کی خوب صورت آواز دل کے نازک تاروں کو چھیڑ رہی تھی اور سب کے درمیان بیٹھے عفی نے کن اکھیوں سے لحہ بھر کے لیے نشو کی طرف دیکھا جو ایک طرف سب سے الگ تھلگ اپنے خیالوں میں گم، سخت اضطرابی کی کیفیت میں اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے اداسی بیٹھی تھی۔

تمہیں دل میں رکھیں گے
اپنی پلکوں میں چھپالیں گے......
اپنی پلکوں میں چھپالیں گے
تمہیں خوشبو سمجھ کے اپنی سانسوں میں بسالیں گے
قیامت تک نہ جو ٹوٹے وہ رشتہ جوڑ لیں گے ہم
نہ ہو تم جس میں شامل، وہ بہاریں ہم نہیں لیں گے
وہ بہاریں ہم نہیں لیں گے
جدا کیا کر سکیں گے مجھ کو تم سے یہ جہاں والے
محبت کی قسم تقدیر کا رخ موڑ لیں گے ہم

اچانک عفی کی نظریں اٹھیں تو نشو کو آنکھوں میں عزم لیے اپنی طرف تکتا پایا اور اگلے ہی لمحے اٹھ کر ایک جھٹکے سے ڈیک کا بٹن آف کر دیا۔

"پہلے ہی سر میں درد ہے، اوپر سے اتنا فضول سا سونگ کس نے لگا دیا؟" اس نے سب بوجھتے نشو کو سنایا حالانکہ یہ نغمہ خود عفی کو بھی کافی پسند تھا مگر وہ نشو کی حوصلہ شکنی چاہتا تھا اور نشو کا چہرہ دھواں سا ہو گیا تھا۔

اس وقت عفی کو گانے کے تو بول جوں کے توں یاد نہیں آ رہے تھے البتہ مفہوم ذہن نشین تھا اور اس کی خوب صورت طرز ذہن میں گونج رہی تھی اور وہ سارا منظر یاد آنے پر ایک عجیب سے کرب اور بے چینی کی لہر اس کے اندر اٹھی اور اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"تم خود بھی تو یہی چاہتے تھے ناں......! پھر آج یہ اضطراب کیوں؟" اس نے خود سے سوال کیا اور......اسے اپنے آپ سے جو جواب ملا تھا وہ اسے پہلے سے بھی بڑھ کر بے تاب کر گیا۔

"شاید......شاید وہ بھی غیر محسوس طریقے سے نشو کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا......" دل نشو کی پکار پر لبیک کہنے پر راضی تھا......عزمی جیسے ایک نشان بن کر ان کے بیچوں بیچ آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جیسے عزمی کے معاملے میں اپنے ضمیر کا قیدی ہو چکا تھا۔ تبھی اس نے نشو کی طرف سے اپنی آنکھیں موند لی تھیں اور اپنے اندر اٹھنے والے رنگ برنگے جذبوں کا سر کچل دیا تھا اور بظاہر سرد مہری کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر کسی کے ہاتھوں یوں چاہے جانے کے خوبصورت احساس سے ایک لمحے کو بھی اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا، اگرچہ حارث کا رشتہ تو اس نے نشو کے لیے بھجوا دیا مگر دل سے اس کی خواہش تھی کہ نشو اس رشتے کے لیے کبھی راضی نہ ہو کیوں کہ اس نے تو خود ہی اپنے خون سے لکھی تحریر میں یہ قسم کھائی تھی کہ وہ جیتے جی عفی کے سوا کسی اور کی نہیں ہو گی۔

"تو پھر یہ کیا ہے؟" اس نے سوچا۔

"اور اگر یہ سچ ہے تو پھر وہ کیا تھا......؟"

عفی یک دم ڈسٹرب سا ہو گیا تھا۔

"یہ خود غرضی ہے۔" اس کے اندر سے ایک آواز ابھری۔

پہلے کسی کے جذبوں کا مذاق اڑانا، انہیں نخوت سے اپنے پاؤں تلے روندنا اور پھر اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی کے پامال شدہ جذبوں کو تاج پہنا کر دل کی مسند پر جگہ دینا، وہ بھی اس وقت جب یہ جذبے کسی اور کی امانت ہو چکے ہوں......وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ عفی کا عزیز از جان دوست حارث......جس نے عفی کے کہنے پر ہی، اس کی خواہش کے احترام میں اپنے گھر والوں کو بصد اصرار نشو کے گھر بھیجا تھا اور عفی

پراعتماد کرتے ہوئے بغیر دیکھے بھالے نشو کو اپنے من کے سنگھاسن پر جگہ دے دی تھی تو پھر اب اسے ان خوشیوں سے محروم کر دینا کہاں کا انصاف تھا؟

''نہیں نہیں...... میں کل ہی حارث کو فون کر کے اس رشتے پر مبارکباد دوں گا۔'' اس نے تہیہ کیا۔

''آج کیوں نہیں؟'' اس کے اندر کی صدا میں طنز شامل تھا۔ ''آج......؟ نہیں آج نہیں...... آج کا دن تو خود کو سنبھالنے اور اپنی اس دیوانگی پر قابو پانے میں گزر جائے گا۔'' اس نے خود اپنے آگے اپنی مجبوری بیان کی۔ ''البتہ کل عزمی کے گھر بھی فون کروں گا۔'' اس نے سوچا۔

''ہاں تاکہ نشو کی کیفیت کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکوں کہ وہ آج کل ضبط کے کن مراحل سے گزر رہی ہے، تمہارے مریضِ عشق کو قرار آ چکا کہ نہیں۔'' اس کے ضمیر نے اسے آن گھیرا۔

''نہیں نہیں بلکہ اس لیے کہ شبو آپی کا فرض ادا ہونے پر کامران بھائی کو مبارکباد دے سکوں۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

''اور نشو کے قتل پر؟'' ضمیر عفی کا تھا لیکن وکالت نشو کی کر رہا تھا۔

''ہاں عفان احمد! تم قاتل ہو، ایک معصوم لڑکی کے دھنک رنگ جذبوں کے، اس کی امیدوں اور تمناؤں کے۔ تمہیں تو قرار واقعی سزا ملنا چاہیے۔''

''نہیں، نہیں...... وہ گڑگڑایا۔ ''میں تو...... میں تو......''

''صاحب! کھانا میز پر رکھ دوں......'' ملازم کی آواز پر عفی چونک اٹھا۔

''ہاں رکھ دو...... میں ابھی کھاتا ہوں......''

''صاحب! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' ملازم نے غور سے عفی کی سرخ آنکھوں اور سوئے ہوئے پپوٹوں کی طرف دیکھا۔

''آں ...... ہاں ...... ہاں ...... تم بس کھانے کے بعد ایک کپ چائے کے ساتھ دو ڈسپرین گولیاں لے آنا۔ ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔ بس......'' عفی سنبھل کر بولا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو...... خان جی! خیریت سے تو ہیں ناں آپ؟'' زرینہ نے زمانے بھر کی مٹھاس اپنے لہجے میں سمو کر سوال کیا۔

''ہاں...... زرینہ بی! تم سناؤ...... آج اتنے دن بعد ہمیں کیسے یاد کر لیا؟'' شوکت خان نے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ہمارے کان آپ کے بارے میں کیسی کیسی خبریں سن رہے ہیں آج کل؟ سچ خان جی! مجھے تو اتنی تشویش ہوئی...... آخر یہ کس قسم کا احتساب ہونے والا ہے آپ کا؟'' زرینہ نے لہجے کو حد درجہ فکر مند بنا لیا تھا۔

''ارے بس کیا بتائیں...... یہ نیب والے کچھ نہا دھو کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں...... چلو جانے دو۔ سیاست کی بساط پر تو یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔ کبھی شہ تو کبھی مات۔'' شوکت خان نے ازلی بے پروائی سے جواب دیا۔

''ہاں مگر سنا ہے کہ آپ کے اوپر کروڑوں روپے کی مالیت کے سرکاری پلاٹ اپنے پیاروں کو مفت یا کوڑیوں کے دام الاٹ کرانے کا الزام بھی ہے۔ اخبار والے اس سکینڈل کو آج کل خوب اچھال رہے ہیں۔ بس جی! اخبار والوں کو تو کوئی بات ملنا چاہیے خبر بنانے کو، لیکن آپ ان صحافیوں سے کوئی مک مکا کیوں نہیں کر لیتے آخر؟'' زرینہ صحافیوں کو بھی پولیس والوں کی کوئی قسم سمجھی تھی شاید۔

''اوئے کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا سب۔ یہ اپوزیشن والے تو یونہی کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں۔'' شوکت خان نے خود کو بے فکر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں خان جی! مجھے تو پتا ہے کہ سب خبریں جو آپ کے بارے میں چھپ رہی ہیں جھوٹا پروپیگنڈہ ہی ہیں ورنہ آپ اپنے پیاروں میں پلاٹ تقسیم کرتے اور اس موقع پر ہمیں بھول جاتے ناممکن......!'' زرینہ چالاکی سے بولی۔

''ارے زرینہ جی! یہ پلاٹ شلاٹ تو بہت معمولی چیز ہے۔ ہم نے تو دو کنال کی فرنشڈ کوٹھی خرید کر تمہارے نام لگا دی ہے۔ نئے ماڈل کی کار مع ڈرائیور لے کر دی ہوئی ہے......؟ اور بولو۔''

"جی خان جی......! عنایت ہے آپ کی۔ بس آج کل ذرا بچیاں دبئی سے شاپنگ کرنا چاہتی ہیں۔ میں کہہ رہی تھی کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اپنے شوکت خان صاحب ہیں ناں! عید کی شاپنگ ہم سب ان کے ساتھ دوبئی سے ہی کریں گے۔" زرینہ بڑے میٹھے انداز میں مکاری سے بولی۔

"ارے زرینہ جی! ذرا چھری تلے دم تو لو...... پہلے ہی احتساب کی زد پر ہوں۔ ذرا یہ معاملے ٹھنڈے پڑ جانے دو پھر چلیں گے دبئی بھی۔"

"ٹھیک ہے خان جی! آج تو میں نے اس لیے فون کیا تھا کہ اس "نئے بنڈل" کا کیا کرنا ہے؟ کیا خیال ہے؟ چاندرات کو آپ کے پاس اسے پہنچا دیا جائے۔ عید اچھی گزر جائے گی آپ کی۔ دیکھ لیں ہمیں آپ کا کتنا خیال ہے۔" زرینہ شوخی سے ہنسی۔

"ارے نہیں نہیں زرینہ جی! حالات ابھی موافق نہیں ہیں۔ پہلے ہی اس معاملے میں کافی بدنام ہوں۔ ایک اور موضوع لوگوں کے ہاتھ آ جائے گا۔ جیسے ہی خطرہ ٹلا...... میں خود رابطہ کرلوں گا۔ تمہیں کیا پتا ہم تو خود اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد کس قدر بے تاب ہیں، مگر اس چکر میں اس بری طرح پھنس چکے ہیں کہ احتیاط لازم ہے۔" شوکت خان نے بے بسی سے کہا۔

"سوچ لیجئے خان جی! اور بھی بہت امیدوار ہیں۔ قیمت بھی اچھی دے رہے ہیں۔ ایک تو اپنے ساتھ "کاکی" کو مہینے کے لیے بھوربن لے جانا چاہ رہا ہے مگر مجھے صرف آپ سے کیے وعدے کا پاس تھا۔" زرینہ اپنے کاروباری گر سے اچھی طرح واقف تھی۔

"اچھا......!" شوکت خان سوچ میں پڑ گیا۔ "چلو...... دیکھتا ہوں، کیا ہوسکتا ہے۔" اس نے کہا۔

☆......☆......☆

عینی نے اپنے سسرال والوں کی خاص بات نوٹ کی کہ جب بھی وہ اور ابرار کمرے میں تنہا ہوجا تو کوئی ان دیکھی آنکھ ان کا مکمل پہرہ دیا کرتی اور اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی گویا ابرار جیسے چوکنا گھبرایا گھبرایا سا رہا کرتا۔ وہ کبھی تنہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مخصوص حد سے آگے نہیں بڑھ اور یوں عینی ابھی تک کورے کاغذ کی مانند تھی۔

"بظاہر تو ماشاء اللہ صحت مند اور نارمل دکھائی دیتے ہیں پھر نجانے کیا وجہ ہے، اس طرح فاصلہ رکھنے کی۔" عینی الجھی سی جاتی۔

پھر ایک روز اس کی ساس نے یہ راز کھول ہی دیا۔

"بھئی رشتے داروں میں سو سجن سو دشمن ہوتے ہیں جب کہ ابرار میرا اتنا خوبرو، پڑھا لکھا اور لمبی چوڑی جائیداد کا مالک ہے۔ کئی گھرانے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑے تھے تاکہ اپنی پھوہڑ، کاہل اور بدصورت بیٹیاں اس کے متھے مار دیں مگر پھر جب یہاں دال نہ گلی تو انہوں نے حسد کے مارے جل بھن کر میرے بچے پر تعویذ کروا دیے بلکہ پورا کالا جادو کرایا گیا تاکہ ابرار اپنی بیوی کے قابل نہ رہے حالانکہ میرا بچہ بالکل صحت مند ہے مگر......" عینی کی ساس دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑنے لگیں اور پھر جھپٹ کر عینی کو اپنے سینے سے لگالیا۔

"تو فکر نہ کر میری بچی! میں نے بھی ایک کالے علم کی کاٹ و پلٹ کے ماہر عامل بنگالی بابے سے رابطہ کیا ہے اور اب صرف ایک ماہ کا علاج اور باقی رہ گیا ہے۔ پھر یہ مکمل طور پر تمہارا ہوگا۔" اور حیران و پریشان عینی محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ تب اس کی ساس رازداری سے اس کی طرف جھکتے ہوئے بولی۔

"عینی......! میری بات غور سے سنو۔ یہ بات جو ابھی میں نے تمہیں بتائی ہے، تمہارے اور میرے درمیان ایک راز ہے۔ اسے ابرار کا علاج مکمل ہونے تک کسی پر ظاہر مت ہونے دینا۔ کبھی تم میکے جا کر اپنی ماں کو اس بارے میں بتا دو، اس صورت میں تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔" عینی نے ساس سے وعدہ کرلیا کہ وہ اس معاملے کی کسی کو بھنک تک نہیں پڑنے دے گی اور میکے میں بھی حسب سابق "سب اچھا ہے" کی رپورٹ دیتی رہے گی۔

مگر اس وعدے کے باوجود اسے ساس کے اس "بیان" پر یقین نہیں آ رہا تھا جو وہ ابرار کے بارے میں عینی کے سامنے دے رہی تھی، کیونکہ عینی نے تو سن رکھا تھا کہ جو مرد عورت کے قابل نہ ہو وہ جذباتی طور پر بھی انتہائی سرد مہر ہوا کرتے ہیں۔ جب کہ ابرار تو اسے انتہائی گرم جوش اور جذبات سے بھرپور مرد لگا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں کئی بار ایک عجیب سے احساس کے تحت عینی کی آنکھ کھلی تو اس نے خود پر ابرار

کو جھکے ہوئے پایا تھا۔ اس کے ہر انداز میں انتہائی گرم جوشی اور وارفتگی ہوا کرتی۔ جب بھی وہ کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر عینی کا ہاتھ تھامتا تو عینی کو اس کے وجود سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی۔ وہ دیوانہ وار آگے بڑھتا اور جب جذبات اپنے بامِ عروج پر ہوتے تو نجانے کیوں ایک جھٹکے سے دور ہٹ جاتا۔ جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو، یا پھر عینی اس کے لیے کوئی شجرِ ممنوعہ ہو شدتِ ضبط کی وجہ سے اس کے جبڑے بھینچ جاتے اور آنکھیں سرخ پڑ جاتیں لیکن وہ عینی کو ایک طرف دھکیل کر اپنا رخ بدل لیتا اور منہ پر تکیہ ڈال کر پڑ جاتا۔

جانے کیا طلسم نگری ہے، یہاں کا ہر فرد عجیب وغریب عادتوں کا مالک ہے۔ عینی اکثر سوچا کرتی۔ ویسے تو سب عینی کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے، نوٹوں سے عینی کا پرس ہر وقت بھرا رہتا۔ ابرار اسے اکثر اس کے میکے ملوانے لے جاتا۔ اسے ہر طرح کی آزادی میسر تھی اسے۔ جب جہاں چاہے آ اور جا سکتی تھی۔ ایک سوزوکی گاڑی مع ڈرائیور ہر وقت عینی کے لیے حاضر رہتی۔ اس کی ساس، نندیں انتہائی مہنگے شاپنگ سینٹرز سے اسے شاپنگ کراتیں بلکہ ابرار تو اکثر اصرار کر کے میکے والوں کے لیے بھی تحفے تحائف خریدا کرتا۔

شبو آپی کے نکاح پر سب سے مہنگا تحفہ عینی کی ہی طرف سے تھا۔ عینی کی امی تو اسے دیکھ دیکھ کر خوش سے پھولی نہ سماتی تھیں۔ عینی کی سہیلیاں بھی اس کی خوش قسمتی پر رشک کیا کرتی تھیں مگر نجانے کیوں عین کو اپنے اندر کا اطمینان میسر نہ تھا۔ اسے اپنی سسرال کا ماحول بے حد عجیب وغریب لگا کرتا۔ جہاں اس ک جوان جہان نندیں گھر کا کام کاج کرنے کی بجائے ڈانس اور موویز کی سی ڈیز دیکھا کرتیں۔ اس کے بع استاد سے طبلے اور ہارمونیم کی سنگت میں گانا سیکھا کرتیں اور باقی وقت بیوٹی پارلرز یا شاپنگ سینٹرز می گزارا کرتیں جب کہ شام ہوتے گھر میں چہل پہل بڑھ جایا کرتی۔ اس کی نندیں یوں اہتمام سے تیار کرتیں جیسے کسی فنکشن پر مدعو ہوں اور پھر تیز میک اپ اور رنگین ملبوسات زیبِ تن کیے وہ خوشبوؤں بسیں ابرار کی خالہ کے ساتھ پیجارو میں بیٹھ کر نجانے کہاں چلی جاتیں، جہاں سے ان کی واپسی ش ڈھلے ہوا کرتی اور اس کی نندیں ایسی نڈھال ہوا کرتیں جیسے کسی نے ان کا سارا رس نچوڑ کر پھوک پھ

کر دیا ہو۔ میک اپ اترا ہوتا جیسے کئی بلیاں مل کر شکل چاٹ گئی ہوں۔

جانے کون سے فنکشنز تھے جو فقط رات کو ہی ہوا کرتے تھے اور جہاں صرف گھر کی جوان اور کنواری لڑکیاں ہی مدعو ہوا کرتی تھیں جو بن سنور کے بڑی خوشی سے باہر جایا کرتیں البتہ ان کے ساتھ سگریٹ پھونکتی ابرار کی خالہ ضرور ہوا کرتی تھی یا پھر وہ طبلے سارنگی والے مرد جو رشتے میں ابرار کے ماموں اور خالہ زاد ہوا کرتے اور بقول عینی کی ساس، فنکشن پر بطور فنکار بلائے جاتے تھے تا کہ اپنے فن کا مظاہرہ کر سکیں۔ کئی بار ابرار کی بہنیں کئی دنوں کے لیے گھر سے غائب رہتیں اور اس کی ساس بہانہ کرتی کہ سہیلیوں کے ساتھ مری گئی ہوئی ہیں۔ سارا دن گھر میں فون کی گھنٹی بجتی رہتی مگر عینی کو فون اٹھانا منع تھا۔ تمام فون کالز اس کی ساس اور ابرار کی خالہ ہی اٹینڈ کیا کرتیں البتہ عینی کے میکے سے فون ہوتا تو اسے بلوا دیا جاتا، اگرچہ گھر کے افراد روز ہی کسی نہ کسی فنکشن پر مدعو ہوتے مگر کبھی کسی نے عینی کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا۔

"کیا میری ساس، نندوں کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے یا پھر حد سے زیادہ ماڈرن لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ شاید ہماری اماں نے ہی ہمیں ساری عمر اس طرح اپنے پوٹے تلے دابے رکھا کہ زمانے کی ہوا ہی نہیں لگنے دی۔" عینی اپنی سوچوں میں الجھ کر رہ جاتی۔

ساس سے وعدے کے باوجود عینی، ابرار سے شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکی کہ اس نے اپنی زندگی کے اتنے اہم راز میں عینی کو شامل نہیں کیا تو کیا اسے عینی کے خلوص پر شبہ تھا؟ اور ابرار حیران رہ گیا۔

"کون سا راز؟" اور جواباً عینی نے اسے اپنی ساس کی کہی ہوئی وہ تمام بات سنا ڈالی جو اس نے ابرار سے متعلق کہی تھیں اور ابرار سوچ میں پڑ گیا۔

"تو یہ کہا گیا تم سے کہ مجھ پر کالا جادو اثر کر چکا ہے، جس کی وجہ سے میں تمہارے......اوہ! خدا" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور قدرے توقف کے بعد سر اٹھا کے عینی کی طرف دیکھا۔

"سنو عینی......! میں آج تمہارے آگے ایک اہم انکشاف کرنے والا ہوں۔ پلیز جب تک میں نہ کہوں اس بات کو کسی سے ڈسکس نہ کرنا، ورنہ میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی اور تمہاری عزت بھی

محفوظ نہیں رہ سکے گی۔"

عینی پوری طرح ہمہ تن گوش تھی۔ ابرار دبے قدموں اٹھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا...... پھر احتیاطاً بولٹ لگا کر واپس مڑا اور کھڑکی کے پاس جا کر پردہ سرکا کے ادھر ادھر دیکھا اور دوبارہ پردے برابر کرنے کے بعد عینی کے پاس آ بیٹھا۔

"عینی! غور سے سنو......" اس نے عینی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں کہا۔ "میں...... میں زرینہ عمران کا سگا بیٹا نہیں ہوں بلکہ اس گھر کے کسی بھی فرد سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ میں بے روزگاری کے سبب ان لوگوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچنے پر مجبور ہوں۔ مجھے آلہ کار بنا کر ان لوگوں نے کئی جگہ میرا نکاح کیا اور غریب گھروں کی لڑکیاں یہاں لا کر ان کو عصمت فروشی کے دھندے پر لگا دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ وہ لڑکیاں بیرون ملک سپلائی کر دیا کرتے ہیں جہاں وہ مجبوراً ان لوگوں کے لیے اپنا جسم بیچ کر ڈالرز کمانے پر مجبور ہوتی ہیں جب کہ ان کے گھر والے سمجھتے ہیں کہ ان کی بیٹیاں بیرون ملک ا شوہر کے ہمراہ عیش و آرام کی زندگی گزار رہی ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ...... تم بھی ان لوگوں کا تازہ شکا ہو۔"

"کیا......؟" دہشت کے مارے عینی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"گھبراؤ نہیں...... تم قانوناً اور شریعت کے لحاظ سے میری بیوی ہو اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ ہے کہ میں ان لوگوں کے ہاتھوں مزید کھلونا نہیں بنوں گا...... مگر یہ بہت خطرناک گینگ ہے جس کی پش پناہی بدچلن سیاست دان، حکومتی کارندے اور پولیس افسران کر رہے ہیں مگر یہ صرف چند لوگ ہی ہیں جو جل کر یہ "سیاہ دھندا" چلا رہے ہیں اور میں نے ٹھان لی ہے کہ اب ان لوگوں کا ساتھ نہیں دوں گا بلکہ انہ پوری طرح بے نقاب کر کے رہوں گا۔"

"مگر کیسے......؟" عینی ابھی تک خوف زدہ تھی۔

"ادھر آؤ بتاؤں......"

ابرار نے اسے پاس آنے کا اشارہ کیا اور عینی کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کچھ بتانے لگا۔

اثناء میں ان کے بیڈروم کا دروازہ زور سے پیٹا جانے لگا اور عینی دہشت زدہ ہو کر اچھل پڑی۔

☆......☆......☆

اپنے پاکستان آنے کی اطلاع تیمور اپنے وفادار ملازم رحیم بخش کو پہلے ہی دے چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچا تو تیمور کا ڈرائیور اسے ریسیو کرنے وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اسلام آباد کا موسم کافی خوشگوار تھا اور تیمور کا مزاج بھی۔ چنانچہ وہ جیسے ہی گاڑی سے اتر کر گھر میں داخل ہوا تو رحیم بخش یہ دیکھ کر کافی خوش ہوا کہ تیمور کی صحت پہلے کے مقابلے میں کافی بہتر ہو چکی تھی۔ امریکہ کی آب و ہوا شاید اسے کافی راس آ چکی تھی اور اس کے مزاج کی فطری شوخی بھی لوٹ آئی تھی۔

"کیوں بھئی رحیم بخش! کیسا وقت گزرا ہمارے پیچھے؟ ٹھیک تو رہے ناں؟" تیمور نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

"جی صاحب! اللہ کا شکر ہے، ہر طرح سے خیریت رہی مگر آپ کے بغیر گھر کافی سونا سا لگتا تھا۔" رحیم بخش نے اطمینان سے جواب دیا۔

"چلو اب میں واپس آ گیا ہوں تو گھر کا سونا پن خود بخود دور ہو جائے گا...... جو کمی باقی رہ جائے گی وہ عنقریب تمہاری بیگم صاحبہ کے آنے سے پوری ہو جائے گی۔" تیمور نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سچ صاحب......! کیا عزمی بی بی واپس آ رہی ہیں؟" رحیم بخش واقعی خوشی کے مارے پھولے نہ سمایا۔ مگر اگلے ہی لمحے تیمور کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

"نہیں رحیم بخش! میں تمہاری ہونے والی نئی بیگم صاحبہ کی بات کر رہا تھا۔"

اس نے جھک کر بوٹ اتارتے ہوئے دھیرے سے کہا اور اس بار رحیم بخش بجھ سا گیا۔

"مبارک ہو صاحب! آپکو۔" وہ بے دلی سے کہہ کر تیمور کے اتارے ہوئے بوٹ اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

جتنی دیر میں تیمور واش روم سے فریش ہو کر باہر آیا...... رحیم بخش ٹیبل پر کھانا لگا چکا تھا۔

"صاحب! کھانا لگا دیا ہے۔" اس نے دروازے پر Knock کر کے اطلاع دی۔

"بس میں ابھی آیا رحیم بخش!" تیمور اسے جواب دے کر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے آیا تا کہ بالوں میں برش کر سکے اور جیسے ہی ہیئر برش کی سمت ہاتھ بڑھایا پاس ہی پڑی کانچ کی چوڑیاں دیکھ کر چونک پڑا جو تب سے شاید جوں کی توں یہاں پڑی تھیں۔ انہیں صفائی کے دوران کبھی رحیم بخش نے بھی نہیں ہلایا تھا۔

تیمور نے لاشعوری طور پر ہاتھ بڑھا کر وہ چوڑیاں اٹھالیں۔ یک دم نجانے کیوں اسے لگا کہ جیسے اس نے عزمی کی چوڑیوں بھری کلائی تھام لی ہو۔ اس نے گھبرا کر چوڑیاں ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ جیسے یہ چوڑیاں نہ ہوں دہکتے ہوئے انگارے ہوں۔ تمام چوڑیاں اس کے قدموں کے آس پاس گر کر بکھر گئیں مگر شکر ہوا کہ دبیز قالین بچھا ہوا ہونے کی وجہ سے ٹوٹنے سے محفوظ رہیں۔

"رحیم بخش......رحیم بخش......" تیمور نے چلا کر اسے پکارا۔

"جی صاحب......!" رحیم بخش گھبرا کے دوڑ آیا۔

"رحیم بخش! یہ چوڑیاں اٹھا کے فوراً یہاں سے غائب کر دو، ابھی فوراً......اسی وقت۔" تیمور سخت لہجے میں حکم دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"صاحب......! کیا کچھ غائب کرائیں گے......! یہاں تو ہر قدم پر عزمی بی بی کی یادیں بکھری ہیں۔" رحیم بخش نے قالین پر بیٹھ کے عزمی کی چوڑیاں سمیٹتے ہوئے سوچا۔

طویل چھٹیوں کے بعد تیمور کا آفس ورک کافی جمع ہو چکا تھا لہٰذا وہ پاکستان آتے ہی آفس کے کاموں میں بے تحاشا مصروف ہو گیا تھا۔ دن ڈھلے شدید تھکان کے ساتھ وہ جیسے ہی اپنے گھر میں داخل ہوتا، عزمی کی یادیں اسے چاروں اطراف گھیر لیتیں۔

"کیا مصیبت ہے......؟" تیمور الجھ سا جاتا۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بہت جلد اپنا تبادلہ دوسرے بڑے شہر کی برانچ میں کروالے گا تا کہ اس اذیت سے چھٹکارا ملے۔

☆......☆......☆

"ہیلو......" عفی نے ایک روز یونہی بیٹھے بٹھائے خالہ کے گھر کا نمبر ڈائل کر لیا۔ شبو آپی کی شادی

مبارکباد پلس نشو کے رشتے کی مبارک بھی ڈیو تھی۔ سو، سوچا تھا کہ لگے ہاتھوں آج مبارکباد دے ہی دی جائے۔

"ہیلو......" دوسری طرف سے نشو نے ریسیور اٹھایا تھا۔

اور عفی چپ رہ گیا۔ جیسے یک دم ہی اپنی قوت گویائی کھو چکا ہو۔

"ہیلو......!" نشو کی رسیلی آواز ماؤتھ پیس پر دوبارہ گونجی۔

اور پل بھر کے لیے دوسری جانب سناٹا چھا گیا جس طرح کوئی اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانا چاہ رہا ہو۔

"ہیلو......" عفی نے دوبارہ کہا۔

"جی......گھر پر میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ نمرہ کے کالج میں کوئی فنکشن تھا، وہ ادھر گئی ہے۔ کامران بھائی ابھی آفس سے نہیں لوٹے اور امی اور عزمی باجی بازار گئی ہوئی ہیں۔" اس نے دھیرے سے تفصیل بتائی۔

"اچھا ایسا کرو بھابی سے ہی بات کرا دو۔" عفی بولا۔

"سوری......! دراصل بھابی ان دنوں اپنے میکے گئی ہوئی ہیں۔" نشو نے دھیرے سے جواب دیا۔

"خیریت تو ہے ناں؟" عفی نے چونک کر سوال کیا۔

"ہاں......وہ دراصل......کامران بھائی کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔" نشو نے قدرے جھجک کر اطلاع دی۔

"واؤ......زبردست نیوز ہے یہ تو۔ اچھا تم ایسا کرو کہ خالہ اور کامران بھائی کو میری جانب سے شبو آپی کی بہت بہت مبارکباد دینا۔ ویسے شبو آپی خوش تو ہیں ناں؟" عفی نے پوچھا۔

"ہاں......بہت......" نشو نے جواب دیا۔

"گڈ......!" عفی بولا۔

"اچھا اور سنو......کامران بھائی اور بھابی کو ہمیں نئے سال کا تحفہ بھتیجے کی شکل میں دینے پر شکریہ اور

مبارکباد کہنا اور عزمی ٹھیک ہے؟'' اچانک عفی کو عزمی کا خیال آیا۔

''جی سب ٹھیک ہیں۔'' نشو نے مختصراً بتایا۔

''اور...... تم......؟ میرا مطلب ہے...... تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہارا رشتہ حارث کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔'' عفی نجانے کیا جاننا چاہ رہا تھا اور دوسری طرف نشو کی زہر آلود ہنسی سنائی دی۔

''جی عفی بھائی! مجھے پتا ہے کہ میرا رشتہ آپ کے قریبی دوستی کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔''

''تم خوش تو ہوں ناں نشو......؟'' عفی دل میں مچلتا سوال زباں پر لے آیا۔

''میں...... ہاں......'' وہ پھر ہنسی۔ اس ہنسی میں شاید آنسوؤں کی لرزش تھی۔ ''میں بہت خوش ہوں...... کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ بھی میرے اس اقدام سے خوش ہوں گے۔ یہی چاہتے تھے ناں آپ بھی؟''

''اگر تم دل سے ایسا نہیں چاہتی تھیں تو منع کر دیا ہوتا اس رشتے کے لیے......'' عفی جانے کیا جتانا چاہ رہا تھا اسے۔

''زندگی میں آپ کی طرف سے مجھے پہلا تحفہ ملا، وہ بھی حارث کی شکل میں...... پھر کیسے ٹھکرا دیتی اسے؟ آپ نہیں سمجھیں گے عفی...... بھا...... ئی......! بھلا کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ آپ یہ سب کچھ.. آپ نے تو شاید کسی سے محبت کی ہی نہیں کبھی۔ آپ نہیں جان سکتے کہ انسان کے اندر اٹھنے والا یہ طوفان کس طرح ایک سیکنڈ کے اندر دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر دیتا ہے۔''

''ایسا مت کہو نشو......!'' عفی بے تاب ہو کر بولا۔

''تم بھی شاید میرے دل کی کیفیت سے ناواقف ہی رہو گی...... شاید اگر میری کچھ مجبوریاں اور ذمہ داریاں میرا راستہ نہ روکے ہوئے ہوتیں تو تب تمہیں بتاتا کہ تم میرے لیے کیا ہو۔'' عفی بولا تو اسے ہی آواز اجنبی سی لگی۔

''پلیز...... مجھے بتا دیں...... میں آج وہ سب سننا چاہتی ہوں جو آپ مجھے نہیں کہہ پائے پلیز بولیے......'' نشو بے چینی سے بولی۔

''نہیں...... اس کا وقت نہیں آیا ابھی......'' عفی خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

''تو پھر اس کا وقت کب آئے گا؟'' نشو نے جلدی سے سوال کیا۔

''شاید اب کبھی نہیں......!'' عفی نے جواب دے کر فون رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کے بیٹھ گیا۔

''یا اللہ......! مجھے اب صبر و استقامت عطا فرما۔'' اس نے صدق دل سے دعا مانگی۔

☆......☆......☆

عینی کی والدہ کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے ابرار، عینی کو ضروری سامان کے ساتھ اس کے میکے چھوڑ گیا اور خود عفی کو فون کر کے تمام حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ عفی نے کامران بھائی اور احمر کو تمام حالات سے فون پر آگاہ کیا۔ عینی نے ابرار کی حمایت اور بیان کی تصدیق کی پھر عفی اور کامران بھائی نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اور بہت منظم طریقے سے زرینہ بائی اور دیگر کارندوں پر مشتمل گینگ کو چھاپہ مار کر رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا۔

ابرار چوں کہ وعدہ معاف گواہ بن چکا تھا اور اسی کی مدد سے اس گینگ کے سرغنہ پکڑے گئے تھے چنانچہ اس پر کسی قسم کی آنچ نہیں آئی۔ بعد میں وہ عینی کو ساتھ لے کر کمپنی کے معاہدے پر شارجہ چلا گیا۔ ابرار کا تعلق ایک بے حد غریب فیملی سے تھا۔ اس کی ماں عینی جیسی اچھی بہو پا کر بے حد خوش تھی اور عینی کے گھر والوں کو دعائیں دیتی نہ تھکتی تھی، جن کی کوششوں سے اس کے بیٹے کا مستقبل محفوظ ہو گیا تھا۔ ان دنوں عینی اور ابرار شارجہ میں خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

شبو آپی اپنے گھر میں بے حد خوش تھیں اور ان دنوں ماں بننے کی تیاری میں مصروف ہو چکی تھیں۔

احمر اور رومیلہ کی شادی اس سال دسمبر میں ہونا قرار پائی تھی اور عفی کا پلان تھا کہ وہ احمر کی شادی کے انتظامات کے لیے کم از کم پندرہ بیس دن کی چھٹی تو ضرور اپلائی کرے گا تاکہ دل کھول کے خوشیاں منا سکے۔

ادھر سیاسی بساط پلٹ چکی تھی...... اور شوکت خان اپنے اوپر مقدمات اور گرفتاری سے بچنے کے لیے

بیرون ملک بھاگنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا جب کہ اس کا بیٹا ضمیر خان نمرہ کی جدائی کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ وہ دل کی خواہش کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو چکا تھا کہ نمرہ کی قربت کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمانے کے لیے تیار تھا جب سے اس کی بدلتی ہوئی کیفیت چھپی نہ رہ سکی......تو اس نے اپنا دل کھول کر بیگم سلمیٰ شوکت کے آگے رکھ دیا اور شوکت خان کے شدید اعتراض کے باوجود وہ اپنے بیٹے کی خواہش پر نمرہ کا ہاتھ مانگنے کامران بھائی کے پاس گئی تھی مگر ضمیر خان کے باپ کی بری شہرت اور خود ضمیر خان اس ناکامی پر اک ان دیکھی آگ میں سلگنے لگا۔

"ذرا حالات بہتر ہو جائیں اور ہم دوبارہ حکومت میں آ جائیں تو پھر میں تجھے یہ لڑکی ویسے ہی منگوا دوں گا۔" شوکت خان نے بیٹے کو بے غیرتی سے مشورہ دیا۔

"میں اس وقت تک صبر نہیں کر سکتا۔" ضمیر خان بھی اسی کا بیٹا تھا، سوکھٹ سے جواب دیا۔

☆......☆......☆

تیمور ان دنوں مینٹلی طور پر بے حد ڈسٹرب تھا۔ ابھی پچھلے دنوں ممی سے فون پر اس کی بات ہوئی تو ممی نے بتایا تھا کہ وہ اس کے پاپا (انکل) عنقریب پاکستان آنے والے ہیں۔

"اور لیزا......؟ اس کا کیا پروگرام ہے۔" تیمور نے بے تابی سے پوچھا تو ممی یک دم خاموش ہو گئی تھیں۔

"بولیے ناں ممی......!" تیمور نے بے تابی سے پوچھا۔

"بیٹا! اس نے اپنا پروگرام بدل لیا ہے۔ مارکوس سے ایگریمنٹ ختم ہونے کے بعد نجانے کیا ہوا کہ اس نے مارکوس سے ہی باضابطہ طور پر شادی کر لی اور اس کے ساتھ شکاگو چلی گئی۔"

"امپاسیبل۔" تیمور نے تکیے پر گھونسا مارا۔

"یہ حقیقت ہے میرو!" ممی نے اسے یقین دلایا۔ "میں آ رہی ہوں پاکستان......پھر سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ افسوس کہ تم لیزا کے چکر میں پڑ کر عزمی جیسے ہیرے کی قدر نہ کر سکے۔" ممی کے لہجے میں پوشیدہ دکھ تیمور سے چھپا نہ رہ سکا۔ ممی اور بھی نجانے کیا کچھ کہتی رہیں مگر تیمور اپنے ہوش و حواس میں

ہی کب تھا جو توجہ سے سنتا۔ بس ہوں ہاں کہتا رہا۔

اس کے بعد سے تیمور بالکل بجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ایک روز رحیم بخش کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"صاحب......! ایک بات کہوں......اگر برا محسوس نہ کریں تو......؟"

"ہاں......بولو......" تیمور نے بے دلی سے کہا۔

"آپ......کوئی ایسا راستہ کیوں نہیں نکالتے جو عزمی بی بی تک جاتا ہو۔ وہی آپ کا صحیح خیال رکھ سکتی ہیں۔" اور تیمور چونک گیا۔

"شاید اب ایسا ممکن نہیں رہا رحیم بخش......!"

"پھر بھی کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" رحیم بخش بولا اور تیمور ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گیا۔

زیادہ کوفت تیمور کو اس روز ہوئی جب اسے کمپنی کی طرف سے ایک کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے ملتان جانے کا سندیسہ ملا۔ ملتان عزمی کا شہر تھا اور اسی وجہ سے تیمور وہاں جانے سے جھجک رہا تھا کہ اگر کبھی بائی چانس کسی راستے پر عزمی سے آمنا سامنا ہو گیا تو......! تب تیمور کیا کرے گا؟ یہی سوچ کر وہ گھبرا رہا تھا۔ عزمی کا سامنا کرنے کا اس میں اب حوصلہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

وقت گزاری کے لیے عزمی نے شہر کے مشہور بیوٹی پارلر سے ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد اپنا بیوٹی پارلر کھول لیا تھا اور آج کل چونکہ شادیوں کا سیزن تھا اس لیے اس کے پاس کافی رش رہا کرتا تھا۔ یہ پارلر گھر کے ہی ایک حصے میں کھولا گیا تھا اس لیے فراغت میں بھابی اور نمرہ اور نشو بھی عزمی کا ہاتھ بٹا دیا کرتی تھیں۔ عزمی نے انہیں بھی کافی کچھ سکھا دیا تھا۔

اگرچہ عزمی کے لیے بھابی کے دور پار کے رشتے داروں سے ایک دو پیغامات بھی آئے مگر عزمی نے صاف انکار کر دیا کہ وہ دوبارہ کسی تجربے سے نہیں گزرنا چاہتی۔

☆......☆......☆

نمرہ کے ان دنوں فائنل ایگزام ہو رہے تھے، اس روز جونہی وہ پرچہ دے کر امتحانی مرکز سے باہر نکلی تو ضمیر خان اپنی سیاہ مرسڈیز میں اس کا منتظر تھا۔ اس سے پہلے کہ نمرہ اس موٹر رکشے کی طرف قدم بڑھاتی جو اسے گھر سے امتحانی مرکز تک پرچوں کے دوران لانے اور لے جانے کے لیے کامران بھائی نے لگوا کر دیا تھا، ضمیر خان نے اسے پکار لیا۔

"اے بلیک چادر والی...... سنو......" اور نمرہ نے چونک کر ادھر دیکھا چونکہ اس وقت یہاں کالی چادر صرف وہی اوڑھے ہوئے تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی نمرہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اس نے رخ بدل کر قدم آگے بڑھائے اور ضمیر خان کار سے اتر کر اس کے پیچھے لپکا۔

"سنو......!" وہ اس کے قریب پہنچ کر سامنے آ گیا۔

نمرہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ دور دور سے کئی لڑکیاں کن اکھیوں سے ادھر دیکھ کر زیر لب مسکرا رہی تھیں۔ شاید وہ ضمیر خان کو نمرہ کا منگیتر یا دوست قسم کی کوئی چیز سمجھ رہی تھیں۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ سب اپنے آپ میں مگن تھے اور نمرہ کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا مگر اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سب اسے ہی دیکھ رہے ہیں۔

"راستہ چھوڑو میرا...... مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ غرائی۔

"ہرگز نہیں...... تمہیں پہلے میری بات سننا ہو گی۔" وہ ضد سے بولا۔

"سمجھا کرو...... سب دیکھ رہے ہیں...... مجھے جانے دو۔" نمرہ نے دھیرے سے کہا۔

"چلی جانا، صرف ایک بات سن لو۔" ضمیر خان مسکرایا۔

نمرہ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ بلیک پینٹ اور نیلی سفید دھاری دار شرٹ میں ملبوس آنکھوں پر سن گلاسز لگائے وہ اتنا برا نہیں لگ رہا تھا کہ اسے یکسر نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس کے وجود سے پرفیوم کی ہلکی سی مہک پھوٹ رہی تھی اور وہ سینے پر دونوں ہاتھ لپیٹے اس کی طرف متوجہ تھا۔

"اچھا کہو...... مگر جلدی۔" نمرہ نے گویا ہار مان لی۔

"اوں ہوں...... یہاں نہیں، میرے ساتھ چلو...... پلیز......"

"ایسا نہیں ہو سکتا...... میرا راستہ چھوڑو۔" نمرہ نے قطعی طور پر انکار کر دیا۔

"پلیز مجھے غلط مت سمجھو...... بس تھوڑی دیر کے لیے...... ساتھ چلو۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری حرمت پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔" وہ بضد ہو گیا۔

"کہا ناں کہ نہیں جا سکتی۔ ہٹو میرے راستے سے۔" نمرہ نے سختی سے کہا تو ضمیر خان نے آگے بڑھ کر غیر محسوس طریقے سے پینٹ کی جیب سے پستول نکال کر نمرہ کی پسلیوں سے لگا دیا مگر بظاہر انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ اپنی ناراض محبوبہ کو منانے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہے۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ کر کے نمرہ کچھ بدحواس سی ہو گئی۔

"چلو آگے......" ضمیر خان نے سختی سے سرگوشی میں اسے حکم دیا اور ناچار اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نمرہ نے اس کی کار کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ اس کی طرف کے دروازے کا لاک لگا کر ضمیر خان نے دوسری طرف سے جلدی سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور جلدی سے گاڑی آگے بڑھا کر نمرہ کے رکشے کے قریب روک دی۔ جس کا ڈرائیور آنکھوں میں حیرت لیے نمرہ کو کار میں بیٹھے دیکھ رہا تھا۔

"سنو بھائی......!" اس نے رکشے والے کو مخاطب کیا۔

"آج ان بی بی کو میں خود گھر چھوڑ دوں گا۔ یہ میرے چچا کی بیٹی اور منگیتر بھی ہیں۔ تم جا سکتے ہو شاباش...... اور ہاں یہ رکھ لو۔" اس نے والٹ کھول کر سو روپے کا کڑکڑاتا نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھایا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ان سے روزانہ آنے جانے کا کرایہ طے ہے۔" رکشے والے نے جواب دیا اور نمرہ کی سمت دیکھا۔ "بی بی! کل کس وقت پرچہ ہے آپ کا؟" اس نے نمرہ سے براہ راست پوچھا۔

"آج والے ٹائم پر ہی آ جانا۔" نمرہ نے دھیرے سے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی ضمیر خان نے گاڑی زن سے آگے بڑھا دی اور مختلف شاہراہوں سے گزرتی یہ کار بالآخر ایمن ہاؤس کے کمپاؤنڈ میں جا رکی۔

"اوشیدے......! ڈرائنگ روم کھولو۔" ضمیر خان نے کار سے اترتے ہی کسی کو پکارا اور کسی نے جھٹ سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ کوٹھی ایک غیر آباد علاقے میں تھی اور بالکل خالی پڑی تھی۔ اس ملازم کے علاوہ جسے ضمیر خان نے پکارا تھا شاید یہاں کوئی اور نہیں تھا۔

"آؤ......" اس نے نمرہ کا ہاتھ تھاما اور وہ لرز گئی۔

"نہیں...... نہیں...... میں اندر نہیں جاؤں گی۔ تم جانتے نہیں میرے گھر والوں کو...... وہ میری تلاش میں چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ تمہیں اس حرکت کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" نمرہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"پاگل مت بنو۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا جو تم سمجھ رہی ہو۔ صرف دو گھڑی اطمینان سے بیٹھ کر میری ایک بات سن لو...... پھر میں خود تمہیں جہاں کہو گی واپس چھوڑ آؤں گا۔" اور نمرہ گھبرا کے رونے لگی...... مگر اس کی بات ماننے کے سوا کچھ چارہ بھی نہیں تھا۔ سو مرتی کیا نہ کرتی، آگے بڑھ آئی۔

"کیا پیو گی...... چائے یا ٹھنڈا......؟"

"چائے۔" نمرہ نے کہا۔ ٹھنڈے میں تو خدشہ تھا کہ پیپسی کے بہانے کچھ اور نہ پلا دیا جائے۔

کچھ دیر بعد چائے ہلکے پھلکے لوازمات کے ساتھ آ گئی۔ اس دوران سامنے والے صوفے پر بیٹھا ضمیر خان، نمرہ کو اپنی محبت کا یقین دلاتا رہا تھا اور اسے رضامند کرنا چاہتا تھا کہ اگر اس بار ضمیر خان اپنی والدہ نمرہ کے رشتے کے لیے بھجوائے تو نمرہ اس رشتے کو فیور دے تا کہ اس کی شادی ضمیر خان کے ساتھ ہو سکے۔

اس کے بعد یقین دہانی کراتا رہا کہ وہ نمرہ کو بے حد خوش رکھے گا اور اپنی لمبی چوڑی جائیداد بھی اس کے نام کر دے گا اور نمرہ بس سر ہلاتی رہی۔ چائے ختم کرتے ہی ضمیر خان اٹھ گیا۔

"آؤ چلیں...... تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اس وقت وہ نمرہ کو بالکل بھی برا نہیں لگا تھا اور تبھی پورچ میں کسی گاڑی کے

کی آواز سنائی دی اور ضمیر خان چونک کر ٹھٹک گیا...... پھر اس نے کھڑکی کا پردہ اٹھا کر باہر جھانکا اور گھبرا کے نمرہ سے مخاطب ہوا۔

"میرے کچھ دوست آ گئے ہیں۔ تم ایسا کرو جلدی سے کہیں چھپ جاؤ۔ میں انہیں جلدی ہی چلتا کرنے کی کوشش کرتا ہوں...... ادھر اس طرف آ جاؤ......" ضمیر خان نے لوہے کی وارڈروب کی آڑ کی طرف اشارہ کیا جہاں نسبتاً کچھ اندھیرا تھا اور نمرہ وہاں چھپ کر کھڑی ہو گئی۔

"اخاہ...... یار! بڑے تیار شیار ہو...... کہیں جانا ہے کیا؟"

"نہیں...... بس ایسے ہی۔" ضمیر خان نے جواب دیا۔

"آج پینے شینے کا موڈ تھا...... میں نے سوچا چلو ضمیرے کے ساتھ چل کر موج میلہ کرتے ہیں۔ گھر فون کیا تو وہاں تو ملا نہیں، مجھے پتہ تھا ادھر ہی آیا ہوگا۔"

ضمیر خان کے تین چار دوست بے تکلفی سے وہسکی کھول کر صوفوں پر بیٹھ گئے اور رشیدے کو گلاس لانے کا آرڈر دیا۔

"میرا خیال ہے آج مجھے ذرا جلدی ہے...... پھر کبھی سہی۔" ضمیر خان نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"جلدی کس بات کی ہے؟ ذرا سی چسکی تو لگانے دے یار!" کسی نے کہا۔

"ذرا میں ہاتھ دھو آؤں......" کسی کی آواز آئی اور نمرہ اندر سے لرز اٹھی۔ واش روم اسی طرف تھا جہاں وہ چھپی کھڑی تھی۔

"نن...... نہیں...... ٹھہرو۔ ادھر چلے جاؤ۔" ضمیر خان نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"او...... ہوو......!" ہاتھ دھونے کے لیے جانے والا الماری کی آڑ میں چھپی نمرہ پر نظر ڈالتے ہی چونک پڑا۔ "تو یہ عیش ہو رہے تھے آج اکیلے اکیلے......"

باقی تینوں دوست بھی پہلے کی آواز پر نمرہ کے سامنے پہنچ گئے اور غلیظ نظروں سے نمرہ کا جائزہ لینے لگے۔

"نہیں، نہیں تم غلط سمجھے ہو۔" ضمیر خان چلایا۔

''اب ہی تو ٹھیک سمجھے ہیں پیارے......!''ضمیر خان کا دوست ہنسا۔

''ادھر آ جاؤ میری بلبل! ہم بھی کوئی اتنے برے نہیں۔''اس کے ایک دوست نے نمرہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''آج ایمان سے ،بہت موڈ تھا شکار کا......اور تو نے اہتمام بھی کر ڈالا......یار! ہو تو تجھ جیسا۔ضمیر خان زندہ باد۔''دوسرے دوست نے بھی نعرہ مارا۔

''نہیں ،نہیں چھوڑ دو اسے۔''ضمیر خان نے سخت لہجے میں تنبیہہ کی...... جب کہ نمرہ دہشت سے سفید پڑ چکی تھی۔

''ارے کیوں نہیں نہیں......آج تک جو ملا ہم سب نے مل بانٹ کر کھایا ہے......پھر آج یہ گریز کیسا......؟''اس کے دوست نے نمرہ کا بازو مروڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

''میں کہتا ہوں چھوڑ دو اسے۔یہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔''ضمیر خان نے اپنا پستول نکال لیا۔

''چل یار! مذاق بند کر......اور وہسکی ڈال گلاس میں......''اس کے دوست نے ضمیر خان کو حکم دیا اور خود نمرہ پر جھکنے لگا۔

اس کے باقی دوست بھی اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالنے کو بے تاب تھے اور ضمیر خان نے جھنجھلا کر گولی چلا دی۔یہ گولی اس لڑکے کے بازو میں لگی جو نمرہ کو تھامے ہوئے تھا۔گولی لگتے ہی اس کے بازو سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا اور نمرہ اس کی گرفت سے نکل گئی۔

''خبردار! جو کسی نے اب اسے ہاتھ لگایا۔''ضمیر خان غرایا۔

''سنو نمرہ! تم باہر بھاگ جاؤ......جلدی کرو۔''

اور نمرہ دوپٹہ سنبھال کر باہر کو بھاگی جب کہ ضمیر خان کے ایک دوست نے موقع پا کر کک ماری۔ پستول ضمیر خان کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری اور اس کے بعد اس کے دوست اس پر پل پڑے۔

☆......☆......☆

موسم کافی تبدیل ہو چکا تھا مگر ملتان میں ابھی تک سخت گرمی تھی۔تیمور نے ہاتھ بڑھا کر اے سی

ساتھ ڈیک بھی آن کر دیا۔غلام علی آواز بکھر کے رہ گئی۔

جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں
روز جیتا ہوں، روز مرتا ہوں
جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں

تیمور کو غزلوں کا شوق نہیں تھا۔یہ شاید گاڑی کی صفائی کے دوران ڈرائیور نے اپنی پسندیدہ کیسٹ یہاں فٹ کر دی تھی مگر اب جوں جوں تیمور اسے سن رہا تھا اس کے بول اپنی اندرونی کیفیت کے ترجمان لگ رہے تھے۔

حال دل بھی نہ کہہ سکا تجھ سے
تو رہی مدتوں قریب مرے
تو مجھے چھوڑ کر چلی بھی گئی
خیر قسمت میری، نصیب میرے
اب میں کیوں تجھ کو یاد کرتا ہوں
جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں
وہ زمانہ تیری محبت کا
ایک بھولی ہوئی کہانی ہے
کس تمنا سے تجھ کو چاہا تھا
کس محبت سے ہار مانی ہے
اپنی قسمت پر ناز کرتا ہوں
جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں

تیمور نے انگلی کی پور سے اپنی آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

☆......☆......☆

"تم اسے اٹھا کر ہسپتال لے جاؤ...... میں ذرا اس قتالہ کو دیکھوں۔" ضمیر خان کے دوست نے دوسرے کو ہدایت دی اور زمین پر پڑا ضمیر خان کمزور آواز میں بولا۔

"ارے باز آ بد بخت......! وہ تیری ہونے والی بھابی......"

اور اگلے لمحے سر پر چوٹ پڑنے کے باعث وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

تیمور نے زیادہ ٹریفک ہونے کے سبب مین روڈ چھوڑ کر گیسٹ روم تک جانے کے لیے ایک نسبتاً سنسان سی برانچ روڈ کا انتخاب کیا تھا، جہاں اکا دکا رہائشی عمارات بھی تھیں اور تبھی اس نے چونک کر پوری طاقت سے بریک پر پاؤں رکھا۔ سامنے ہی گلابی لباس میں ملبوس ایک دبلی پتلی لڑکی اندھا دھند بھاگی چلی آ رہی تھی۔

اچانک ہی وہ بدحواسی میں تیمور کی کار کے سامنے آ گئی۔ تیمور کی گاڑی کے بریکس چرچرائے......اور لڑکی گاڑی کے بونٹ سے آ ٹکرائی۔

یہ کوئی اور نہیں بلکہ نمرہ ہی تھی......!!

"آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" تیمور فوراً کار کا دروازہ کھول کر نمرہ کے پاس چلا آیا اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔ جانی پہچانی سی آواز پر نمرہ نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور اپنے سامنے تیمور کو پا کر ٹھٹک گئی مگر تیمور کی آنکھوں میں تو شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی کیوں کہ وہ نمرہ کو پہچان نہیں پایا تھا۔

عزمی سے شادی کے بعد ابتدائی دنوں میں اگرچہ عزمی کی چھوٹی بہنیں، تیمور کے اردگرد منڈلاتی رہتی تھیں اور ہنستی کھلکھلاتی اس سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہا کرتی تھیں مگر تیمور نے کبھی اتنی توجہ نہیں دی اور شاید اسی لیے نمرہ اسے یاد بھی نہیں تھی۔

نمرہ کے نچلے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا اور کہنی کے پاس بھی کافی گہری چوٹ آئی تھی لیکن اس وقت اسے اپنی چوٹوں کی فکر سے زیادہ اس بات کا خطرہ لاحق تھا کہ جلد ہی ضمیر خان کے غنڈے دوست اس کا پیچھا کرتے ہوئے اسے آ لیں گے اور تب کیا ہوگا۔ یہی سوچ کر اس کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ رہا تھا۔

"آیئے کسی میڈیکل سینٹر سے آپ کی مرہم پٹی کرا دوں۔" اچانک تیمور نے گاڑھی اردو میں مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھول دیا اور نمرہ اسے امداد غیبی سمجھتے ہوئے فوراً کار میں جا بیٹھی۔

دراصل وہ جلد از جلد اس جگہ سے دور ہو جانا چاہتی تھی کہ جہاں کسی بھی لمحے ضمیر خان کے دوست شکاری کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتے ہوئے اسے آ دبوچتے اور سچی بات تو یہ تھی کہ بے شک تیمور اب ان کے خاندان کے لیے لاکھ غیر سہی مگر قابل بھروسا ضرور تھا اور یہی سوچ کر نمرہ نے فیصلے میں دیر نہیں لگائی تھی اور جھٹ سے گاڑی میں آ بیٹھی تھی اور تیمور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی جو اس وقت برانچ روڈ سے نکل کر مین روڈ پر دوڑ رہی تھی لیکن ابھی تک تیمور نے نمرہ سے اس کے گھر کا ایڈریس نہیں پوچھا تھا۔ اس بات کا اب ایک ہی مطلب ہے کہ تیمور بھائی یقیناً مجھے پہچان چکے ہوں گے کہ میں عزمی آپی کی چھوٹی بہن نمرہ ہوں۔ اسی لیے تو گھر کا ایڈریس نہیں پوچھا کیوں کہ انہیں پہلے ہی معلوم ہے۔ شاید دل کی گزرگاہ سے ہر نقش پا مٹانے کے باوجود بھی گھر کا راستہ نہیں بھولے ابھی تک۔ نمرہ سوچ رہی تھی۔

ضمیر خان کے علاقے سے کافی دور نکل آنے پر نمرہ کا خوف اب قدرے کم ہو چکا تھا۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ اس کا بیگ اور چادر تو ضمیر خان کے گھر ہی پڑے رہ گئے تھے۔ دراصل وہ تو ان نامساعد حالات میں ضمیر خان کی ایک آواز کہ "نمرہ! بھاگ جاؤ یہاں سے فوراً" کے ساتھ ہی اندھا دھند باہر کو بھاگ اٹھی تھی۔ اس وقت بیگ اور چادر اٹھانے کا ہوش بھلا کس کو تھا؟

"خیر...... بعد میں دیکھا جائے گا۔" نمرہ نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ یہی بہت تھا کہ وہ وہاں سے اپنا گوہر عصمت بچا لائی تھی...... ورنہ تو...... آگے سوچ کر ہی نمرہ کو جھرجھری آ گئی۔ دفعتاً کار کا رخ تیمور نے اچانک سروس لین کی طرف موڑ دیا تھا۔ تب نمرہ نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ادھر میڈیکل سینٹر سے تمہاری ڈریسنگ کروا لیں تو تمہارے گھر کی طرف چلتے ہیں۔"

تیمور نے قدرے اپنائیت سے کہا تو نمرہ انکار نہیں کر سکی اور اسحاق میڈیکل سینٹر کے سامنے گاڑی رکتے ہی نمرہ سعادت مندی سے تیمور کے پیچھے چلی آئی۔ اس کی کہنی سے واقعی ابھی تک ہلکا ہلکا خون رس

رہا تھا۔

دس منٹ میں ڈاکٹر نے ابتدائی طبی امداد کے بعد نمرہ کو فارغ کر دیا تھا۔ تب وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے اور تیمور نے گاڑی ریورس کر لی۔

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ میں اس طرح اچانک کیوں بھاگی چلی آ رہی تھی؟'' نمرہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''نہیں...... کیوں کہ مجھے معلوم ہے۔'' وہ اچٹتی سی نظر نمرہ پر ڈال کر دھیرے سے مسکرایا۔

''کیا...... کیا معلوم ہے آپ کو؟'' نمرہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

''یہی کہ جب کوئی تمہاری عمر کی لڑکی بجائے اپنے کالج سے برآمد ہونے کے کسی سنسان علاقے کی ایک غیر آباد کوٹھی سے یوں اچانک بھاگ نکلتی ہے تو اس بات کا ایک ہی مطلب ہوا کرتا ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''وہ کیا بھلا؟'' نمرہ سانس روکے سننے کی منتظر تھی۔

''یہی کہ لڑکی اس جگہ مہمان تو اپنی خوشی سے بنی تھی مگر پھر اچانک میزبان کی نیت میں فتور دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلی۔''

تیمور کے دل میں اسے اس طرح دیکھ کر جو خیال آیا بغیر کسی حیل وحجت کے بیان کر دیا اور جواباً نمرہ شرمندگی سے سر جھکا کر یونہی اپنے ہاتھوں کو مسلنے لگی۔ تب تیمور کو اچانک خیال آیا۔

''اوہ سوری......! میں آپ کا ایڈریس تو پوچھنا ہی بھول گیا...... اور نہ ہی آپ نے بتایا۔ خیر۔ کہاں جائیں گی؟''

تیمور نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''کیا آپ کو یاد نہیں......؟'' نمرہ نے بے یقینی سے اسے گھورا اور تیمور الجھ کر رہ گیا۔

''کیا مطلب......؟''

''واقعی آپ کو کچھ یاد نہیں ہے؟ خیر میں...... عزمی آپی کی چھوٹی بہن نمرہ ہوں۔''

اور اگلے ہی لمحے گاڑی کے بریکس چرچرائے گویا نمرہ نے اس کی سماعت پر بم گرایا تھا۔ تیمور نے پوری قوت سے بریک پیڈل پر دباؤ ڈالا تھا اور گاڑی اگلی وین سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ......!'' تیمور کے ہونٹوں سے ایک طویل آہ خارج ہوگئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس نے گاڑی اگلے یوٹرن سے ایک پل کی سمت موڑ لی تھی۔ عزمی کے گھر کو ادھر سے بھی راستہ جاتا تھا۔ عزمی کے گھر کی طرف تو نہ جانے اور بھی کتنے راستے نکلتے ہوں گے مگر اس تک رسائی کے لیے اب کوئی بھی راہ باقی نہ بچی تھی۔ جانے کیوں تیمور بجھ سا گیا تھا۔

کافی دیر دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی خاموشی حائل رہی پھر تیمور نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

''کیسی ہے عزمی؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا

''کیسا ہونا چاہیے انہیں؟'' نمرہ نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا اور جواباً تیمور بے بسی سے اپنی سیٹ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

عزمی کا گھر آ چکا تھا۔ تیمور نے گاڑی گھر کے پاس روک دی اور نمرہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی اپنے گھر کی سمت بڑھ گئی۔

اگرچہ وہ بڑی دیر سے عزمی کے دیدار کا متقاضی تھا مگر اب شاید بہت دیر ہو چکی تھی سو مجبوراً تیمور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

گھر کے صحن میں بچھی چارپائی پر عزمی دھوپ تاپنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں اون کی سلائیاں تھامے کھٹا کھٹ اپنے نومولود بھتیجے کا سویٹر بن رہی تھی۔ نمرہ نے سلام کر کے آگے قدم بڑھا دیئے۔

''آج اتنی دیر لگا دی نمرہ؟ کیا رکشے والا وقت پر کالج نہیں پہنچا تھا؟'' عزمی نے پوچھا اور پہلے سرسری انداز میں اور پھر چونک کر دوبارہ بغور نمرہ کی طرف دیکھا جو اپنے دھیان میں مگن آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔

''اے نمرہ! تیری چادر کہاں ہے؟'' عزمی نے اسے با آواز بلند ٹوکا۔

''آپی! ایک لڑکی نے شرارت سے الماری میں چھپا دی تھی اور وہ نہ جانے کہاں گم ہوگئی......تو میں ایسے ہی چلی آئی۔'' نمرہ نے رک کر پہلے سے گھڑا بہانہ بنا دیا اور عزمی مطمئن ہو کر دوبارہ اون سلائیوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''اچھا آئندہ میری چادر لے جایا کرنا۔'' نمرہ عزمی کی اس بات کا کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔

کچن مٹر پلاؤ کی زبردست خوشبو سے مہک رہا تھا۔ نشو مرغی کی ٹانگوں پر دہی مسالے کا لیپ کر کے ڈش مائیکرو ویو اوون میں رکھ رہی تھی۔ وہ ان دنوں امتحانوں سے فراغت کے بعد فارغ تھی اور نت نئی ڈشز آزمانے تواتر سے کچن میں نظر آیا کرتی تھی۔

''نمرہ! پیپر کیسا ہوا ہے؟'' نمرہ پر نظر پڑتے ہی وہ پوچھ بیٹھی۔

''بہت اچھا۔'' مختصر جواب دے کر نمرہ آگے بڑھی اور فریج سے پانی کی بوتل نکال کر ریک میں لگ گلاس اٹھایا اور وہیں کھڑے ہو کر پانی پینے لگی۔

''آج دوپہر جب مابدولت کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھاؤ گے تو سبھی انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے بادشاہو!'' نشو نے بڑے فخر سے مسکرا کر کہا اور جھک کر اوون کا ٹمپریچر سیٹ کرنے لگی۔

''اس میں کیا شک ہے!'' نمرہ بھی جواباً مسکرا دی۔'' ہماری نشا کھانا پکائے اور کوئی انگلیاں چاٹے......مگر پلیز صرف اتنا بتا دو انگلیاں کس کی چاٹنی ہیں......صرف اپنی یا......'' بات ادھوری چھوڑ نمرہ شرارت سے مسکرائی۔ اپنے گھر کی محفوظ چار دیواری میں داخل ہوتے ہی اس کا رہا سہا خوف بھ زائل ہو چکا تھا اور فطری بشاشت لوٹ آئی تھی۔

''لگتا ہے آج کھانے کی بجائے مجھ سے مار کھاؤ گی تم۔'' نشا نے دھمکی آمیز انداز میں چمچ ہوا لہرایا تو نمرہ ہنس دی۔

''اوہو......سوری میڈم! میں تو بھول ہی گئی تھی کہ آپ اس وقت مسلح بھی ہیں۔'' نمرہ نے چمچ طرف اشارہ کیا اور نشو بھی ہنس پڑی۔

''امی نہیں آئیں ابھی تک؟'' نمرہ کو اچانک خیال آیا کہ آج امی کو بھابی کے میکے جانا تھا۔ زچگی کے بعد بھابی ان دنوں اپنے میکے میں قیام پذیر تھیں جہاں سے چلہ نہا کر ہی انہیں لوٹنا تھا۔ امی البتہ دوسرے تیسرے دن اپنے پوتوں سے ملنے اور بہو کو دیکھنے وہاں چلی جایا کرتی تھیں۔ کبھی معاذ بھی کامران بھائی اور امی کے ساتھ پھوپیوں کے پاس چلا آتا اور خوب کھیلنے کے بعد جب بھابی کے پاس جانے کو کہتا تو کامران بھائی اسے جا کر چھوڑ آتے۔

''ہاں......کامران بھائی آفس سے واپسی پر بھابی کی طرف جائیں گے تو امی کو وہاں سے ساتھ ہی لیتے آئیں گے۔'' نشو نے بتایا۔ ''بس آنے ہی والے ہوں گے۔''

''مجھے تو سخت نیند آ رہی ہے۔'' نمرہ نے وہیں کھڑے کھڑے انگڑائی لی اور نشو بے ساختہ ہنس دی۔

''بھئی یہاں کھڑی ہو کر تم ایسی توبہ شکن انگڑائیاں نہ لو......در و دیوار کے صرف کان ہی نہیں، کبھی کبھار آنکھیں بھی ہوا کرتی ہیں۔'' اور نمرہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''اب ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہی کھانا کھا کر لیٹنا......ورنہ نماز قضا ہو جائے گی۔'' عزمی بھی دھوپ کی تمازت سے گھبرا کر اپنی اون سلائیاں سمیٹتے اندر آ گئی تھی۔

''جی اچھا آپی!'' نمرہ نے سعادت مندی سے کہا۔ ''نشو! میں نماز پڑھ آؤں پھر مل کر کھانا کھا لیں گے۔'' نمرہ نے کہا اور وضو کرنے چل دی۔

امی اور کامران بھائی تو ابھی بھابی کے ہاں سے لوٹے نہیں تھے۔ شاید آج دوپہر انہیں بھابی کے گھر والوں نے اصرار کر کے وہیں کھانے پر روک لیا تھا۔ ان کا خاصا انتظار کرنے کے بعد جب نشو نے بھابی کو فون کیا تو ان کا خیال درست نکلا۔ وہاں سب کھانا کھا رہے تھے، تب انہوں نے بھی کھانا کھا لیا۔

کھانے کے بعد برتن وغیرہ سمیٹ کر نشو تو ذرا کمر سیدھی کرنے کو لیٹ گئی اور عزمی وقت گزاری کے لیے ایک ڈائجسٹ لے کر بستر کی طرف چل دی۔ نمرہ کافی سوچ و بچار کے بعد عزمی کے پاس آ بیٹھی۔

''وہ دراصل آپی! آپ سے ایک بات کہنا تھی۔'' نمرہ کافی الجھی الجھی سی لگ رہی تھی۔

''ہاں کہو چندا......!'' عزمی نے ڈائجسٹ ایک طرف ڈال دیا اور اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"وہ......وہ......دراصل......" نمرہ نے تھوک نگلا۔

"وہ آپی......! دراصل آج...... مجھے......وہ...... تیمور بھائی ملے تھے۔" بالآخر نمرہ نے ایک دم بات مکمل کر ہی ڈالی۔

"کیا......!" عزمی اپنی جگہ سے اچھل ہی تو پڑی۔

"جی بلکہ وہ مجھے گھر تک چھوڑنے بھی آئے تھے۔" نمرہ نے جلدی سے بتایا۔

"کیوں......؟" عزمی نے تیوری چڑھائی۔

"کیوں آئی تو اس کے ساتھ؟ کیا رشتہ ہے ہمارا اب تیمور سے؟ بول......؟" عزمی نے ترچھی نظر سے اسے دیکھا اور جواباً خاصا تذبذب کے بغیر نمرہ کو دھیرے دھیرے تمام تفصیل عزمی کے گوش گزار کرنا پڑی اور تمام بات سننے کے بعد عزمی جیسے اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی۔

"پلیز آپی...... آپ امی یا کامران بھائی کو کچھ مت بتایئے گا۔" نمرہ نے التجا کی۔

"ہاں ٹھیک ہے......" عزمی نے جواب دیا۔

شکر تھا کہ نمرہ کے زخم اس شدید نوعیت کے نہیں تھے کہ پہلی یا دوسری نظر میں واضح ہوتے۔ ہونٹ پر جہاں خون بہہ رہا تھا اب پپڑی جم چکی تھی اور کہنی کی چوٹ تو ویسے بھی آستین کے نیچے چھپی تھی اور اس پر سنی پلاسٹ لگنے سے کافی آرام تھا۔

"تم ڈرنا مت...... میں سب سنبھال لوں گی۔" عزمی نے اپنے خیالوں سے چونک کر نمرہ کو گلے لگا کر اس کا شانہ تھپتھپایا۔

☆......☆......☆

گیسٹ روم میں اپنے بیڈ پر لیٹے تیمور نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا۔ آج اس کا دل کسی چ میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تو اب تک عزمی کی یادوں سے کنی کتراتا تھا لیکن ہر بار عزمی کا وجود کوئی نہ کوئی روپ دھار کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا۔ کبھی وہ خوابوں میں نظر آتی، کبھی اس کی یادیں تیمور کا پیچ کرتیں اور آج تو حد ہو گئی تھی کہ...... یوں بیٹھے بٹھائے عزمی کی بہن سے ٹاکرا ہو گیا۔ تبھی تو نہ جا

کیوں اسے دیکھتے ہی تیمور کو اس کی شکل کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔ بطورِ خاص اس کی آنکھیں اور سیاہ بال تو عزمی جیسے تھے۔

عام پاکستانی گھرانوں کے برعکس یورپ میں سیاہ آنکھوں اور سیاہ زلفوں کو پسند کیا جاتا ہے۔ وہاں گوریاں اپنے براؤن اور سنہری بالوں کو سیاہ رنگت سے بدل کر خوش ہوتی ہیں اور نمکین رنگت تو دیوانگی کی حد تک پسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ تبھی تو گورے اور گوریاں ساحل کنارے گھنٹوں ننگے بدن ریت پر دھوپ میں پڑے رہتے ہیں تاکہ کسی طرح ان کی سفید پھیکے شلجم جیسی چمڑی گندمی رنگت اختیار کرے۔ بلاشبہ اگر عزمی تیمور کے ہمراہ یورپ چلی جاتی تو وہاں اس کا مشرقی حسن سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالیتا اور تیمور کی کئی گرل فرینڈز تو جل بھن کر کوئلہ ہو جاتیں اور لیزا......! اس کا خیال آتے ہی تیمور کا حلق تک کڑوا ہو گیا...... اور دل عجب طرح کے غم سے بھر گیا۔

کیا مجھے عزمی کو ٹھکرانے کی یہ سزا ملی ہے؟ اس کے اندر ایک سوال ابھرا اور وہ بے کل سا ہو گیا۔ تبھی اس کے سرہانے رکھا موبائل بج اٹھا۔

"ہیلو......!" تیمور نے کال اٹینڈ کی اور اپنی جگہ جامد و ساکت رہ گیا۔ دوسری جانب عزمی تھی۔

"عزمی! سچ مچ یہ تم ہو......؟" تیمور کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

"جی...... تیمور صاحب...... اور میرا پورا نام عزمی ناز ہے عزمی صرف میرے فیملی ممبرز یوز کرتے ہیں۔" عزمی جانے کیا جتانا چاہ رہی تھی اور تیمور بے بسی سے سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

"او کے...... عزمی......! کیسی ہو تم؟" جذبات کی اچانک یلغار سے تیمور کے لہجے میں لرزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"ٹھیک ہوں...... تیمور صاحب! آپ کو فون کر کے دراصل آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی کہ آپ نے نمرہ کو نا صرف بحفاظت گھر پہنچایا بلکہ راستے میں اس کی ڈریسنگ وغیرہ بھی کرائی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو عزمی......! آئی مین عزمی......! بالکل غیروں جیسی باتیں ہیں یہ تو......" تیمور نے کہا۔

''ہمارے ہاں غیروں سے غیریت ہی برتی جاتی ہے مسٹر تیمور......!'' نہ چاہنے کے باوجود بھی عزمی کا لہجہ تلخ سا ہو گیا تھا۔

''تم اتنی سنگ دل کیسے ہو گئیں عزمی! کہ یوں میرے زخموں پر نمک پاشی کرنے لگیں؟'' تیمور بے بسی سے بولا۔

''آپ واقعی خوش قسمت ہیں کہ شکوہ تو کر سکتے ہیں۔ ہمارے ضبط کا عالم دیکھیے کہ کبھی شکوہ بھی نہ کیا گیا۔'' عزمی رفتہ رفتہ ضبط کھو رہی تھی۔ اس کا لہجہ دھیرے دھیرے آنسوؤں میں بھیگتا جا رہا تھا۔

''آئی ایم سوری......عزمی! میں غلطی پر تھا۔'' تیمور کا لہجہ ندامت سے لبریز تھا۔

''لیکن یہ سوری وہ فاصلے کم نہیں کر سکتا جو ہمارے درمیان حائل ہو چکے ہیں۔'' عزمی نے یاد دلایا۔

''اگر تم چاہو تو کوشش کی جا سکتی ہے......'' تیمور جلدی سے بولا۔

''آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' عزمی نے سوال کیا۔

''ہاں اور اس کی گنجائش تو شریعت میں بھی ہے۔'' تیمور فوراً بولا۔

''بہت کٹھن راہ ہے یہ۔'' عزمی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''میں ہر کانٹوں بھری راہ سے گزر کر تم تک پہنچنے کے لیے تیار ہوں۔'' تیمور بے تابی سے بولا۔

''شاید آپ اس وقت پوری طرح اپنے حواسوں میں نہیں ہیں......'' عزمی تلخی سے ہنسی۔

''ورنہ جس پودے کو آپ نے ایک جھٹکے سے اپنی زندگی سے اکھاڑ پھینکا اس کی جڑیں دوبارہ زمین میں دبانے کا کبھی نہ سوچتے......اور اب تو ویسے بھی اس پودے کا تمام وجود سوکھ چکا ہے......خشک پتے اور مرجھائے پھول آپ کو دنیا کی بھلا کیا رونق بخشیں گے؟'' عزمی افسردگی سے بولی اور تیمور تلخی سے ہنس دیا۔

''خوب کہا تم نے......تم تو شاعرہ ہو گئی ہو عزمی! مگر ایک بات بتاؤں......میں اب بھی اتنی ہمت رکھتا ہوں کہ اپنے لہو سے اس پودے کو سینچ کر تناور درخت کی شکل دے سکوں۔'' تیمور مضبوط لہجے بولا۔

''اور میں اس وقت اپنے مکمل ہوش و حواس میں ہوں۔ دراصل تم سے لاتعلقی کی بہت سزا جھیلی ہے میں نے......اور لگتا ہے کہ......سکون تمہیں بھی نہیں ملا......تو کیا ہم پھر سے ایک ساتھ نہیں جی سکتے؟'' تیمور کا رواں رواں سوال بن گیا۔ ''بولو عزمی......!'' اس کا لہجہ التجا میں ڈوبا ہوا تھا۔

''میں......سوچوں گی۔'' عزمی تھکے تھکے سے لہجے میں بولی۔

''میں کل ہی کسی عالم دین سے ملوں گا اور اس بارے میں تفصیل معلوم کروں گا۔'' تیمور نے کہا۔

''اوکے تیمور صاحب! ایک بار پھر آپ کا بے حد شکریہ۔'' عزمی نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

''عزمی......عزمی......!'' تیمور ہاتھ میں ریسیور تھامے بیٹھا رہ گیا۔

☆......☆......☆

فون رکھتے ہی عزمی اپنے ضبط کا بندھن کھو بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔

''عزمی! تم رو رہی ہو......؟''

''آں......'' عزمی چونکی۔ وہ یہ تو بھول ہی گئی تھی کہ آج شام ہی تو شبو آپی چند روز رہنے کے لیے میکے آئی تھیں اور جانے کب سے عزمی کے پیچھے کھڑی اس کی تیمور سے فون پر ہونے والی تمام گفتگو سن رہی تھیں۔

''شبو آپی......!'' عزمی دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ اس کا تمام بدن شبو آپی کے بازوؤں میں سسکیوں سے لرز رہا تھا اور وہ پیار سے اس کے بال سلجھا رہی تھیں۔ اس کی کمر سہلا رہی تھیں۔

نمرہ جو اچانک ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی یہ صورتحال دیکھ کر بھاگ گئی اور پانی کا گلاس لے آئی۔ پانی پی کر عزمی کے کچھ حواس بحال ہوئے تو اس نے تفصیل کے ساتھ شبو آپی کو اپنے اور تیمور کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ نمرہ اور نشو بھی پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں اور بڑی توجہ سے ساری بات سن رہی تھیں۔ عزمی نے اس دوران نمرہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ بھی شبو آپی کے گوش گزار کر دیا اور ساری بات سننے کے بعد شبو آپی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

☆......☆......☆

ملازم کی کافی کوششوں کے بعد ضمیر خان کو ہوش آیا تھا مگر سر پر پڑنے والی ضرب نے اس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کر ڈالی تھیں۔ جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور دائیں آنکھ کے پاس بڑا سا نیل پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر رہ گیا۔ تب اس کے وفادار ملازم نے اسے سہارا دے کر صوفے پر بٹھایا اور ہلدی ملے دودھ کا گلاس ضمیر خان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"کیا ہے یہ؟ ہٹاؤ پرے......" ضمیر خان نے عجیب شکل بنائی۔ ایک گھونٹ بھرتے ہی اسے کسی اجنبی ذائقے کا احساس ہوا تھا۔

"چھوٹے خان جی......! سانس روک کے ایک دفعہ میں سارا گلاس چڑھا جائیں۔ مولا پاک نے چاہا تو ہلدی ملا دودھ جسم کی تمام چوٹیں چن لے گا۔" شیدے نے خلوص سے تاکید کی اور بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر اسے دودھ پلا کر ہی دم لیا۔ دودھ پینے کے کچھ ہی دیر بعد ضمیر خان کو اپنی توانائی بحال ہوتی محسوس ہوئی اور ذہن پر چھائی دھند بھی چھٹنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اسے نمرہ کا خیال آیا تو وہ بے قرار ہو اٹھا۔

"شیدے......! میری کار کی چابی پکڑا یار۔" اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"چھوٹے خان جی! آپ کی طبیعت ابھی اس قابل نہیں کہ کار چلا سکیں۔" رشید منمنایا۔

"بہتر ہوگا کہ ذرا دیر آرام کر لیں۔" اس نے خوشامدانہ انداز میں مگر خلوص سے کہا۔

"اونہیں یار......! ادھر ایک ایک پل بھاری ہے......" ضمیر خان تمام تر ہمت یکجا کر کے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو دلشاد آپ کو چھوڑ آتا ہے۔" شیدا جلدی سے بولا۔

"کون دلشاد......؟" ضمیر خان نے پوچھا۔

"میرا دوست ہے جی چیچہ وطنی سے دو روز پہلے ہی مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ یہاں آتے ہی

اسے بخار نے آلیا تو میں نے اسے یہیں روک لیا۔ بڑا اچھا ڈلیور (ڈرائیور) ہے جی۔ فوج میں ملازم ہے، جیپ چلاتا ہے...... بڑی اے ون قسم کی۔"

"مگر اسے بھی تو بخار ہے۔" ضمیر خان نے کہا۔

"اب پہلے سے کافی بہتر طبیعت اس کی۔ آپ رکیں میں بلاتا ہوں اسے۔" شیدا لپک کر اپنے ساتھ دوست کو لے آیا جس نے ضمیر خان کے ہاتھ سے چابی لے کر فوراً پورچ میں کھڑی گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

"رشیدے......!" ضمیر خان نے چلتے ہوئے رک کر پکارا۔

"جی خان جی......!" شیدا فوراً واپس آ گیا۔

"یار...... وہ......" ضمیر خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے پوچھے۔ "وہ...... آج میرے ساتھ جو لڑکی آئی تھی...... تمہیں کچھ پتا ہے کہ وہ کس طرف کو گئی ہے......؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"وہ...... مجھے سو فیصد تو علم نہیں ہے...... میں تو یہی سمجھتا رہا کہ شراب کے نشے میں مدہوش آپ کے ساتھی یونہی خرمستیاں کر رہے ہیں اس لیے اتنا غل غپاڑا ہے مگر جب میں نے پستول چلنے اور باہر بھاگتے قدموں کی آواز سنی تو کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا...... وہ بی بی مین روڈ کی طرف اندھا دھند دوڑی چلی جا رہی تھیں۔"

"پھر...... پھر کیا ہوا......؟" ضمیر خان نے بے تابی سے پوچھا۔ "اس کے تعاقب میں کوئی میرا دوست تو نہیں گیا تھا؟" ضمیر خان کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

"جی آپ کے دو دوست چند لمحوں بعد ان کے پیچھے نکلے تھے۔ ایک کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے مجھ سے لڑکی کے بارے میں پوچھا تو......" وہ قدرے جھجک سا گیا۔

"تو......؟" ضمیر خان کی پیشانی پر بل آ گئے۔

"مجھے معاف کر دیں سرکار! ہمیں بعض اوقات سب کچھ دیکھ کر بھی اندھا گونگا اور بہرہ بننا پڑتا ہے اور نمک حلالی کا تقاضا بھی یہی ہے مگر...... نہ جانے کیوں مجھے اس لمحے لڑکی پر رحم آ گیا اور...... میں نے

آپ کے دوستوں کو دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر دیا...... حالانکہ وہ لڑکی تو ناک کی سیدھ میں بھاگ گئی تھی۔ مجھے معاف کر دیں سرکار......! مجھ سے بڑی بھول ہو گئی جو میں اپنے آقاؤں کی خوشی کا خیال نہ رکھ سکا۔ آپ نے شاید اپنے دوستوں کی دعوت کا اہتمام کیا تھا مگر میں نے شکار بھگا دیا۔'' شیدا رو دینے کو تھا۔

''شیدے! تم نے زندگی میں پہلی بار اتنی عقل مندی کا کام کیا ہے۔ تم تو بڑے انعام کے حق دار ہو کیوں کہ تم نے ان جانے میں اپنی ہونے والی مالکن کی عزت بچائی ہے۔'' ضمیر خان کے چہرے پر یک دم ہی خوشی کی سرخی دوڑ گئی۔ ''یہ رکھ لو......'' اس نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کر شیدے کی طرف بڑھائے...... اور اسے یونہی حیران و پریشان کھڑا چھوڑ کر گاڑی میں جا بیٹھا مگر اس سے پہلے وہ نمرہ کی چادر اور بیگ ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ نمرہ ان بدبختوں کے ہاتھ نہیں لگی اور یہ بات باعث اطمینان تھی۔

☆......☆......☆

نمرہ جب اگلا پیپر دینے کے لیے جانے لگی تو کسی انجانے خطرے کی پیش نظر شبو آپی بھی اس کے ساتھ ہو لیں۔

''آپ وہاں تین گھنٹے تک باہر لان میں بیٹھی کیا کریں گی؟''

''تمہارا انتظار......!'' شبو آپی نے جوڑے میں پنیں لگاتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

''مگر اتنی دیر خواہ مخواہ بور ہوں گی۔'' نشو بولی۔

''نہیں ہوتی میں بور...... اسی لیے تو ڈائجسٹ لے جا رہی ہوں ساتھ۔ یہ پڑھتے ہوئے وقت گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔'' شبو نے انہیں مطمئن کیا۔

جیسے ہی نمرہ پیپر دے کر ہال سے نکلی تو سامنے برآمدے کے ستون سے لگی ایک درمیانی عمر کی عورت اس کے قریب چلی آئی۔

''پتر! تیرا ناں نمرہ اے؟'' اس نے چھوٹتے ہی نمرہ سے سوال کیا۔

''جی...... مگر آپ کو کیسے پتا؟'' نمرہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تیرے شناختی کارڈ پر تیری تصویر دیکھی تھی۔ یہ تیری چیزیں ہیں ناں؟'' اس نے نمرہ کی چادر اور بیگ اس کے سامنے کر کے پوچھا اور نمرہ حیرت سے گم صم ہو گئی۔

''میں ضمیر خان کی والدہ ہوں......'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''مجھے ضمیر خان نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ تیری چادر اور بیگ بھی مجھے اسی نے دے کر کہا تھا کہ یہ چیزیں تجھے کالج پہنچا دوں۔ میں پچھلے دو دن سے روزانہ کالج آ رہی ہوں مگر شاید پچھلے دنوں تیرا پرچہ نہیں تھا اس لیے تو نہیں آئی۔ تو ضمیر خان کو جانتی ہے ناں......؟'' اس نے محبت سے نمرہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آں......'' نمرہ چونکی۔

''جی...... جی ہاں......''

''تیری بہت تعریفیں کرتا ہے وہ۔ بس ہر وقت مجھ سے تیری ہی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میں ضمیر خان کی ماں ہوں مگر اس کی دوستوں کی طرح ہوں۔ میں نے اسے یہی سکھایا ہے کہ دنیا میں ماں ہی سب سے زیادہ مخلص دوست ہوا کرتی ہے لہٰذا اس سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپانا چاہیے اور یوں وہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کر لیتا ہے۔ میں نے ہی اسے یہ بھی کہا تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی لڑکی پسند آ جائے تو بغیر جھجک کے مجھے بتا دے، میں خود جا کر اس لڑکی کو اپنی بہو بنا لاؤں گی۔ چاہے کچھ بھی کرنا پڑے اور مجھے خوشی ہے کہ ضمیر خان کا انتخاب واقعی اتنا سوہنا ہے۔'' اس نے محبت پاش نظروں سے نمرہ کو دیکھتے ہی چٹ پٹ اس کی بلائیں لے ڈالیں اور تبھی اچانک شبو آپی یہاں آ پہنچیں اور نظروں ہی نظروں میں نمرہ سے ان خاتون کے متعلق استفسار کیا۔

''ضمیر خان کی والدہ ہیں......'' نمرہ نے تعارف کرایا۔

''اور یہ میری بہن شبانہ فخر ہیں۔'' اس نے ضمیر خان کی والدہ کو بتایا۔

''ہاں میں ایک بار پہلے تمہارے ہاں جا چکی ہوں مگر اس روز اتفاق سے گھر پر نہ تم ملیں نہ ان سے ہی ملاقات ہو سکی تھی...... خیر اللہ نے چاہا تو اب یہ آنا جانا لگا رہے گا۔'' ضمیر خان کی ماں مسکرائی۔

''جی...... ضرور آپ آئیے گا ناں نمرہ کی شادی پر۔'' شبو آپی بھی معنی خیزی سے مسکرائیں۔

"ہم بہت جلدی نمرہ کی شادی کر رہے ہیں۔ رشتہ تو اس کا بچپن سے ہی طے تھا۔ بس اب وہ لوگ بہت زور دے رہے ہیں۔" ضمیر خان کی ماں کا چہرہ بجھ گیا۔ "سنیے آنٹی! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ اگر نمرہ جتنی بیٹی آپ کی اپنی ہوتی تو آپ کا ردعمل ضمیر خان جیسے غنڈے کے رشتے پر کیا ہوتا؟"

ضمیر خان کی ماں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے شبو آپی کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اسے نرم و نازک سی شبو آپی سے ایسی بے رحمی کی امید نہیں تھی۔

"کبھی بھی آپ اپنی معصوم بیٹی کا ہاتھ ایسے شرابی و کبابی کے ہاتھ میں نہ تھماتیں...... ہیں ناں......؟" شبو آپی نرمی سے مگر سرد لہجے میں بولیں۔

"خیر...... جو ہوا...... مگر اب آپ اپنے بیٹے کو سمجھا دیں کہ نمرہ کا پیچھا چھوڑ دے...... ورنہ پہلے ہی اس کے باپ کی شہرت کے جو اشتہار دیواروں پر لگے ہیں، ضمیر خان کو ہتھکڑی لگنے کے سبب ان میں چار چاند لگ جائیں گے۔ ہم لوگ شریف ضرور ہیں مگر اتنے کمزور ہرگز نہیں ہیں کہ اپنے گھروں کی چار دیواری کی حفاظت نہ کر سکیں۔"

"کیا مطلب......؟" ضمیر خان کی ماں ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

جواباً شبو آپی نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک طرف لے جا کر نمرہ کے ساتھ پیش آنے والا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

"اچھا......؟" تمام بات سن کر ضمیر خان کی ماں حیران رہ گئی۔ "مجھے تو ضمیر بتا رہا تھا کہ نمرہ خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گھومتی رہی تھی اور ایسے ہی کسی وقت اپنا بیگ اور چادر اس کے پاس بھول گئی تھی۔"

"جھوٹ بول رہا ہے وہ۔" شبو آپی نے دانت پیسے۔ "آپ جا کر آج اس سے پوچھیں کہ سچ کیا ہے اور پلیز اسے کہیں کہ نمرہ کا خیال دل سے نکال دے۔ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" شبو آپی نے لجاجت سے کہا۔ نمرہ حیران ہو رہی تھی کہ شبو آپی آخر اس کی شادی کی بار بار کیوں بات کر رہی ہیں حالانکہ اس کا تو رشتہ بھی ابھی تک طے نہیں ہوا تھا۔

"تم فکر مت کرو...... اور اس کی شادی کی تیاری کرو...... اگر اللہ نے چاہا تو ضمیر خان اسے بھائی بن

کر رخصت کرے گا۔" ضمیر خان کی ماں نے کہا اور پلٹ گئی اور شبو آپی ایک گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

ادھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک روز عفی لانگ ویک اینڈ پر حارث سے ملنے رحیم یار خان جا پہنچا اور اسے جھجکتے جھجکتے تمام ماجرا کہہ سنایا، جسے سن کر کافی دیر حارث کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہا اور پھر اس کے حلق سے ایک طویل قہقہہ برآمد ہوا۔

"حیف ہے یار! تجھ پر...... اتنا بزدل نکلا...... خیر ابھی بھی شکر ہے کہ تجھے عقل آ گئی ورنہ تیرے ہاتھوں تین زندگیاں خراب ہوتیں۔"

"مجھے معاف کر دینا حارث!" عفی سچ مچ شرمندہ تھا۔

"ارے چل ناں بس کر...... اتنی بے چارگی تیرے چہرے پر ویسے بھی سوٹ نہیں کرتی۔ خواہ مخواہ چندہ دینے کو دل چاہتا ہے۔" حارث نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"مگر اب ہوا کیا......؟" عفی نے فکرمندی سے سوال کیا۔

"سچ بتاؤ......؟" حارث نے سنجیدگی سے دیکھا۔ "میرے گھر والوں کو نشو سے بڑی بہن...... کیا نام ہے اس کا......؟" حارث نے ذہن پر زور دیا۔

"نمرہ......؟" عفی نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ہاں...... وہی...... وہ زیادہ پسند آئی تھی اور تمام گھر والے میرا رشتہ اس سے کرنے کے لیے مصر تھے مگر میں نے ہی تیرے کہنے پر اس کی چھوٹی بہن کے لیے اصرار کیا تھا۔"

"تو اب کیا ہوگا؟" عفی پریشانی سے بولا۔ "رشتہ تو طے ہو چکا ہے۔"

"ارے ابھی کہاں پوری طرح طے ہوا ہے بس زبانی بات چیت ہوئی تھی۔ میرے گھر والوں نے ایک سقم چھوڑ دیا تھا کہ ہماری طرف سے بات پکی ہے بس ذرا استخارہ بھی کروا لیں۔" حارث نے تفصیل سے بتایا۔

"تو......؟" عفی بے تابی سے بولا۔

"تو کہہ دیں گے کہ استخارے میں نشو کی بجائے نمرہ کا نام نکلا ہے کہ اس سے رشتہ مبارک رہے گا۔"

"اور اگر سچ مچ استخارے میں نمرہ سے تیرا رشتہ مبارک نہ نکلا تو......؟" عفی کی پریشانی بدستور قائم تھی۔

"ضرور نکلے گا یار...... اللہ تعالیٰ بھی نیک نیت لوگوں کی مدد کرتا ہے۔" حارث نے وثوق سے کہا۔

"اور تو......" انجانے خدشات عفی کی زبان پر آتے آتے رہ گئے۔

"ارے میرا کیا ہے...... نشو نہ سہی نمرہ سہی۔ میرا کون سا نشو سے کوئی لو افیئر تھا۔ مجھے تو ہر صورت گھر والوں کی مرضی سے شادی کرنا ہے۔ گھر والوں کو ہی نمرہ پسند ہے تو میں بھی اسی میں خوش ہوں۔ نشو کو اپنی بھابی کے ہی روپ میں دیکھنا چاہوں گا۔" اس نے بڑے خلوص سے عفی کو گلے لگا کے کہا اور نا صرف ایک بوجھ گویا عفی کے کندھوں سے اتر گیا بلکہ رگ و پے میں ان دیکھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

☆......☆......☆

جانے قسمت کو کیا منظور تھا کہ اگلے مراحل بڑی تیزی کے ساتھ طے ہوئے۔ تیمور کی بار بار التجا پر عزمی اس سے ملنے گئی اور اس کی حالت دیکھ کر عزمی کا دل مٹھی میں آ گیا۔ تیمور کی صحت گر گئی تھی اور اس کے لہجے میں وہ زعم اور فخر وغرور خاک ہو چکا تھا بلکہ اس کی جگہ عاجزی وانکساری نے لے لی تھی۔ اس کی وہ خوش لباسی بھی گویا ختم ہو چکی تھی اور اس کے گرد خوشبوؤں کا وہ حصار ٹوٹ چکا تھا۔ اگرچہ اس سے علیحدگی کے بعد عزمی نے اپنا بہت کچھ کھو دیا تھا مگر حاصل تو تیمور کو بھی کچھ نہ ہو سکا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ تہی داماں رہ گئے تھے۔ دونوں کی روح داغ داغ اور جسم جیسے صدیوں کی تھکن سے چور تھا اور چہرہ پر نا کام طویل سفر کی گرد جمی ہوئی تھی اور اسی لمحے عزمی نے فیصلہ کر لیا تھا۔ زندگی کے باقی سفر میں پھر سے تیمور کی شریک سفر بننے کا۔

اس مقصد کے لیے تیمور نے اپنے ایک پرانے دوست سے مدد کی درخواست کی تھی کیونکہ شرعی اعتبار سے اب عزمی براہ راست اس کی نہیں ہو سکتی تھی اور اس مقصد کے لیے اسے حلالہ کے مرحلہ سے گزرنا تھا اور تیمور کو کسی ایسے بااعتماد شخص کی ضرورت تھی جو نکاح کے اگلے روز عزمی کو طلاق دے دے۔ تبھی ایک

مخصوص مدت کے بعد عزمی دوبارہ اس کے نکاح میں آ سکتی تھی اور وہ دونوں نئے سرے سے اپنی زندگی کی شروعات کر سکتے تھے اور جمی پر تیمور کو پورا اعتماد تھا۔

اس نے عزمی کو بھی منا لیا تھا مگر اصل مرحلہ عزمی کے گھر والوں کا اعتماد حاصل کرنے کا تھا اور اس کی بھی تیمور کو اتنی فکر نہیں تھی کیونکہ چند روز بعد ممی اور پاپا انگلینڈ سے پاکستان آ رہے تھے۔ وہ دونوں یقیناً عزمی کے گھر والوں کو منا ہی لیتے۔

☆......☆......☆

آج عزمی وغیرہ کے گھر میں بڑی رونق تھی، کیوں کہ بھابی چلہ نہا کے نومولود کے ساتھ سسرال آئی تھیں، کامران بھائی کسی نوبیاہتا دولہا کی طرح ادھر سے ادھر شرمائے لجائے پھر رہے تھے۔ بھابی کا وجود مامتا کے نور سے دھلا لگ رہا تھا۔ امی بار بار ان کی بچوں سمیت نظر اتار رہی تھیں اور قل شریف پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔

ننھے میاں کا نام معوذ رکھا گیا اور معاذ میاں بھی اپنے ننھے بھائی کے گرد طواف کر رہے تھے اور پھوپیوں کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ کبھی ایک بھتیجے کو گود میں لیتیں تو کبھی دوسرے کو۔ امی کے حکم پر شبو آپی نے بھابی کو گوٹے کناری والے کپڑے پہنا کر میک اپ کر دیا تھا اور وہ زیورات کا بھاری سیٹ پہنے سچ مچ نوبیاہتا دلہن لگ رہی تھیں۔ امی نے بھابی کے گھر میں آنے سے پہلے ہی مٹھائی کے ٹوکرے منگوا لیے تھے اور اب وہ پورے محلے میں مٹھائی تقسیم کر رہی تھیں اور محلے میں بھی جس جس نے بھابی کے گھر آنے کا سنا، مبارکباد کے لیے چلا آیا۔ آنے جانے والوں کی تواضع کے لیے نمرہ اور نشو نے کچن سنبھال رکھا تھا۔ چولہے پر دھری کشمیری چائے کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی اور تبھی خالہ بھی احمر بھائی کے ہمراہ گھر چلی آئیں اور ان کے پیچھے ہاتھ میں کیک اور مٹھائی کا ڈبہ تھامے عفی بھی ساتھ تھا۔ نشو، خالہ سے ملنے کچن سے باہر نکلی تو عفی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی...... اور اس کا چہرہ تاریک ہو گیا مگر آج عفی کی شوخ نگاہیں مسلسل اس کا حصار کیے ہوئے تھیں اور اس تبدیلی پر نشو گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

"آپ کب آئے عفی بھائی؟" نمرہ چہکی۔

"دیکھ لو...... تم نے یاد کیا اور ہم چھٹی لے کر دوڑے چلے آئے۔" اس نے کن اکھیوں سے نشو کی طرف دیکھ کر شوخی سے کہا اور ہال کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں امی اور بھابی وغیرہ بیٹھی تھیں۔

ہیٹر کی وجہ سے کمرے میں خوشگوار حرارت پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے سلام دعا کرنے کے بعد عفی دونوں ہتھیلیاں رگڑتا ہیٹر کے عین سامنے بچھی کرسی پر جا بیٹھا۔

"بھئی! مبارک باد کے لیے تو یہ مٹھائی ہی کافی تھی پھر یہ اتنا بڑا سا کیک کس لیے خر؟" عزمی نے ٹیبل پر دھرے کیک کے ڈبے کی طرف دیکھا۔

"بھئی آج اس گھر میں کسی کی سالگرہ ہے، اسی لیے تو اعفان صاحب یوں کیک سے لدے پھندے تشریف لائے ہیں۔" احمر نے کہا جسے عفی اپنا راز دار بنا چکا تھا، شرارت سے نشو کی طرف دیکھ کر بولا جو امی کے پاس تخت پر بیٹھی کشمیری چائے کے لیے پستہ کاٹ رہی تھی۔

"بھئی ہم کیوں یاد دلائیں جب اسی کو یاد نہیں کہ جس کی آج سالگرہ ہے۔" عفی مسکرایا۔

"آں...... ہاں...... آج تو نشا کی برتھ ڈے ہے۔" نمرہ چہک اٹھی۔

"لوں بھلا بتاؤ......" امی نے ماتھے پر ہاتھ مار کے کہا۔ "دیگر مصروفیات میں یہ بات تو کسی کو یاد ہی نہیں تھی۔ نشا! ہیپی برتھ ڈے......" بھابی نے اسے خلوص سے مبارکباد دی۔

"بھئی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...... تم پہلے اپنے ہاتھوں سے کیک کاٹو تب مبارکباد بھی وصول کرو۔" شبو آپی نے کہا۔

"جی بالکل...... ہمارا تو ووٹ بیگم کے ساتھ ہے۔" شبو آپی کے میاں نے جو آج اپنے بچوں کے ہمراہ شام سے ادھر آئے ہوئے تھے، مسکرا کر کہا۔

"چلو نشو! جا کر فری ہو آؤ...... اور پھر کیک کاٹ لو۔ کشمیری چائے کے ساتھ مزہ دے گا۔" عزمی نے ہاتھ کھینچ کے نشو کو اٹھایا۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" وہ بے دلی سے بولی۔

"کوئی ٹھیک نہیں ہو...... چلو کپڑے وغیرہ بدل کے آؤ۔" خالہ نے اسے لاڈ سے گھر کا تو وہ اٹھ گئی۔

"مگر سارا کام رہ جائے گا۔" نمرہ نے اس کے ہاتھ سے چھری، بادام پستے کی پلیٹ لے لی اور مجبوراً نشو کو سب کی بات ماننا پڑی۔

ذرا دیر بعد نشو تیار ہو کے کمرے میں داخل ہوئی تو عفی پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ سیاہی مائل بلیو ستاروں بھرے لباس میں وہ آکاش کا چاند لگ رہی تھی۔ بلیو نگینوں والے جڑاؤ سیٹ میں اس کی رنگت دمک اٹھی تھی۔ ہلکا ہلکا برائے نام میک اپ اس پر خوب کھل رہا تھا۔

"خدا شکر ہے کہ میں نے بروقت فیصلہ کر لیا ورنہ اتنے حسین ساتھی کی رفاقت سے محروم رہ جاتا۔" عفی نے سوچا۔

تالیوں کی گونج میں نشو نے کیک کاٹا۔

"بھئی تمہارا تحفہ کل تک کے لیے ادھار رہا۔" کامران بھائی نے نشو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"نہیں بس اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" نشو منمنائی۔

"کمال ہے بھئی آج تو بڑی شرافت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔" کامران بھائی کیک کا بڑا سا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے مسکرائے۔

"حالانکہ پچھلے سال تو یہ تحفے کے لیے زبردستی جیبیں تک جھڑوا لیا کرتی تھی۔" احمر بھائی شرارت سے ہنسے۔

"تو آج بھی اسے تحفہ ملے گا...... اور یہ تحفہ اس کی زندگی کا سب سے حسین تحفہ ہوگا۔" خالہ جو اتنی دیر سے امی اور بھابی کے ساتھ سر جوڑے نہ جانے کون سی گٹ پٹ میں مصروف تھیں، اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر نشو کے قریب چلی آئیں اور اپنے پرس سے ایک ڈبیہ نکالی اور پھر ڈبیہ کھول کر اس میں سے بے حد خوبصورت ڈائمنڈ رنگ نکال کر ہکا بکا کھڑی نشو کی انگلی میں پہنا دی اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"مبارک سلامت۔" کے شور میں ہونق سی بنی نشو کی سمجھ میں تمام معاملہ آ گیا تو وہ بے اختیار شرما گئی۔

"مگر وہ حارث......!" اچانک یاد آنے پر نشو کے منہ سے نکلا۔

''میں ہوں ناں......'' نمرہ نے فرضی کالر کھڑے کیے اور سب کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔ نشو نے شرما کر اپنا آنچل سر پر ڈال لیا اور عفی شرارت سے اس کے کچھ اور قریب ہو گیا اور نشو کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے لگا جب کہ احمر کیمرے سے کھٹا کھٹ تصویریں بنا رہا تھا۔

☆......☆......☆

چند ہی روز بعد نمرہ اور حارث کی منگنی بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہو گئی۔ اس منگنی پر تیمور کے ممی اور ڈیڈی بھی موجود تھے۔ میرو کی ممی نے اپنی پرانی دوستی کے واسطے دے کر عزمی کی امی کو ایک بار پھر عزمی کو تیمور کی دلہن بنانے پر رضا مند کر لیا تھا۔ تیمور نے بھی کامران بھائی کو منت سماجت کے بعد منا لیا تھا۔ واقعی اب تیمور وہ پرانا تیمور نہیں رہا تھا۔ بھابی اور نمرہ، تیمور کا اس گھر میں سب سے بڑا اووٹ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قسمت کا پلڑا ایک بار پھر تیمور کے حق میں جھک گیا تھا۔

یوں ایک شام نہایت سادگی کے ساتھ عزمی کا نکاح تیمور کے دوست جمشید سے کر دیا گیا۔ طے تھا کہ اگلی صبح جمشید سب کی موجودگی میں عزمی کو طلاق دے دے گا۔ ایک شب کی رفاقت کے لیے جمی نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کمرہ بک کرا لیا تھا۔ دستور کے مطابق نصف شب کے قریب بھابی اور شبو آپی، عزمی کو دلہن کا روپ دے کر اس کے حجلہ عروسی میں چھوڑ گئی تھیں۔ سادہ سے آسمانی لباس میں ہلکا سا چاندی کا سیٹ پہنے عزمی گوٹا لگے سادہ سے دوپٹے کا رسمی گھونگٹ نکالے اپنے ''ایک رات کے دولہا کی منتظر تھی اور تبھی دروازے پر بھاری قدموں کی آواز ابھری اور عزمی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ جو بھی تھا اسے کسی بات کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ تبھی واش روم سے نائیٹ گاؤن پہننے کے بعد کافی دیر تک دانت برش کر کے کمرے میں واپس آیا تھا اور پھر ایک کونے میں پڑے صوفے پر بیٹھ کر اس۔ ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کر لیا اور بی بی سی سے تازہ ترین نیوز سن کر جانے کیا خیال آیا کہ انٹرکام پر کا کا آرڈر دے بیٹھا اور اس کے بعد وہ مرے مرے قدموں سے عزمی کی طرف بڑھا......اور چند لمحوں لب کھنکھار کر بولا۔

''اس طرح تو آپ بیٹھے بیٹھے تھک جائیں گی۔ پلیز! ایزی ہو جائیں۔'' اور اس آواز پر عزمی۔

تڑپ کر سر اٹھایا۔ یہ آواز تو وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ یہ جمشید کی آواز تھی۔ عزمی نے اپنا گھونگٹ اتار پھینکا اور جمشید بھی اسے دیکھ کر گویا اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

اگرچہ برسوں گزر چکے تھے مگر گویا کل ہی کی بات تھی کہ جمشید وغیرہ عزمی کے پڑوس میں آ کر نئے آباد ہوئے تھے۔ پہلے وہ محلے میں آباد ہوا اور پھر عزمی کے دل میں جگہ بنالی مگر جمشید کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ تھا۔ وہ عزمی کو بھی مشرقی اور مذہبی اقدار کا پابند دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا تمام گھرانہ خود بھی صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا، اگرچہ دونوں ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتے تھے مگر ان دونوں کے بیچ ایک مناسب فاصلہ تھا۔ جمشید، عزمی کو اپنانا چاہتا تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ وہ ابھی برسرروزگار نہیں تھا اور ابھی اس سے بڑی دو بہنیں اور موجود تھیں جن کی شادی ہونا باقی تھی۔ انہیں نظر انداز کر کے وہ والدین سے اپنی شادی کے لیے تقاضا نہیں کر سکتا تھا۔

جبکہ ادھر شبو آپی کی شادی کے بعد سب کی نظریں عزمی کی طرف لگی ہوئی تھی اور انہی دنوں جمشید ایک عزیز کے بلاوے پر کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹانے انگلینڈ چلا گیا جہاں بعد میں اس کی دوستی تیمور سے ہوئی اور رفتہ رفتہ دونوں یک جان دو قالب ہو گئے۔ جمی کا عزمی سے بظاہر کوئی رابطہ نہیں تھا مگر اپنی بہنوں کی زبانی فون پر یا خط کے ذریعے عزمی کے بارے میں معلوم ہوتا رہتا تھا۔ پھر تیمور امریکہ چلا گیا تو جمی سے اس کی دوستی میں عارضی تعطل آ گیا اور پھر تیمور فرم کی طرف سے پاکستان برانچ میں پوسٹ ہو گیا اور انہی دنوں جمی کو اپنی بہنوں کے خط کے ذریعے عزمی کی شادی کی اطلاع ملی۔ وہ گویا بجھ کے رہ گیا۔ اس نے دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ صرف اور صرف عزمی کو چاہا تھا اور اس کے بغیر زندگی کا اس کے پاس کوئی تصور بھی نہیں تھا مگر وہ لب سی کر خاموشی سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہا۔ مگر سب سے پہلے اس نے اصرار کر کے گھر والوں کو اس بات پر راضی کیا کہ عزمی کے محلے کا مکان بیچ کر کسی اور جگہ گھر خرید لیں چونکہ اب اس جگہ جانا خود جمشید کے لیے محال تھا جہاں کبھی اس کی عزمی رہا کرتی تھی۔

پچھلے دنوں جمشید پاکستان آیا تو تیمور نے تمام بات سنا کر اس سے مدد کی درخواست کی اور یوں وہ اس کار خیر کے لیے تیار ہو گیا۔ عین نکاح والے دن اگرچہ جمشید سب کو پہچان کر سمجھ گیا تھا کہ تقدیر نے اس کے ساتھ بھیانک مذاق کیا ہے مگر اس نے اپنے دل کی کیفیت کسی پر ظاہر نہ ہونے دی تھی۔ کامران

بھائی وغیرہ شاید اسے اس لیے نہیں پہچان سکے تھے کہ جمشید نے نا صرف فرنچ داڑھی رکھ لی تھی بلکہ اس کا دبلا پتلا بدن خاصا بھر گیا تھا۔اور آنکھوں پر سفید چشمہ بھی آ گیا تھا۔

نکاح کے بعد وہ لمحہ کہ جس سے جمشید اب تک بچنے کی کوشش کر رہا تھا سر پر آ گیا۔عزمی بے اختیار اس کے قریب چلی آئی اور اسے جھنجھوڑ کر پوچھ رہی تھی۔

''کیا تم ہی ہو جمشید......؟ بولو......محبت کا دعویٰ کرنے والے،کیا تم جیسے ہوتے ہیں جو کسی کو آس دلا کر پلٹ کر پھر خبر نہیں لیتے؟ تمہیں کیا خبر میں نے کتنے دکھ سہے اور اب بھی تم ملے ہو تو بس ایک رات کی رفاقت کے لیے۔کیا یہی تمہاری محبت ہے؟'' وہ جمشید کے بالوں بھرے سینے میں منہ چھپائے سسکیاں بھر رہی تھی اور جمشید کا پورا وجود جیسے زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں تھا اور پھر اس نے بھی ہر احتیاط بھلا ڈالی اور برسوں کی پیاسی زمین کو محبت کے چشمے سے سیراب کرنے لگا۔

اس نے عزمی کو بتایا کہ اس کی شادی کے بعد کس طرح جمشید نے زندگی کا ایک ایک لمحہ انگاروں پر لوٹ کے گزارا تھا اور عزمی کے بعد پھر کسی عورت کا اس کی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں رہا اور وہ ابھی تک تنہائی کا عذاب جھیل رہا ہے۔عزمی یہ باتیں سن کر ششدر رہ گئی۔وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جمشید اسے اس قدر چاہتا ہوگا۔وہ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگی۔رات گئے تک وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی زندگی کی کہانیاں سناتے رہے اور اسی طرح نہ جانے کب دونوں کی آنکھ لگ گئی۔

صبح عزمی کی آنکھ دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز سے کھلی۔اس نے جمشید کو جگایا اور اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے بھابی اور شبو آپی منتظر تھیں۔

''چلو عزمی......! جلدی سے تیار ہو کر نیچے لاؤنج میں آ جاؤ۔ہم سب وہیں تم دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔'' بھابی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور ہاں......تمام کاغذات تیار ہیں......صرف تم دونوں کے دستخط ہونا باقی ہیں۔تیمور بھی نیچے منتظر ہے۔'' جواباً عزمی صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد دونوں نہا دھو کے تیار ہونے کے بعد نیچے ہوٹل کے لاؤنج میں پہنچے تو وہاں عزمی کے تمام گھر والوں کے علاوہ تیمور بھی ممی اور پاپا کے ساتھ ان کا منتظر تھا۔تیمور کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رات بھر سو نہیں سکا اور خاصا ڈسٹرب رہا تھا۔عزمی نے سب سے سلام دعا کے بعد جمشید کے ساتھ والی

ایک نشست سنبھال لی۔

''میرا خیال ہے کاغذات پر دستخط کروا لیے جائیں۔'' تیمور کو خاصی جلدی تھی۔

''کون سے کاغذات؟'' عزمی نے انجان بن کے پوچھا۔

''طلاق کے کاغذات بھئی اور کون سے کاغذات......! کیا تم بھول گئیں؟'' تیمور نے جھنجھلا کر جواب دیا۔جواباً عزمی معنی خیز انداز میں مسکرائی اور کامران بھائی کی طرف دیکھا۔

''میں کوئی طلاق نہیں لے رہی کامران بھائی! اپنے شوہر سے۔کوئی پاگل لڑکی ہی ہوگی جو ایک فرشتے کو چھوڑ کر کسی معمولی سے انسان کو اپنائے گی۔مجھے تو اس رشتے کی خوبصورتی کا احساس ہی اب ہوا ہے۔'' اس نے محبت پاش نظروں سے جمشید کی طرف دیکھا۔جب کہ باقی سب حیران پریشان ہو کر کبھی عزمی اور کبھی جمشید و تیمور کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ زیادتی ہے جی......!'' تیمور نے براہ راست جمشید کو الزام دیا۔''جو پہلے سے طے ہو چکا تھا ہمارے درمیان......اب وہی ہونا چاہیے۔''

جمشید نے الجھی ہوئی نظروں سے عزمی کی طرف دیکھا۔وہ عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ایک طرف دوستی تھی تو دوسری طرف محبت۔

''اگر جمشید مجھے طلاق دیں گے تو میں اسی وقت خودکشی کرلوں گی۔'' عزمی نے مضبوط لہجے میں کہا۔

چند لمحے سناٹا چھایا رہا اور تب تیمور نے ہی سکوت توڑا۔

''ٹھیک کہتی ہو عزمی......! زیادتی شاید میری ہی ہے اور آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا نادانی ہے، سو مجھے تمہارے فیصلے سے اتفاق ہے۔'' اور پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جمشید کی طرف بڑھا۔

''میری دعا ہے کہ تم دونوں ہمیشہ اسی طرح محبت و اتفاق سے اکٹھے رہو۔زرد خزائیں کبھی تمہارے گھر کا رخ کریں تو انہیں میرا راستہ دکھا دینا......! او کے......میں چلتا ہوں۔'' تیمور نے ممی اور پاپا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھا دیئے۔

''میرو......! سنو'' جمشید اس کے پیچھے لپکنے لگا تو نہ جانے کیسے عزمی کے اندر ہمت آ گئی کہ اس نے آگے بڑھ کر جمشید کو روک لیا اور اس کا ہاتھ تھام کے کھڑی ہو گئی اور جمشید بے بسی سے مسکرا دیا۔

عزمی اسے دنیا میں سب سے بڑھ کر عزیز تھی۔اسی کے لیے تو اس نے اتنا طویل بن باس کاٹا تھا اور

اب جب کہ قدرت نے اسے خود جمشید کی جھولی میں ڈالا تھا تو وہ کیوں کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا۔

سب لوگوں پر سکتہ طاری ہوگیا۔ تیمور کی ممی، عزمی کی پیشانی چوم کر باہر جا چکی تھیں۔

تب بھابی آگے بڑھیں اور عزمی کو گلے لگا کر نئے بندھن کی مبارک باد دی۔ کامران بھائی بھی بھابی کی دیکھا دیکھی آگے بڑھے اور جمشید سے بغل گیر ہوگئے اور امی نے بھی آگے بڑھ کر دونوں کو دعائیں دیں۔ شبو آپی اور ان کے شوہر بھی آگے بڑھ آئے۔ اس وقت سب کے چہروں پر سچی خوشیوں کا رنگ چمک رہا تھا اور تبھی خالہ، احمر بھائی اور عفی کے ہمراہ قدرے افسردہ سی ہال میں داخل ہوئیں مگر وہاں کا بدلا ہوا ماحول دیکھ کر ان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سب کو آگے بڑھ چڑھ کر مبارکباد دینے لگیں۔ نشوا البتہ عفی کو دیکھ کر شرما گئی اور نمرہ کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔

''اب کیوں چھپ رہی ہو میرے پیچھے......؟ منگنی کے وقت تو بڑا چہک رہی تھیں......'' نمرہ نے اس کی چٹکی بھری۔

''فکر نہ کرو......تمہارا بندوبست کرنے والے بھی آ گئے ہیں اور کل شام تک تمہاری بھی باری آ جائے گی شرمانے کی......کیوں کہ حارث کے گھر والے شادی کے لیے تاریخ مقرر کرنے آ رہے ہیں۔'' عفی نے سرگوشی میں نمرہ کو چھیڑا تو وہ بلش ہوگئی۔

☆......☆......☆

شام کے دھندلکے میں جھیل کنارے بیٹھا تیمور بے حد شکستہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دکھ کے ایسے سمندر میں گھر چکا تھا جہاں سے کوئی بھی کشتی خوشیوں کے ساحل کی طرف نہیں جاتی تھی۔

جب کشتی ثابت و سالم تھی
ساحل کی تمنا کس کو تھی؟
ساحل کی تمنا کون کرے......

جھیل کے کنارے بنے ریسٹورنٹ سے ڈیک کی آواز ابھر رہی تھی......اور تیمور آنکھوں میں آنسو لیے ان دھندلکوں کی طرف دیکھے جا رہا تھا، جہاں اس کے لیے تنہائیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا......!!

☆......☆......☆